جہاں سورج نہیں ڈھلتا

قائدین کی کثرت میں قیادت کا فقدان

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، جدید علوم کی بہتات نے انسان کو پریشان کر دیا ہے اور وہ ایک فیشن کے طور پر ان کی تحصیل میں مصروف ہے۔ ہر آدمی اس Marathon Race یا دھکا پیل میں شریک ہے لیکن اس کو اپنی منزل کی خبر نہیں ہے۔ ہماری رفتار از حد تیز ہے لیکن سفر بہت آہستہ ہے۔ ہم تیزی سے راستے سر کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں لیکن فاصلے برابر بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہمارا کرب یہ ہے کہ ہمیں قائدین کی کثرت نے قیادت سے محروم کر دیا ہے۔ ہم مذہب کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اکثریت کو اپنے مذہب کی آگہی حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آس پاس مذہب سے برگشتہ لوگوں کا ایک ہجوم ہے جو موجودہ زمانے کی تعلیم سے تو آراستہ ہے لیکن وہ مذہب کی حقیقی روح سے مکمل آشنائی نہیں رکھتا ہے۔ مذہب کے اس واجبی علم نے آج کے انسان کو از حد پریشان کر رکھا ہے کیونکہ وہ اپنے محدود سائنسی اور دنیوی علم، تعلیمات اور مشاہدات سے اپنے دین اور اپنے اللہ کا عرفان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ ہم ایک غیر معمولی چیز کو معمولی علم سے پانے کی سعی کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں حقیقت اشیاء کا علم نہیں ہے حالانکہ انبیاء اور صوفیاً کو ہمیشہ اشیاء کا حقیقی ادراک حاصل کرنے کی آرزو رہی ہے۔ انسان کا اپنی نفسیات کے اعتبار سے ہر دور میں یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جس چیز کی حقیقت کو سمجھنے کی استعداد اور اہلیت نہیں رکھتا تھا، اس بات کا بلا تامل اور بلا توقف ارتداد و انکار کر دیتا تھا۔ فلسفۂ دین اور خدا کے عرفان کے حوالے سے یہ نکتہ تو آج کل فیشن کی حد تک عام ہو گیا ہے۔ ہر شخص جو دو چار جماعتیں یا دو چار کتابیں پڑھ جاتا ہے اور چند سائنسی نظریات اور فلسفیانہ تصورات جانتا ہے قرآن، مذہب اور خدا سے برگشتگی کا ضرور اعلان کرتا ہے۔ اس نفسیاتی نکتے کا پس منظر یہ ہے کہ وہ ایسی اوٹ پٹانگ، بے بنیاد اور بے تکی باتیں کر کے اپنے آپ کو پڑھا لکھا، ترقی یافتہ اور جدید نظریات و تصورات کا حامل شخص ثابت کرنا چاہتا ہے۔ دراصل مغربیت کی ہوا نے ہمیں فکری اور علمی مفلسی کا شکار بنا دیا ہے اور ہم شیشہ گران فرنگ کے ذہنی طور پر غلام بن کر نہ صرف اپنے غیر معمولی مذہبی علمی ورثے سے آشنائی اور استفادہ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ ہم نے مغرب کی جانب سے آنے والے نظریات و تصورات اور فلسفے کو اپنے لیے توقیر کی علامت بنا لیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے یقیناً اسی بد

روش سے بچنے کے لیے یہ دعا مانگی تھی۔

برق کے لیمپ سے آنکھوں کو بچائے اللہ
روشنی آتی ہے اور نور چلا جاتا ہے

آج اکثریت کی یہی حالت ہے یعنی چند ڈگریاں اور مروجہ محدود معاشرتی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم نے روشنی تو حاصل کر لی ہے لیکن ہمارے اندر کا نور گم ہو گیا ہے اور ہم واقعی اشیاء کی حقیقت دیکھنے اور سمجھنے سے عاری ہو گئے ہیں۔ بقول اقبال

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا ہے

کسی غیر معمولی شے کی قطعی حقیقت سمجھنے کے لیے مسلسل شدید جستجو، شوق اور اضطراب کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک خاص خلوص، لگن اور انہماک کے بغیر قرآن و حدیث کی ندرتیں، فلسفۂ دین کی نزاکتیں اور خدا اور رسولؐ کے عرفان کی لطافتیں شعور انسانی میں نہیں آ سکتی ہیں۔ اس بلندتر مقصد کے حصول اور لطیف نکتے کے ادراک کے لیے نہ صرف پیچ و تاب رازی کی ضرورت ہے بلکہ سوز و ساز رومی بھی ضروری ہے۔

اسی ادق نکتے کی تفہیم کے لیے ممتاز مذہبی دانشور پروفیسر احمد رفیق اختر ایک زمانے سے مخلصانہ کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ فلسفہ یا فلسفۂ مذہب اور خدا کا عرفان اس قدر آسان نہیں ہے کہ ہر Tom Dick and Harry جس کو اپنے وجود کی ابتدا اور انتہا کا بھی صحیح ادراک نہیں ہے اور جو اس خاص فیلڈ کا نہایت محدود علم رکھتا ہے، وہ خدا، قرآن، حدیث اور فلسفۂ مذہب کا ناقد، مفسر اور شارح بن جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ مذہب کے ساتھ مذہب کے پیروکاروں نے انصاف نہیں کیا۔ انہوں نے مذہب کو اس کا صحیح مقام حاصل ہونے نہیں دیا۔ اگر مذہب کو اس کا حقیقی مقام عطا کر دیا جاتا تو آج مذہب پر اتہام رکھنے والوں کی تعداد اور شدت اس قدر زیادہ نہ ہوتی۔ وہ مذہبی سلسلہ جو یہودیت اور عیسائیت کی وادیوں سے ہوتا ہوا اسلام کی آخری منزل تک پہنچتا ہے، مذہب کے ٹھیکے داروں اور پیروکاروں نے اس کی حالت اور شکل کو مسخ کر دیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا اور مذہب کو ایک فطری تسلسل اور دیانتدارانہ ربط اور تواتر کے ساتھ آگے بڑھنے دیا جاتا تو آج مذہب کی حقیقی روح کا عرفان حاصل کرنا از حد مشکل نہ ہوتا اور مذہب جو خدا کا بھیجا ہوا اور بتایا ہوا طریقہ، انداز اور فلسفہ ہے اس میں غیر معمولی اور غیر حقیقی فکری اور عملی تناقض ہرگز نہ ہوتا۔ خدا جو قرآن میں اعلان کر رہا ہے کہ تمام لوگ ازل سے موحد تھے لیکن انسانوں نے مجرمانہ فکری غفلت سے رفتہ رفتہ اس میں شرک کا عنصر شامل کر دیا اور مخلوق خدا کو مختلف خانوں، رنگوں اور متضاد نظریات و افکار میں تقسیم کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس جو تحقیق و جستجو اور مشاہدات و تجربات کا ایک دیانتدارانہ تسلسل ہے اور اس میں برابر ایک مخلصانہ تواتر اور بدلتے ہوئے لمحات اور اوقات کے مطابق جدید تبدیلیوں اور اضافوں کو قبول کرنے کا حوصلہ اور ظرف بھی پایا جاتا ہے۔ اس طرح مذہب میں بددیانتی اور عدم واقفیت کی بناء پر ایسا ہونے نہیں دیا گیا ہے حالانکہ یہ وقت اور تاریخ کی اہم ضرورت تھی کہ سائنسی نقطۂ نظر اور مزاج کی طرح مذہبی آسمانی تبدیلیوں اور ضرورتوں کو بھی قبول کیا جاتا لیکن بدقسمتی سے مذہب کے حوالے سے ایسا نہیں ہوا اور مختلف

مذہبی گروہوں نے مذہب کی جدید ترین اور ترقی یافتہ صورت کو ابھرنے اور پنپنے کا قدرتی اور فطری موقع عطا نہیں کیا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ مذہب ایک جامدی شے بن گیا ہے اور اس میں انسانی سوچوں کے من پسند، غیر حقیقی عناصر شامل کر دیے گئے ہیں اور خدا نے جو ہر زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق مذہب کی صورت میں اپنا ایک اخلاقی، فکری اور نظریاتی نظام دیا تھا، اس کا عملی فروغ ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آنے والے زمانوں میں Anti-religion لوگ مذہب کے درمیان پائے جانے والے ان اختلافات کا فائدہ اٹھا کر مذہب کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اس عالم میں مذہب کا دفاع کرنے کے لیے جن لوگوں کو پیش کیا گیا، وہ تحقیق و جستجو اور علم و آگہی سے مکمل عاری تھے اور وہ مذہب کی حقیقی نمائندگی کا ہرگز حق نہیں رکھتے تھے لیکن بدقسمتی سے دشمنان مذہب نے ان نام نہاد نمائندگان کی کم فہمی اور کم علمی پر ماتم کرنے کے بجائے خواہ مخواہ مذہب کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان لوگوں کے افکار اور تصورات میں پائے جانے والے ابہام، انقاص اور اختلافات کو مذہبی رطب و یابس قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر احمد رفیق اختر کا یہ موقف ہے کہ ایسی تحریف شدہ مذہبی کتابوں میں شامل تمام واقعات کو خدا کے عطا کردہ مذہب کا حصہ قرار نہ دیا جائے بلکہ خدا ایسی فرسودہ فکری اور نظریاتی چیزوں کو اب Own نہیں کرتا ہے جو عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید سے تعلق رکھتی ہیں۔ اب ان کی حیثیت مشکوک اور متروک ہو چکی ہے۔ اب اگر خدا کی بات کا ادراک حاصل کرنا ہے تو پھر خدا کے اس اعلان کو بھی سمجھنا پڑے گا کہ اب قرآن ہی میری آخری کتاب ہے۔ میں نے اپنے نظریات و تصورات کو اس کتاب میں مکمل کر دیا ہے۔ اب یہی کتاب میری اجتماعی سوچ کی نمائندگی کرتی ہے اور میں اب اس کتاب میں بیان کیے گئے اپنے افکار اور نظریات کا ذمہ دار رہوں۔ اگر اس قرآن میں بیان کردہ میرے نظریات، انکشافات اور تصورات میں کہیں اختلاف، تناقض، ابہام اور فرسودگی پائی جاتی ہے تو پھر چیلنج انکار اور اعتراض کی بات کرو۔ پروفیسر احمد رفیق اختر نے قرآن کے ان اعلانات کو اس زمانے کے سائنس دانوں کے لیے ایک کھلے چیلنج کے طور پر پیش کیا ہے کہ خدا کہتا ہے کہ میں نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پہاڑ بھی مسلسل چل رہے ہیں اور زمین و آسمان پہلے ایک تھے اور پھر ہم نے ان کو پھاڑ دیا ہے اور زمین ان میں سے ایک ٹکڑے کی حیثیت رکھتی ہے۔ سائنس دانوں کو اگر اپنے علم پر ناز ہے اور وہ اپنے علم کو قرآن سے اعلیٰ اور ہمہ گیر تصور کرتے ہیں تو پھر اس طرح کے اعلانات اور نظریات کے ابطال کا ثبوت فراہم کریں یا قرآن کے اس اعلان سے پہلے ان حقائق کو سائنس کی تحقیق ثابت کریں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو پھر تحقیق، تفتیش اور کائنات کے گہرے مطالعے کے بغیر خدا اور اس کے نظریات کی ہرگز نفی نہ کریں اور اگر وہ قرآن اور خدا کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرنا چاہتے ہیں تو پھر وہ جس طرح سائنس کی تحقیق و جستجو میں سال ہا سال تک مخلصانہ اور بے تابانہ غور و فکر، لگن اور تپسیا کا مظاہرہ کرتے ہیں، بالکل اسی طرح قرآن کی تفہیم پر بھی کامل یکسوئی اور مکمل تحقیق کا حق ادا کریں کیونکہ قرآن پر وہی شخص اعتراض کرنے کا حق رکھتا ہے جو اس پر غور و فکر کرے، تدبر کرے، تحقیق کرے اور اس کا گہرا مطالعہ کرے۔ اللہ خلوص کے ساتھ غور و فکر اور اعتراض والے ہر شخص کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کی ضمانت بھی دیتا ہے اور اس کے تمام شک، گمان، ظن اور تخمین اللہ دور کر دیتا ہے لیکن تحقیق کے بغیر اس کتاب کے بارے میں محض فیشن کے طور پر رائے دینا، قرین انصاف نہیں ہے۔ اسی لطیف نکتے کی تفہیم کے لیے پروفیسر احمد رفیق اختر ایک طویل مدت سے لوگوں کو لیکچر دے رہے ہیں اور انہیں یہ تلقین کر رہے ہیں کہ وہ اپنے آدرش،

نصب العین اور اپنی ترجیح اول یعنی اپنے اللہ کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دیتے ہوئے اسے پانے کے لیے دل و جان سے آمادہ ہوں۔ اس بلند تر مقصد کے حصول کے لیے پروفیسر صاحب پورے ملک میں مختلف موضوعات پر لیکچرز دیتے ہیں۔ یہ کتاب ”جہاں سورج نہیں ڈھلتا“ پروفیسر صاحب کے ان ہی لیکچرز کا انتخاب ہے۔ اس کتاب میں شامل تمام لیکچرز کے خیالات، نظریات اور تصورات، درحقیقت اس بسیط کائنات کے ان فکری جہانوں کا پتا دیتے ہیں، جہاں کبھی بھی سورج غروب نہیں ہوتا ہے یعنی یہ وہ الوہی مقام ہے جہاں ابدی اب (Ultimate Now) کے آفاق پر پھیلے ہوئے عرفان آمیز رنگوں کو دوامی زندگی کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔

میرے نزدیک، ”جہاں سورج نہیں ڈھلتا“ قرآنی فلسفے اور تصورات کے مطابق صحیفۂ کائنات کی نقاب کشائی بھی کرتی ہے اور اس کا ہر راز اور بھید ہمارے ادراک سے ہم کلام ہوتا ہے اور ہم کامل آگہی کے ساتھ مذہب کو اپنے خارج اور باطن کی فطری ضرورت سمجھتے ہوئے قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایک خاص قسم کی محبت، لگن اور جستجو ہمیں اپنے خالق حقیقی اور حسن مطلق کو پانے کے لیے بےتاب اور بےچین کر دیتی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جو حقیقی مومن کی زندگی کی شہادت ہے۔

میں نے اس کتاب کی وساطت سے پروفیسر احمد رفیق اختر کے خیالات عالیہ کو آپ تک پہنچانے کی دیانتدارانہ کوشش کی ہے لیکن اگر اس پورے عمل میں کہیں بھی کوئی کجی، کمی اور نقص رہ گیا ہو تو میں اس کے لیے سراپا معذرت ہوں۔

اب میں آخر میں اپنے دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے قدم قدم پر اپنے بےپایاں خلوص اور تعاون سے سرفراز کیا اور میں اس کتاب کی تالیف اور ترتیب کے مشکل مرحلوں سے بامراد گزر رہا ہوں۔ میرے ان دوستوں میں محمد آصف اور ظہیر عباس سرفہرست ہیں۔ رب جلیل اپنے حبیبؐ کے صدقے میں ان کو اجر جزیل عطا فرمائے اور میری اس مسعات کو لمحوں کی توقیر بھری جھولی میں معتبر اور مقبول فرمائے۔ (آمین)

مؤلف
پروفیسر سید نسیم تقی جعفری
شعبہ اردو
سرور شہید (نشان حیدر) گورنمنٹ کالج گوجر خان

نظریۂ رحمت پروردگار

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا O

(الاسراء آیت ۸۰)

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس دعا سے پرہیز دے جو قبول نہ ہو، اس نفس سے پرہیز دے جو کبھی سیر نہ ہو، اس دل سے پرہیز دے جس میں خشیتِ الٰہی نہ ہو، اس خیال سے جس میں محبتِ الٰہی نہ ہو اور اس علم سے یقیناً پرہیز دے جس میں نہ اس کے اپنے لیے نفع ہو نہ کسی دوسرے کے لیے نفع ہو۔

خواتین و حضرات! رحمتِ پروردگار کا موضوع اس لحاظ سے انوکھا ہے کہ جستہ جستہ، جملہ جملہ اشارۃً کنایۃً یہ موضوع زندگی، علم، ادب، خیال اور عمل میں متعدد بار اس کا ذکر ہوتا رہا ہے مگر اس کی نوعیت کیا ہے اور رحمت کا مطلب کیا ہوسکتا ہے؟ اس کا حقیقی اور وسیع تر پس منظر کیا ہے، اس پر کم ہی توجہ دی گئی ہے۔ رحمت کا مطلب صرف مہربان ہونا ہے۔ رحمت ایک نظام ہے، ایک شعبہ ہے اور اس پر دو اسمائے الٰہیہ رحمٰن اور رحیم کی حکومت ہے۔ رحمٰن و رحیم کی اہمیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسمِ اعظم کو سورۂ بقرہ اور سورۃ طٰہٰ میں تلاش کرو۔ غور کیجیے ان دونوں سورتوں میں صرف دو بڑے اسماء پائے جاتے ہیں۔

”والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم“ (البقرۃ: آیت ۱۵۹)

خواتین و حضرات! سورۃ طٰہٰ میں صرف ایک ہی اسمِ اعظم پایا جاتا ہے۔ ”وعنت الوجوہ للحی القیوم“ (طٰہٰ: آیت ۱۱۱) پروردگارِ عالم فرماتے ہیں کہ اسمِ رحمٰن و رحیم کے تحت میں نے کائنات کی تخلیق شروع کی ہے۔ جب زمین و آسمان میں کوئی شے بھی نہ تھی اور زمین و آسمان کچھ بھی نہ تھے، جب صرف اللہ کی ذاتِ گرامی موجود تھی، دیکھنا یہ ہے کہ جو تصورِ تخلیق ہوا وہ تصورِ انسان ہے یا تصورِ کائنات، تو اس آیت سے وضاحت ہوتی ہے کہ کائنات پہلے بنائی گئی، زمین و آسمان پہلے تخلیق کیے گئے، بادلوں اور ہواؤں کو پہلے مسخر کیا گیا، مگر کس لئے؟ تاکہ اہلِ عقل آیاتِ الٰہی کے ذریعے سوچیں، سمجھیں، اور تصورِ خدا کی طرف مائل ہوں۔ اللہ اور بندے کے درمیان رحمت کے رشتے کے تصور کو جاننے کے لیے اپنے سے پست تر مخلوق کو لیجیے، جانوروں کے اندازِ زندگی کو دیکھیے۔ کیا ہم ان کی نامعقول حرکتوں کو برداشت نہیں کرتے، کیا ہم جانوروں کی غلط حرکتوں پر انہیں سزا دیتے ہیں یا قتل کرتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ ایک بنیادی اصول یاد رکھیے کہ عالم کبھی کم علم

کو سزا نہیں دیتا کیونکہ اس کو حدود علمیہ کا ادراک ہوتا ہے، جب ایک کم تر ذہن میں ایک بڑی اخلاقی بات سمجھنے کی اہلیت نہ ہوگی، جب ایک جانور کو جس کے Brain کی مقدار محدود ہے اور جس کے پاس اخلاقی اقدار سمجھنے کی کوئی قوت وطاقت نہیں ہے تو پھر آپ اس کو کیوں سزا دیں گے؟ اگر دیکھا جائے تو خواتین وحضرات! ہم رب کریم کے نزدیک ویسے ہی ہیں اور یہ بعید نہیں ہے کہ اللہ ہمیں ہماری کم علمی ہی کی وجہ سے معاف کر دے۔

خواتین وحضرات! حدیثِ قدسی ہے کہ ایک شخص گناہ کرے گا پھر اس پر توبہ اور آہ وزاری کرے گا۔ اللہ کی طرف رجوع کرے گا تو اللہ تعالیٰ جبرائیل سے فرمائیں گے دیکھو اس شخص نے ایک گناہ کیا ہے کیونکہ اس کو علم ہے کہ کوئی بخشنے والا ہے تو جاؤ اس کو کہہ دو کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ اس آدمی کو بخش دیا جاتا ہے۔ کچھ عرصے بعد وہ پھر گناہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبرائیل دیکھو اس شخص نے پھر گناہ کیا ہے کہ اس کو پتا ہے کہ کوئی بخشنے والا ہے تو جا اس کو کہہ دے کہ میں نے اسے بخش دیا ہے۔ جبرائیل اسے پھر بخشش کی خوشخبری سنائیں گے۔ وہ آدمی پھر گناہ کرے گا اور پھر توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کہیں گے اے جبرائیل اس کو تو کامل یقین ہے کہ میں بخشنے والا ہوں تو اس سے کہہ دے کہ تمہارے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کیے۔

خواتین وحضرات! بخشش کا یہ تصور ناقابل فہم ہے اور ہمارے ادراک میں نہیں آتا ہے کیونکہ ہم نے ناحق اللہ کا خوف اپنے اوپر طاری کر رکھا ہے، حالانکہ وہ اپنے بندوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے اور جب اتنی محبت کرنے والی ذات گرامی موجود ہو تو پھر آدمی گناہ کیوں نہ کرے۔ مگر خواتین وحضرات! اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تعلیم وتربیت کے کچھ اور ہی ڈھنگ ہیں۔ فرض کرو اگر اس کو منظور ہے کہ آپ کے ہاتھ گناہ نہ کریں اور اس نے آپ کو بخشش بھی عطا کر دی ہو تو دیکھنا کہ کہیں وہ آپ کے ہاتھ ہی نہ لے لے کیونکہ وہ جس کو بخش دے گا اس سے خطا کی Capacity ہی چھین لے گا تاکہ آپ اس وجہ سے بار بار کسی System کی Annoyance کا باعث ہی نہ بنیں۔ یقین جانیے کہ مسلمان پر جتنے بھی مشکل مرحلے آتے ہیں، جتنا اس پر آسمان، بیماریوں، بھوک وافلاس اور معیشت کی تنگی کی صورت میں جو جبر وتشدد روا رکھتا ہے، اس کی محض ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ پروردگار عالم اسے اس کے اسی مزاج میں جس مزاج میں وہ گناہ میں ملوث ہوتا ہے، جس میں وہ خدا کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہا ہوتا ہے، اسے آگے بڑھنے سے روک دیتا ہے۔

اگر تم ہماری یاد والے ہو اور ایمان والے ہو تو اللہ شکر قبول کرتا ہے، علم قبول کرتا ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواتین وحضرات! اگر اللہ کی رحمت کا مفہوم یہی ہے تو پھر دوزخ کیا ہے؟ اور یہ بے شمار مخلوقات جن کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ 999 دوزخ میں جائیں گے اور یہ یاجوج وماجوج میں سے ہوں گے اور ایک جنت میں جائے گا۔ اتنی بڑی تعداد کو دوزخ میں ڈالنے سے تصورِ رحمت پروردگار مجروح ہوتا نظر آتا ہے۔ ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر اتنی کڑی سزائیں بھی تو انسان کے لیے رکھی ہیں مگر خواتین وحضرات! اس میں صرف ایک نکتہ قابل غور ہے، صرف ایک نکتہ کہ کوئی پناہ مانگنے والا اس اتھارٹی کو تو پہچانے جو اسے پناہ دینے والی ہے۔ کوئی مغفرت مانگنے والا اس اللہ کو جانے تو سہی جو اس کو مغفرت دینے والا ہے۔ جب آپ اس اتھارٹی ہی کو نہیں مانتے، جب آپ اس سے کچھ طلب ہی نہیں کرتے، جب آپ اس کے قریب تر ہونے کی کوشش ہی نہیں کرتے، جب آپ اس کی رحمت کی تلاش اور طلب ہی

نہیں رکھتے اور آپ خود ہی غفار ہیں تو پھر بھلا وہ آپ کو کیونکر معاف کر دے؟ کفار کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ جب یہ جہنم میں داخل کر دیے جائیں گے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں ایک چانس اور دے دے۔

خواتین وحضرات! ایک واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں کھڑے تھے کہ ایک نمازی نے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ پر رحم کر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم کر اور ہمارے علاوہ کسی اور پر رحم نہ کر۔ وہ بار بار یہی دعا مانگے جاتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا اور اس نمازی سے کہا ارے! تو نے اللہ کی بے پایاں رحمت کو کیوں تنگ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں اگر میں رحمت انسانوں کے حوالے کر دیتا تو انہوں نے سوائے اپنے گھر کے کسی اور کو نہیں بانٹنی تھی۔ خدا قرآن میں کہتا ہے کہ انسان بخیل ہے اور آپ کو ایک بات کا پتا ہونا چاہیے کہ رحمٰن، رحیم اور رؤف بخیل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ مغرب کبھی کمزور پر رحم نہیں کرتا ہے۔ وہ اس قسم کے نظریے سے ناآشنا ہے۔ مغربی اقوام کا جتنا بھی تجزیہ کیا جائے، ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ کمزور پر رحم نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جائیں، منت سماجت کریں، آقایان مغرب سے درخواستیں پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں تو اپنے لیے ہی ہم پر رحم کرو تو پھر سمجھو آپ پر رحم نہیں ہو سکتا۔ یہ صفات بخل مغرب آشکارا ہیں اور آپ تک اب بہت زیادہ پہنچ چکی ہیں۔ اس لیے اللہ کہتا ہے کہ اگر میں اپنا رحمت کا Institution کسی انسان کے حوالے کر دیتا تو یقیناً یہ رحمت بہت محدود ہو جاتی۔ گلی محلے کی نکڑ تک ہی رہ جاتی مگر خواتین وحضرات! میں سوچتا ہوں اس نظریہ رحمت سے کچھ ایسا تاثر تو ضرور ابھرتا ہے کہ کبھی تو اللہ نے چاہا ہوگا کہ میں زمین پر آؤں۔ سوچا ہوگا کہ میرے طرز عمل کو انسان دیکھے۔ اپنے رب رحیم، رب کریم اور رب رحمٰن کا غور سے مشاہدہ کرے۔ اور اس کے افعال اور کردار کا جائزہ لے سکے اور وہ اپنے باری المصور کو دیکھے مگر اسے حجاب بھی رکھنا تھا اور سراپا رحمت بھی دکھانا تھا لہٰذا وہ اپنے نمائندوں کو مختلف ادوار میں مختلف حکمتوں سے نواز کر بھیجتا رہا اور آخر کار اپنی صفات کی مکمل شکل میں محمد عربی، خاتم النبیین اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسان کی فلاح و بہبود کے لیے بھیجا اور فرمایا، اے پیغمبر! تجھ سے لوگ یہ جانیں گے کہ رحمٰن ورحیم کیا ہے۔ تجھ سے لوگ جانیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو رحمۃ اللعالمین ہے، میں رب العالمین ہوں، مجھے اپنی اس صفت پر زیادہ فخر ہے کہ میں رب العالمین ہوں مگر میری رحمت تیری ذات سے اجاگر ہوگی اور لوگ جانیں گے...... رحمت دو عالم کی مثال دیں گے کہ میرا خیال تھا کہ میں آگ کے ایک گڑھے کے قریب کھڑا ہوں بہت بے چین اور بے قرار ہوں۔ میرے گرد شعلوں کا حصار ہے، میں ان کی تندی وتیزی سے محصور ہوں اور سوچتا ہوں کہ کوئی موقع ملے کہ میں اس آگ میں گر جاؤں پھر ایک دست غیب مجھے کمر سے کھینچ لیتا ہے، اپنے ہاتھ جھلساتا ہے اور اپنے آپ کو ملوث کرتا ہے۔ اس کو اپنی جان کی پرواہ ہی نہیں، یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میری امت، میرے لوگ آگ کے گڑھوں کے گرد جمع ہیں اور اس میں اس طرح گرنے کی کوشش کر رہے ہیں جیسے پروانے شمع پر نثار ہوتے ہیں اور میں ان کو کمر سے کھینچ کھینچ کر پیچھے کر رہا ہوں۔ رحمت عالم کی جزئیات تو بے شمار ہیں۔ چرند، پرند، شجر اور حجر سب اس کی بے پایاں رحمت سے مستفید ہیں مگر میں آج صرف آپ کو اس کی چنداں آفاقی صفات کی طرف اشارہ کروں گا کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کتنی عظیم اور لازوال سوچ تھی اس ذات محترم کی کہ جو زمان ومکاں کی قید سے آزاد تھی۔ خواتین وحضرات غور کیجیے آپ انسان کو کتنا یاد رکھ سکتے

ہیں، ہم اپنے آباؤ اجداد کی کتنی نسلیں یاد رکھتے ہیں، ہم کتنا عرصہ ان کے لیے دعا و سلام کرتے ہیں، کتنا عرصہ ان کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ بہت ہوا تو ایک دادا سے پوتے تک یا ذرا اور آگے بڑھ جائیں تو پڑدادا تک کون ایسا ہے جو اپنے مستقبل اور اپنی ان اولادوں کی فکر کرتا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئیں، اور جن کو اس کے چہرے کی شناسائی تک حاصل نہیں ہے۔ اس حوالے سے مجھے زندگی میں پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ وہ ذاتِ گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جن کی بے پایاں رحمت زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے۔ ان کی رحمت دیکھیے آج لوگ اگر کہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعالمین وفات پا گئے ہیں اور اب ان سے ہمارا تعلق نہیں ہے، ہم ان سے وہ Advantage نہیں لے سکتے ہیں جو اس زمانے کے لوگوں نے ان سے لیا ہے تو پھر آپ اس حدیث کو دیکھیے کہ فرمایا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تو اصحاب بہت پریشان ہوئے اور ڈرے اور فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے کوئی گستاخی ہوئی ہے۔ فرمایا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو کیوں آئے ہیں۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مجھے ان لوگوں کا خیال آ گیا ہے جو میرے بعد، صدیوں کے بعد آئیں گے، انہوں نے مجھے دیکھا ہوگا نہ میری باتیں سنیں ہونگی اور نہ ہی کچھ میرے بارے میں ان کا کوئی گمان ہوگا مگر وہ تمہاری ہی طرح مجھ پر ایمان لائیں گے اور تمہاری ہی طرح مجھ سے انس و محبت رکھیں گے۔ خواتین و حضرات! مجھے کوئی ایسا طریقہ بتا دیجیے۔ میں یہاں آپ کو ایک پیغمبر ہی کی مثال دیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن میں اللہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، اے اللہ! جب تک میں جیتا تھا، میں نے ان لوگوں کو دیکھا تھا، میں نے ان لوگوں کو تیری ہی دی ہوئی تعلیم دی تھی۔ اب جب کہ میں زندگی سے گزر گیا ہوں اور اب مجھے پتا بھی نہیں ہے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے اور کیا کچھ اس تعلیم میں ملا دیا ہے جو میں نے انہیں دی تھی۔ اب تُو جانے اور یہ جانیں۔ اب میرا ذمہ نہیں رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی بات کیوں نہیں کی ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پندرہ سو برس بعد آنے والے گناہ گاروں کے لیے، آپ کے لیے اور میرے لیے رو رہے ہیں۔ اصحاب نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا وہ لوگ ہماری طرح ہوں گے، جواب دیا، نہیں ان کی کچھ عادات تمہاری طرح ہوں گی۔ اس طرح زمان و مکان کو سمیٹتی ہوئی رحمت کا یہ تصور کسی اور پیغمبر کی زندگی میں نہیں پایا جاتا ہے یہ تخصص صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اہمیت کسی قیمت پر بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہے۔ یہی وہ رحمت ہے جس کی مثال دینے کے لیے خداوند کریم نے اللہ کے رسول کو زمین پر بھیجا ہے اور انہی کے توسل سے اللہ کے Behaviour پر ہماری نگاہ جاتی ہے۔ انہی کی وجہ سے ہمیں خدا کی عادات سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ جب طائف کے معرکے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے تو ظالموں نے سنگ و خشت سے ان کا استقبال کیا تھا۔ ظلم و ستم کی خونی روایات زندہ کی تھیں۔ پیغمبر خدا کو سرتاپا مجروح کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ان کا خون پونچھتے تھے۔ اس عالم میں جبریل امین حاضر ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم ہو تو اس بدتمیز اور نا اہل قوم کو تباہ و برباد کر دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہرگز نہیں۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹی سی دعا مانگی ہے اور اس دعا کی بڑی خصوصیت اور اہمیت ہے

کیوں کہ یہ دعا خلاصہ نظریہ رحمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقوٰی کا یہ عالم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا ہوں تب ان لوگوں نے میرے ساتھ ظلم کو روا رکھا ہے تو دعا میں فرمایا، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے کہ اگر تو مجھ پر اب بھی رحم کی نظر رکھتا ہے تو مجھے اس تمام مصیبت اور ابتلاء کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر تو اس مصیبت اور ابتلاء میں میرے ساتھ ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں اور میں ان لوگوں کے لیے ہرگز بد دعا نہیں مانگتا۔ کیونکہ کیا پتا کہ ان کی آنے والی نسلوں سے ایسے لوگ اٹھیں جو اللہ کو مانیں اور اس کے رسول کو مانیں تو میں ان کے لیے بد دعا نہیں کر سکتا۔

خواتین وحضرات! اس مقام پر مجھے اس بات کا جواب دیجیے کہ جب رب العالمین اور رحمت اللعالمین آپ سے کبھی مایوس نہیں ہوتے تو آپ کیوں ان سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ مجھے کوئی ایسی وجہ بتایئے ایسی Reason دیجیے۔ آپ کون سے اتنے بڑے کمال کے گناہ گار ہیں کہ فتنۂ آخر الزمان ہو چکے ہیں آپ کونسا گناہ کرتے ہو مگر آپ ایک گناہ ضرور کرتے ہو اور وہ گناہ آپ کی ساری افسردگی کا باعث ہے۔ اس پہ اللہ تعالیٰ تھوڑے تھوڑے گناہ معاف کرتا آگے چلا آتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے یعنی آپ کو اس نے اچانک پوری رحمت کی خبر نہیں سنائی آدم کی خطا معاف کی، زمین پہ بھیجا۔ فرمایا ''انما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ'' (البقرۃ: آیت ۱۷۳) کہ میں نے چار چیزیں حرام مطلق قرار دی ہیں۔ ''فمن الضطر غیر باغ و لا عاد'' (البقرۃ: آیت ۱۷۳) اگر تمہاری جان اضطراب میں چلی جائے تو کوئی حرج نہیں تھوڑا سا اگر تم حرام بھی حلال میں Mix کر لو تو کوئی حرج نہیں فلا اثم علیہ اس لیے کہ میں بخشنے والا ہوں۔ ''ان اللّٰہ غفور الرحیم'' (البقرۃ: آیت ۱۷۳) ہوں' میں تمہیں بخش دوں گا۔ میں تمہیں ضرور بخشوں گا۔ اگر تم نے جان کے اضطراب کی وجہ سے کوئی خطا کی ہے تو میں تجھ پر کسی قسم کی سزا وار نہیں کروں گا۔

خواتین وحضرات! یہ رعایتیں اور آگے چلتی ہیں اور آگے جا کر پروردگار فرماتے ہیں، یہاں اس وقت تھوڑا سا لچ کڑا ہے اور کہتے ہیں کہ دیکھو اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو تو میں تمہارے چھوٹے گناہ ضرور بخش دوں گا۔ اس بخشش کا مطلب ہے کہ چھوٹے موٹے گناہ جو میں نے تمہارے نصیب میں لکھے ہوئے ہیں، وہ تو تم کرو گے لیکن میں تمہیں اس بات کی گارنٹی دیتا ہوں کہ چھوٹے موٹے گناہوں کو میں بالکل mind نہیں کرتا مگر بڑے گناہ سے اجتناب کرنا۔

اب رحمت کا مفہوم اور وسعت پاتا ہے اور اچانک برٹش گورنمنٹ کے Magna Carta جیسا اعلان ہوتا ہے یعنی اس کائنات کی گورنمنٹ کا میگنا کارٹا Announce ہوتا ہے۔ ''قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة اللہ'' (الزمر: آیت ۵۳) اے میرے پیغمبر! میرے بندوں کو خبر دو اور خبر بھی تو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے رہے ہیں۔ کیا پتا آپس میں صلاح مشورہ ہوا ہو اللہ نے کہا ہو کہ اے پیغمبر، اے رحمۃ اللعالمین میرے بندوں کو اسراف کی خبر دو جتلایا ہے تھوڑا آدم کے وقت سے تم اسراف کر رہے ہو۔ آدم کے وقت سے ''ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا' لنکونن من الخاسرین'' (الاعراف: آیت ۲۳) تمہارا باپ دادا خسارے والا۔ تھوڑا سا طعنہ ضرور دیا۔ اسرفوا علی انفسھم بڑا تم نے اپنی جانوں پر اسراف کیا۔ اسراف خواتین و

حضرات، گناہ کی Technical Definition ہے۔ اللہ تعالیٰ گناہ کو Technically اسراف سے نمایاں کرتا ہے۔ اسراف کا مطلب ہے وہ صفات جو جائز مقاصد کے حصول کے لیے ایک مخصوص اور مقررہ حد سے بڑھ جاتی ہیں۔ جب ان کو Overspend کرو گے تو آپ کا پلڑا خالی ہو جائے گا۔ آپ کا Bank Balance خراب ہو جائے گا، آپ کی زندگی محدود اور مختصر رہ جائے گی۔ تو اسرفوا علي انفسهم کا مطلب یہی ہے کہ تم لوگوں نے اپنی صفات کو، اپنی Qualities کو، اپنے کمالات کو بے جا صرف کیا۔ تمہیں کہا گیا تھا کہ ایک ہی نظر ڈالو مگر تم صد نظریں ڈال کر گزر گئے۔ تمہیں کہا تھا بھئی حلال کے تھوڑے سے پیسے کماؤ مگر تم نے زیادہ کا لالچ کیا۔ تم نے جتنا بھی یا اسراف کیا ہے اس کا نقصان مجھے نہیں تمہیں ہوگا۔ جب اسراف کرو گے تو خسارہ ہوگا۔ ابن عباس نے کہا ''لاخير في الاسراف'' اسراف میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اللہ میاں گارنٹی دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ چاہے تم بہت برے ہو، چاہے تم بہت جاہل ہو، چاہے تم Totally Unscientific ہو لیکن یہ سب سے بڑی غلطی اور جہالت نہ کر بیٹھنا، دیکھو میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ لا تقنطوا من رحمة الله اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا کیونکہ تمہیں پتا ہے کہ میں نے خفیہ نہیں اعلانیہ اصول کتاب میں لکھ دیا ہے کہ ''ان الله يغفر الذنوب جميعا'' یعنی بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

یہاں کمی رہی نہ بیشی اور نہ صغیرہ رہے نہ کبیرہ رہے۔

اور اللہ کہتا ہے لاتقنطوا من رحمة الله میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

خواتین کے لیے اللہ نے رحمت کے Chapters الگ رکھے ہیں اور خواتین کے لیے علیحدہ معاہدہ کیا ہے۔

اس معاملے میں مردوں سے ہٹ کر عورتوں سے بہت مفصل معاہدہ کیا ہے کہ دیکھو اے رسول اگر تیرے پاس مسلمان عورتیں آئیں اچھی عورتیں آئیں۔ وہی امت، وہی ہم وہی تم۔ پھر پریشان ہوتے ہیں کہ اے پروردگار اب بھی میں اپنی امت کے کچھ لوگ دوزخ میں دیکھتا ہوں اور تیرا وعدہ، قلبی وعدہ تو نہیں تھا۔ یہ سن کر اللہ فرماتے ہیں کہ اپنی عزت وجلال کی قسم ہم اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا اور اب جو باقی لوگ دوزخ میں ہیں ان کو بھی تو نکال کے لے آ۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر جاتے ہیں۔ اب خدا کا قہر وجلال دیکھیے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبتِ امت دیکھیے۔ یہ رحمۃ اللعالمین کے سوا اتنی رحمت کوئی شخص Imagine نہیں کرسکتا۔ ملائکہ سربسجود ہیں۔ خوف سے لرزاں ہیں۔ چیزیں ساکت وصامت ہیں۔ اوپر سے مسلسل آواز آرہی ہے۔ کون ہے وہ صاحب اقتدار، کون ہے وہ متکبر، میں اللہ ہوں۔ جب اتنے جبر وقہر سے خدا کی آواز آرہی ہو تو جرات مجال کس کو ہو، مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں رہ سکتے ہیں اور آپ نہیں رہے۔ آپ چوتھی مرتبہ جاتے ہیں کہ اے مالک القدوس اپنا وعدہ یاد کر۔ ہوسکتا ہے اللہ میاں تنگ آجائے کہ بار بار وعدہ یاد کراتے ہو۔ یوں تو اللہ کے رسول نے نمازوں کے حوالے سے ایسا نہیں کیا تھا جب نمازیں کم ہو کر پانچ رہ گئیں تو حضرت موسیٰ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر چلے جائیے۔ فرمایا اب مجھے مزید رعائت کے لیے اللہ کے حضور جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اب پانچ ہی ٹھیک ہیں مگر اس دن نہیں آئے گی جب امت کے لیے رحمت مانگنی ہو گی۔ فرق دیکھیے کہ زندگی میں نماز کے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال آگیا تھا کہ بار بار جو اللہ سے رعایت مانگنے جاتا ہوں تو یہ ٹھیک نہیں ہے مگر اس رحمتِ عالم کو دیکھیے کہ قیامت میں جب خوف ووحشت کا شدید عالم ہو

گا تب وہ نہیں گھبرا رہے ہیں اور اس وقت تک اللہ کے حضور حاضر ہوتے رہے، جب تک اللہ یہ نہیں فرمائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب دوزخ میں تیری امت کا کوئی شخص نہیں مگر یہ کہ کسی کو کتاب نے روک رکھا ہے۔

خواتین وحضرات! کتاب کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جو بظاہر مسلمان ہیں اور جنہوں نے ہمیشہ دین کو ظاہری اعتبار سے سمجھا اور بڑے بڑے دعوے کیے مگر دراصل انہوں نے خدا کو کوئی اہمیت دی ہے اور نہ رسولؐ کی محبت کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے مذہب کو ایک مذاق سمجھا ہے اور اپنی عقل کو اللہ سے بہتر متصور کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مذہب کو تضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔ بنابریں اللہ نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب دوزخ میں صرف وہی لوگ ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔ اب اس دوزخ میں تیری امت میں سے کوئی شخص نہیں ہے۔

خواتین وحضرات! دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سارے لوگ حریص ہوتے ہیں۔ بہت سارے لوگ خواہ مخواہ ہمارے مخالف ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اندر سے چند علما اٹھیں گے۔ تختِ زبردست پر بیٹھیں گے۔ چوب وسناں ہاتھ میں لیں گے اور لوگوں کو عذاب کے قصے سنانے شروع کر دیں گے۔ بھلا آج تک آپ نے کسی مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ ہمیں جو اتنی عذاب کی باتیں بتا رہے ہو، گارنٹی سے کہہ سکتے ہو کہ آپ جنت میں جاؤ گے۔ کسی کو عذاب سنانا تو بہت آسان ہے لیکن اس کے بارے میں فیصلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کام خدا کا ہے۔ دیکھیے کہ بیشتر قرآن مکہ کے کفار کے بارے میں اترا یا اگر آپ قرآن میں عذاب کی آیات دیکھیں اور قرآن میں رحمت کی آیات دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے کہ تمام تر آیاتِ قرآنی قریش مکہ پر اتریں۔ مگر کیا اتنی سخت وعید، اتنی سرزنش، اتنا قہر وجلال جس کا مظاہرہ اللہ نے بار بار قرآن میں کیا ہے۔ کبھی آپ نے سوچا کہ مکہ میں کتنے کافر پیدا ہوئے کتنے کافر مرے۔ کتنے لوگ اللہ کے قہر وغضب کا شکار ہوئے۔ اس رب کریم کی حیران کن بات یہ ہے کہ جن کو عذاب سنایا اور مسلسل سناتا رہا، جن کو زجر وتوبیخ کرتا رہا، جن کی صبح شام مذمت آئی۔ قرآن میں ان میں سے سوائے چار یا پانچ یا آٹھ لوگوں کے کوئی شخص بھی عذاب والا نہ ہوا۔ تمام اللہ کے بندے ہوئے، تمام جنتی ہوئے، تمام اللہ کی رحمت سے ہمکنار ہوئے۔

خواتین وحضرات! یہ کس قسم کا خدا ہے جو اتنا ڈرا ڈرا کے بعد میں پھر وہی ایک ہی داستان سناتا ہے کہ صرف ایک کام کرو۔ یہ تمام عذاب کفار کے لیے ہے۔ وہ لوگ جو ایک قادر مطلق کو نہیں پہنچانتے۔ خواتین وحضرات! فرض کریں کہ ایک ہندو بڑا نیک ہے۔ بڑے کارِ خیر کرتا ہے اسی طرح ایک کرسچن ہے اس نے بھی بڑی خیرات کی ہے مگر ایک بات مجھے سمجھ نہیں آتی کہ روز وصالت پروردگار اس لحۂ آخر میں جب موصوف جو ہیں دنیائے دوں سے رخصت ہو رہے ہوں گے اور ملائکہ پرسشِ احوال کے لیے آئیں گے کہ لالہ جی کس سے کیا مانگتے ہو۔ کوئی کوائف ہیں کوئی Claim ہے۔ لالہ جی گنوائیں گے کوئی 125 بت شیوا، وشنو، کالی، درگا، گھنشام، گنیش۔ یہ کیا قصہ ہے۔ ملائکہ بے چارے کیا کریں۔ بھئی جن سے مانگتے ہو جاؤ ان کے پاس جاؤ ان کے پاس۔ تو یہ وہ فیصلہ کن لمحہ ہے، جس میں رحمت کسی ایسے شخص کو نہیں جا سکتی، کسی ایسے کو جو خدا کو رحمتِ عالم ماننے سے ہی انکار کرے۔ آپ کو عقل ومعرفت اس لیے دی گئی کہ اس رحمٰن ورحیم کو پہچانو۔ اگر آپ تکلیف کے مرحلے سے گزر رہے ہو تو کم از کم کوئی شناخت تو تمہیں اس ذاتِ گرامی سے ہو جس سے آپ طلب کرنے جا رہے ہو۔ اسی لیے پروردگار نے فرمایا کہ نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم (الحجر: آیت ۴۹) کہ خبر دو میرے

بندوں کو کہ مت گھبراؤ پریشان نہ ہو کہ خطا و نسیان عمومی ہیں اور میں تمہیں ہر حال میں بخشنے والا ہوں مگر اگر تم مجھے جانتے ہی نہیں ہو، اگر تم مجھے پہچانتے ہی نہیں ہو۔ رسم و راہ ہی نہیں ہے تو پھر یقین کرو کہ "وان عذابی ھو العذاب الالیم" (الحجر: آیت ۵۰) پروردگار عالم کو اس کی رحمت عالم کا واسطہ رحمۃ للعالمین کا واسطہ کم از کم ہم اس Institution سے حصول قدر کے بڑے حریص ہیں۔ میں اور آپ اس Institution کے فضائل کے بڑے حریص ہیں۔ پروردگار سے صرف ایک درخواست ہے آج کے دن کہ خداوندِ کریم آپ ہی رحمٰن اور رحیم ہیں۔ آپ ہی رب کریم ہیں۔ ھواللہ، اللہ ھو، یا رحمٰن و رحیم۔

ہم آپ سے اجتماعی طور پر ایک درخواست کر رہے ہیں کہ اس ملک اور اس کے باشندوں کو غیر کی نظر لگ گئی ہے اس ملک کو جو آپ کے رحم و کرم اور محبتوں سے تخلیق ہوا ہے، اس کو حاسدوں کی بُری نظریں لگی ہوئی ہیں۔ اب اے رحمٰن و رحیم و کریم تو اپنے خصوصی اختیار اور قوت سے، ہر اس بندے کا انجام اس ابلیس لعین کی طرح کر جو تیرے اس رحم و کرم کو جو تو نے ہمیں پاکستان کی صورت میں عطا کیا ہے کو نظر بد اور بری نیت سے دیکھے۔ اور اے مالکِ کریم ہمیں اپنی زندگی کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں مدد دے۔ ہمیں تعلیم دے، تربیت دے اور ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ رحمت کے وقت "ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب O" (آل عمران: آیت ۸)

یا وہاب تو نے ہمیں جو رحمت بخشی، ہمیں جو شناخت بخشی اور ہمیں جو محبت کا اخلاص بخشا اس کے توسط سے میرے بھائیوں اور میرے دوستوں کی مخلصانہ درخواست یہ ہے کہ آج ہم گنہگاروں اور کمزوروں پر اپنی خصوصی رحمت کا نزول فرما۔ اگر تجھے گناہ پسند ہیں تو ہم تھوڑے سے کر لیں گے یعنی تجھے بخشنے کا ضرور موقع دیں گے۔

مگر اے مالک، اے کریم و رحیم، ہمارے ان گناہوں کی سزا میں ہم سے ہمارا یہ ملک نہ چھین لینا۔ یہ جو تم نے پہلے سے ہم پر رحمت و نوازش کی ہے، اس کو نقصان نہ پہنچے اور اے اللہ اس کے حاسدوں کو انجام تک پہنچا۔ اس کے دشمنوں کو نیست و نابود کر۔ اے بادلوں کے برسانے والے، اے لشکروں کو بھگانے والے، اے کتاب کے نازل کرنے والے، ہمارے دشمنوں کو، ہمارے چہرے سے دور فرما اور ہمیں ان کے اس غلبے سے نجات دے۔ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں کو تقویت دے، ہمارے ایمانوں کو سادہ اخلاص عطا فرما تا کہ ہم تیرے فضل و کرم سے اس قابل ہو جائیں کہ تیرے دشمنوں کے ہر طعنے کا جواب لمبا ہاتھ کر کے دے سکیں، ہم ان کی ہر زیادتی اور ظلم کا جواب ضرور دیں گے، کیونکہ اللہ نے ہمیں برابر کا بدلہ لینے کی اجازت دے رکھی ہے مجھے پورا یقین ہے کہ پاکستان کے عوام کے علاوہ اللہ کی محبت و رحمت کی یہ تلاش و ہوس کسی اور ملک کے عوام میں موجود نہیں ہے۔ اللہ کو ماننے والے بہت ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والے بہت کم ہیں نہ صرف رسماً بلکہ دل سے محبوبوں کی طرح اور خلوص سے چاہنا پاکستان کے لوگوں کی میراث ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔ اے اللہ ہمیں بخش دے۔

"رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین" (المومنون: آیت ۱۱۸)

وما علینا الاالبلاغ

سوالات و جوابات

دین کا عرفان عطا ہے یا کوشش؟

سوال: اللہ جسے چاہتا ہے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے تو پھر مسلمان کا کیا کمال ہے اور اس میں کافر کا حساب کیوں ہوگا؟

جواب: خواتین و حضرات بنیادی سوال یہ ہے کہ اللہ جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے مگر وہ اللہ ایسا نہیں چاہتا۔ اللہ بتاتا ہے کہ اس کے اختیارات کیا ہیں اور وہ کیا نہیں کرتا۔ اللہ کہتا ہے کہ بندوں پر میرا مکمل کنٹرول ہے۔ ان کی موت و حیات پر میرا مکمل کنٹرول ہے ان کے کردار اور افعال پر میرا مکمل کنٹرول ہے۔ اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین و آسمان میں کوئی اس کا انکار کرنے والا نہ ہوتا لیکن ہم نے ایسا نہیں چاہا۔ ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ ہم لوگوں کو امتوں اور حکومتوں میں بانٹ دیں۔ ہم نے خیال کیا کہ ہم لوگوں کو اختیار دیں گے ہم اگر ایسا نہ کرتے تو یہ بات غلط ہوتی۔ قرآن کی بعض آیات Inherent Power Of God کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور اس کے اختیار کی طرف نہیں کرتیں اور سچی بات تو یہی ہے کہ Inherent Power میں خدا کی کسی قسم کی بھی کمزوری یا اشارہ یا شرکت کا قطعاً کوئی احتمال تک نہیں۔ اس لیے ان باتوں میں کہ آپ کہو گے کہ ایسے ہم کہیں گے۔ ہاں ایسی ہی بات ہے۔ مگر جب اس کا Practical Attitude وہ کہاں کہاں Relaxation Create کرتا ہے تو آپ کو سمجھنا پڑے گا کہ Inherrent Power میں اور Power Excercise میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

کیا کبھی مذہب بھی حاوی رہا؟

سوال: مذہب اور سائنس کے تقابل سے یوں لگتا ہے کہ سائنس آج کی دنیا میں حاوی ہے۔ آپ کے خیال میں کیا کسی زمانے میں مذہب حاوی رہا ہوگا؟

جواب: خواتین و حضرات! مذہب تو ہمیشہ حاوی رہا ہے۔ پھر آپ ایک اوسط دیکھیے جس سے مذہب کا حاوی ہونا ظاہر ہوتا ہے اسی سے ظاہر ہوگا کتنے مذہبی ہیں جو سائنسدان ہیں بہت کم۔ مگر کتنے سائنسدان ہیں جو مذہبی ہیں۔ بہت زیادہ تو مذہب ہی حاوی ہوا۔ اصولاً دیکھیے مذہب کی Dominance کی نوعیت اور ہے اور سائنس کبھی حاوی نہیں ہوئی۔ صرف یہ ہوا کہ سائنس Intoxicate ہوگئی۔ سائنس کا قانون یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے نشے میں مست ہو جاتی۔ سائنس کو معروضی ہونا چاہیے تھا۔ Objective ہونا چاہیے تھا۔ حقائق کی پلٹ کے بعد اس کو غافل ہو جانا چاہیے تھا کہ اسے اپنے لیے کیا چاہیے اور کیا نہیں چاہیے۔ مگر بدقسمتی سے سائنس نے بزعم خود یہ اعلان کر دیا ہے کہ سائنس سب سے بڑی سچائی ہے۔ جبکہ اگر آپ کولونی ہیکس اور گلیلو سے لے کر ہاپکنز تک چلے آئیں تو آپ کو ایک اندازہ ہوگا کہ مذہب کا

بنیادی شعور بالکل نہیں بدلا مگر سائنسز بدلتی چلی آئیں۔ مذہب نے اگر کہا کہ خدا ایک ہے تو آج تک یہی کہہ رہا ہے کہ خدا ایک ہے مگر سائنس نے کہا کہ زمین ساکت ہے تو کوپرنیکس نے کہا نہیں سورج ساکت ہے گلیلیو نے یہ کہا اور دوسرے نے وہ کہا حتیٰ کہ ......مگر ایک فرق ضرور پڑا کہ سائنس کا تواتر جاری رہا اور اس میں آنے والوں نے پچھلے لوگوں کی تذلیل نہیں کی۔ آج کا واٹکنس اور ہاپکنز نیوٹن کی اتنی ہی عزت کرتا ہے جتنی وہ اپنی کرتا ہے مگر مذہب کا پچھلے آنے والے کے ضرور ہو گئے اور اس کی ذمہ داری قوم یہود پر ہے کہ اتنی بدباطن اور نالائق جاہل قوم بھی لوگ نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ اتنی کم فہم کم عقل اور کم ذوق قوم نہیں دیکھی گئی کہ جنہوں نے خدائے کائنات کو اپنے اتنے بڑے نظریے کو محدود کیا، اسے گروہی کر لیا، اسے اپنا بنا دیا اور دوسرے لوگوں کا خدا ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لیے انہوں نے عیسائیت سے انکار کر دیا۔ اس لیے انہوں نے اسلام سے انکار کر دیا اگر تواتر سے ماننے کا عمل مذہب میں بھی جاری رہتا، سائنس کی طرح ان کو بھی تسلیم کیا جاتا تو یقین سے کہہ سکتے ہو کہ آج دنیائے علم مختلف ہوتی۔ آج مذہب کو نہ صرف Dominance نصیب ہوتی بلکہ مذہب پوری کائنات کو گائیڈ کر رہا ہوتا اور پوری نسل انسانی کو نیا شرف مل گیا ہوتا۔ بدقسمتی سے قوم یہود کی اس تقسیم نے اسلام تک آتے آتے طرح طرح کے جھگڑے پیدا کر دیے اختلافات کی صورت یہاں تک پہنچی کہ اب مذہبوں میں مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ سوائے اس کے آپ امید کریں کہ یہ ظالم و جاہل آج بھی اسلام کو تسلیم کریں گے۔ خدائے واحد کا مذہب سمجھیں گے۔ کائنات کا مذہب سمجھیں گے۔ آفاق کا مذہب سمجھیں گے۔

خدا کی عطا کا حقیقی مفہوم!

سوال: کیا اخلاص ہماری اپنی خوبی ہوتا ہے یا خدا عطا کرتا ہے اگر اپنی خوبی ہوتا ہے تو مجھے کیا اس پر فخر کرنا چاہیے۔ اگر خدا عطا کرتا ہے تو سب کو کیوں نہیں نوازتا؟

جواب: مولانا صاحب عطا تو دراصل اللہ ہی کی ہوتی ہے اور وہ کچھ دیکھ کر عطا کرتا ہے جیسے رسالت اس کی سب سے بڑی عطا ہے اس کے بارے میں کہا کہ اللہ کو اچھی طرح پتا ہے کہ رسالت کے اس اعلیٰ منصب پر کس کو فائز کرنا ہے، کس کے اندر صلاحیتیں ہیں۔ بحث میں ہم پڑیں کہ وہ صلاحیتیں بھی تو اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ ٹھیک ہے اپنی جگہ پر وہ بات لیکن جیسے میں صلاحیتوں کو دیکھ کر اور رجحان کو دیکھ کر کہ میں وہ چاہتا بھی ہوں کہ نہیں جیسے پروفیسر صاحب رحمت کے بارے میں فرما رہے تھے کہ رحمت میں چاہتا بھی ہوں یا کہ نہیں۔ نوح علیہ السلام پر اعتراض ہوا، ان کی قوم نے بہت سی باتیں کیں کہ تجھے بھی یہ رحمت ملی تھی یہ رحمت تو اللہ نے ان کی طرف جواب کیا دیا کہ تم میری رحمت کو پسند نہیں کرتے۔ میری رحمت چاہتے نہیں ہو تو مجھے کیا ضرورت پڑی کہ میں زبردستی تم پر اپنی رحمت مسلط کروں۔ میں نہیں کروں گا۔ پہلے تم چاہو اس کے لیے تمہارے اندر کچھ صلاحیتیں ہوں پھر تمہیں ملے گا۔

انسان کی نیگیٹیو یا ایول سیلف کیا ہے؟

سوال: انسان کی نیگیٹیو یا ایول سیلف سے آپ کی کیا مراد ہے؟

جواب: سیلف کی جبلتوں کا بڑا پیچیدہ سلسلہ ہے جس میں ہر صورت دو پارٹیاں بن جاتی ہیں۔ ایک سیلف تو پرانی خصلتوں پر قائم ہے۔ Barbaric ہے Animalist ہے اور اپنی خصلت چھوڑنے میں کبھی بھی راضی نہیں ہوتا۔ دوسرا جو اس کا Counter ہے، وہ ایک متجسس سیلف ہوتا ہے جو نئی تحقیق، نئی جستجو، نئے علم کے لیے ہر حال میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور ہوتا تو وہ سیلف ہی ہے لہٰذا کبھی کبھی اس کی اپنے حیوانی سیلف سے اس لیے جنگ چھڑ جاتی ہے کہ وہ حیوانی سیلف سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ وہ اس حیوانی سیلف کو اپنے رستے کی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ مگر جو لوگ سیلف سے مکمل نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان کا اصول ہی کچھ اور ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر سیلف کی کوئی صورت بھی اللہ کو قبول نہیں کیوں کہ جو اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس نے ہر حال میں اپنے سیلف کی اپنے نفس کی مخالفت کی۔ ہوا کی مخالفت کی۔ اشتہائے زائد کی خواہش کی۔ تو خداوند کریم کے لیے اگر کوئی شخص جدوجہد کرے تو اس کے ان دونوں Selves کے بیچ میں ایک تیسرا نگران سیلف جو ان دونوں کی پروا نہیں کرتا جو اپنی خوبیوں کی بھی پروا نہیں کرتا' اپنی خرابیوں کی بھی پروا نہیں کرتا مگر صرف رضائے الٰہیہ کے لیے دونوں کی سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا ہے اور میری مراد اس تیسرے سیلف سے ہے جو بہت معزز، اعلیٰ اور محترم ہے۔

دور جدید میں ثقافت اسلامیہ کی تشکیل نو

غالب کا شعر ہے کہ

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

تو مجھے لگتا ہے کہ دلی اور لکھنو کے دبستانوں میں جو صورتیں زمانہ قدیم میں پنہاں ہو گئی تھیں، وہ ہری پور کی سنگلاخ سرزمین میں ان نو جوانوں کی صورت میں دوبارہ اُگ آئی ہیں جو سٹینڈرڈ اور جو علمی روایتیں اور جو تحقیق کا شوق یہ علاقہ پیش کر رہا ہے، آپ یقین جانئے اس سرزمین میں داخل ہوتے ہوئے تشکیک سے دل لرزتا ہے۔ ان نو جوانوں کے تجسس کو دیکھتے ہوئے اور ان کے شوق معلومات کو دیکھتے ہوئے ایک عجیب کلچرل حادثہ میرے ذہن میں ابھرتا ہے کہ جہاں بھی Rigidity بڑھتی ہے، جہاں بھی علوم میں سختی اور رویوں میں تشدد پیدا ہوتا ہے، جہاں بھی ایسے سسٹم کی حکومت ہوتی ہے، یا ایسے مکاتب فکر کو غلبہ ہوتا ہے جو Question اور سوال سے گریز کرتے ہیں وہاں ضرور ایسی باغیانہ روش پیدا ہوتی ہے جو بلاشبہ کلچر کی بنیاد ہے۔

کلچر، اگر آپ اسے Define کریں تو ذہن کا اعراض ہے۔ کلچر ہر اس جرات کو کہیں گے، ہر اس خیال کو کہیں گے، ہر اس ندرتِ بیان کو کہیں گے کہ جو اپنے پیٹرن سے جدا ہو کر اپنا ایک علیحدہ شخصی وجود قائم کرتا ہے اور اپنے لیے داد طلب کرتا ہے۔ کلچر کبھی بھی اپنی آغوش مادر میں نہیں پنپتا اور کلچر کی آغوش مادر تہذیب کو کہتے ہیں۔ Civilization کلچر کو اس بگڑے ہوئے بچے کی طرح ٹریٹ کرتی ہے جس کی جراُتوں سے اس کا امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اسی لیے ہر تہذیب میں جب کسی ثقافتی پہلو سے کوئی جدت اٹھتی ہے تو اس کا اس لیے برا منایا جاتا ہے کہ وہ بظاہر ایک فرسودہ قائم شدہ روایت کی یقینی مخالفت ہو رہی ہوتی ہے اور اگر آپ کو یاد ہو تو مذہب میں آپ نے اکثر علماء حاضر و غائب سے یہ بات سنی ہوگی کہ ”کل بدعة ضلالة“ (مسند احمد، دارمی، ابن ماجہ) کہ ”تمام بدعت ضلالت ہے۔ تمام بدعت گمراہی ہے۔ اگرچہ بعد میں مذہبی مفکرین نے بدعت سیۂ اور حسنہ کو جدا جدا کیا مگر آپ سچ پوچھیے تو بدعت اور کلچر ہم معنی ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں کلچر ہی بدعت ہے اور بدعت ہی کلچر ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کلچر کے آفاق کس چیز سے متعین ہوتے ہیں۔ کلچر کیا ایک ذاتی کیفیت ہے یا ارد گرد کے ماحول میں ایک انقلاب آفرین جراُت ہے یا کسی Individual کی شہرت کی طلب ہے یا کسی گروپ کی Projection اور پاور کی Lust ہے یا وقتاً کسی تہذیب کو آگے بڑھانے کے لیے کسی مفکر کا ایسا خیال ہے جو اس معاشرے کے ذہنی اخلاقی اور قدری معیار کو بلند کر دیتا ہے۔

خواتین وحضرات! پچھلے کئی برسوں سے دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمان تمام سرزمینِ اسلام پر اپنا کلچر کھو چکا ہے۔ وہ اس ذہنی تصادم کے لیے تیار نہیں ہے اس ذہنی جدوجہد اور گفتگو کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ اس Dialectical بحث کے لیے تیار نہیں ہے جو کسی بھی کلچرل Aspect کا ایک خاصہ ہوتا ہے۔ جب اسلام آیا تو وہ بت پرستی کی تہذیب میں ایک Cultural Revolution بھی تھا اور اس کی شدید ترین مخالفت اس وقت کی Prevalent مقررہ اور متعینہ Civilization نے کی مگر ہر کلچر کے پاس ایک دلیل ہوتی ہے اور اسلام کے پاس انتہائی مضبوط دلیل تھی اور سب سے بڑی مضبوط دلیل جو اسلام کے پاس تھی کہ یہ لوگ اہل عقل نہیں ہیں۔ ''ان شر الدو آب عنداللہ الصم البکم الذین لا یعقلو ن'' (الانفال: ۸-۲۲) اگر قرآن میں ان آیات کا تواردو دیکھیں جو اس نئی Religious کلچر کی بنیاد تھا تو خداوند ذوالجلال والاکرام پروردگار عالم ایک چیز کی افادیت اس معاشرے میں اجاگر کر رہا تھا اور بار بار اسی بات پر غور کرنے کی دعوت دے رہا تھا کہ میں نے اے انسان تجھے جو نعمت عقل بخشی ہے اسے روایت اور تقلید میں ضائع نہ کر تو بار بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے کافر کو یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنے آبا ؤ اجداد کی تقلید نہ کرتے ہوتے، اگر تم اپنے غور وفکر کے معیار استعمال کرتے تو بلاشبہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جاتے۔

خواتین وحضرات! اسلام کے کلچر سے ایک بہت بڑا اصول واضح ہوتا ہے جو ابتدائے اسلام ہی سے اسلام کے کلچر میں رکھا گیا ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو تحقیق وجستجو کا شائق ہے، ہر وہ شخص جو مطالعہ النفس وآفاق کا شائق ہے، جب وہ تردد فرمائے گا، جب وہ جستجو کرے گا، جب وہ تحقیق کے رستوں کو اجاگر کرے گا تو اس کی تگ ودو کا انجام صرف ایک ہے اور وہ شناخت ذات اور شناخت خداوند ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی علمی وجاہت کے باوجود اپنی محنت، مشقت اور تحقیق کے باوجود اگر خدا تک نہیں پہنچ رہا تو اس کو پلٹ کے دیکھنا ہوگا کہ اس کی تحقیق کہاں ناقص ہوگئی، اس کا تجسس کہاں کم تر پڑ گیا، کہاں اس کے ذاتی اور Selfish Concepts ہیں انہوں نے اس کی Wider اور اعلیٰ ترین آفاقی تحقیق میں کہاں دخل اندازی کر کے اس کو منزل تک پہنچنے نہیں دیا۔ اسلامی کلچر کی بنیاد ایک متعینہ حدود میں رہتے ہوئے ایک ایسے تجسس کو فروغ دینا ہے، ایک ایسی تحقیق وجستجو کو فروغ دینا ہے، جس کا انجام صرف اور صرف اللہ کی شناخت ہے۔

خواتین وحضرات! آپ کسی بھی کمپیوٹر سے ایک سوال پوچھیں کہ علم کا مقصد کیا ہے تو آپ کو تمام سوالات ایک جواب کی طرف جاتے ہوئے ملیں گے کہ تمام علمی تحقیق کا مقصد ذات کی شناخت ہے سوائے اسلام کے کہ جس میں انسانی، علمی تجسس اور تحقیق، شناختِ ذات سے آگے بڑھ کر شناخت خداوند کو جاتی ہے اور تمام معاشروں میں جتنی ترقی پذیر سوسائٹیز ہوتی ہیں اور جتنے ترقی پذیر معاملات فکر ہوتے ہیں، وہ اپنی اپنی منازل کے تعین سے فروغ پاتے ہیں۔ اگر کسی معاشرے میں سٹیٹس کی علامت ترقی کا خیال ہو تو تمام معاملات فکر سٹیٹس کی طرف جاتے ہوئے لگیں گے۔ اگر کسی معاشرے میں مال و دولت ہی مطمح نظر ہو تو اس معاشرے کا کلچر مال و دولت کی حرص اور آز کی طرف لپکتا ہوا لگے گا۔ سوائے اسلامی معاشرے کے جو اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کو تعلیمی منزل بناتا ہے۔ اور اللہ کی طرف بڑھتا ہوا یہ اسلامی معاشرہ کلچرلی اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ جہاں جہاں بھی مسلمان اپنا معاشرہ اور کلچر لے کر گیا ہے، وہاں ایک نمایاں تبدیلی وقوع پذیر ہوئی ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اگر وہ سراندیپ میں اترا ہے تو وہاں اس نے آثار چھوڑے ہیں، اگر مالابار کے

ساحلوں پہ اترا ہے تو وہاں اس نے آثار چھوڑے ہیں، اگر ان میں سے ایک روپ اور ایک خیال انڈونیشیا میں اترا ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے سارا انڈونیشیا مسلمان ہو گیا ہے، حیرت کی بات لگتی ہے کہ مسلمان اپنے ساتھ کیا چیز لے کے نکلا تھا، کیا دلیل لے کے نکلا تھا، کیا خیال لے کے نکلا تھا کہ وہ جس جس معاشرے کو آگے بڑھا ہے، ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آپ مصر کی مثال لیں۔ وہاں جو معاشرہ قائم تھا ایک مہذب اور مضبوط معاشرہ تھا۔ اس کا مضبوط کلچر تھا، اس کے رسم و رواج پائیدار تھے مگر جب مسلمان مصر میں پہنچتا ہے تو اتنا مضبوط کلچر لے کے جاتا ہے، اتنا مضبوط نقطہ نظر لے کے جاتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی کنونسنگ پاور (Convincing Power) اتنی زیادہ ہے کہ تمام کا تمام ملک مسلمان ہو جاتا ہے یا اسلام قبول کر لیتا ہے۔

خواتین و حضرات! آج اس دور میں جب ہم ایک شخص کو تبلیغ یا خدا کے دین کے لیے کام کرتا دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ وہ تین Basic اصول جو قرآن نے تبلیغ کے بتائے ہیں، کیا وہ ان کی اہلیت کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔

The Culture of Islam depends on the way you present your culture.

اسلامی ثقافت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک وحی الٰہی اور دوسری اس کے Mystic Experience پر ہے۔ کیا وہ وحی الٰہی کی Presentation کے لیے اپنے زمانے کے مطابق اس کی Proper Advertising کرتا ہے یا نہیں؟ اب یہ دیکھنے کا کام ہے کہ یہ جس زمانہ میں ہم رہ رہے ہیں یہاں ذرائع ابلاغ میں سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ابلاغ سمجھا جاتا ہے جو کسی بھی پراڈکٹ کی بہترین انداز میں تشہیر کرتا ہے۔ اگر آپ اپنی Choices کو دیکھیں، اپنی کلچرل Choices کو دیکھیں، اپنی زندگی کے ان معاملات کو جہاں آپ ایک بلیڈ کا انتخاب کر رہے ہیں، جہاں آپ پھولوں کے رنگ کا انتخاب کر رہے ہیں، جہاں آپ روبی اور الکرم میں انتخاب کر رہے ہیں تو آپ کو محسوس ہو گا کہ Invertedly ان کلچرل Choices کے پیچھے Advertisement ہے۔ اشتہار موجود ہے۔ جب یہی جنگ اعلیٰ ترین خیالات کو جاتی ہے تو آپ کا واسطہ ایک طرف پورے سیکولر کلچر اور دوسری طرف Religious Approches سے پڑتا ہے مگر میں آپ کو معذرت کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ جہاں بھی ہمارے اس Present religious culture کا مقابلہ ایک Open western کلچرل سے پڑتا ہے تو مذہبی کلچر ہمیشہ شکست کھا جاتا ہے۔ یہ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مذہب کے پاس، وہ Openness، کشادگی، اور دلائل فکر نہیں ہیں جو سیکولر عناصر اپنی سپورٹ میں پیش کرتے ہیں بسا اوقات سیکولر میں اتنی کشش ہوتی ہے، اور وہ اتنی Advertisement کے اتنے Methods اور Means رکھتا ہے کہ عام متجسس شخص کو وہ لبرٹی Please کرتی ہے اور جب وہ اپنے مذہبی کلچر کو دیکھتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ مذہبی اجارہ دار اس کے تجسس کو مار کر، اسے ایک ہی پیٹرن اپنانے کے لیے Insist کرتے ہیں۔ جب ان سے کسی افادیت کے اصول پر Discussion کرنے کو کہا جائے تو اس کے جواب میں آپ کو ایک ایسا منکر مذہب سمجھا جاتا ہے جس پر ضرور کوئی نہ کوئی فتویٰ صادر ہو جاتا ہے۔

خواتین و حضرات! ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا وہ مذہب جو اس کلچر کی بنیاد تھا اور جس نے بارہ سو برس تک

جدت خیال اور ندرت الفاظ بخشی ہے۔ جس نے ہمیں ابن سینا اور رازی بخشے ہیں، جس نے ہمیں ابن الہیثم بخشا ہے، جس نے یوسف الخوارزمی بخشا ہے، جس نے اشاعرہ جیسے مفکر بخشے ہیں، جس نے جنید بغدادؒ، عبدالقادر جیلانیؒ اور علی بن عثمانؒ بخشا ہے، لمحہ موجود میں فکری اعتبار سے اس قدر مفلوج اور ذہنی طور پر اپاہج ہو گیا ہے کہ عصر جدید کے مفکرین کے جواب دینے سے بھی قاصر ہے مگر یہ تو خدا اور اسلام کا اپنا Criterion ہے اور اسلام تو اسی بنیاد پر خیالات اور افکار کی جنگ جیت کے نکلا ہے۔ اسلام تو شروع ہی جنگ و جدل فکر سے کرتا ہے۔ اس دنیا میں سب سے پہلا مذہب جو دلیل کو فروغ دیتا ہوا پایا گیا وہ اسلام ہے۔ اسلام تو اپنا آغاز ہی تقلید اور جہالت کے خلاف کرتا ہے اور غور و فکر کی اہمیت اجاگر کرتا ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ جو اللہ یہ کہہ رہا ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینہ جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا، و یحیی من حی عن بینۃ (الانفال:۸-۴۲) جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔ اب مجھے یہ بتائیے کہ اس اللہ کا کیا حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو بغیر دلیل کے منوائے۔ جو بار بار آپ کے عقل و شعور کو آواز دیتا ہے، جو آپ کے تجسس کو راہ دیتا ہے اس اللہ کا کیا حق ہے؟ کہ وہ اپنا آپ بغیر دلیل کے منوائے۔ کیوں آپ کو جرأت سوال نہیں ہوتی؟ اس پروردگار عالم سے پوچھنے میں کہ جب آپ خود یہ کہتے ہو۔ لیھلک من ھلک عن بینہ جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا۔ و یحیی من حی عن بینۃ جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا، تو اے مالک عقل، اے عقیل، اے حکیم، اے علیم، پھر وہ دلیل کہاں ہے؟ کہ جس سے ہم عصر حاضر کے تشکک سے لڑ سکیں۔ ان اعتراضات عصر حاضر کو Face کر سکیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عصر حاضر کے پاس کیا ہے۔ یہاں سے آپ عالم یا کوئی نادان بچہ بھیجیں، اداس یا کوئی خوش انسان بھیجیں، عجیب سی بات ہے کہ مغربی دنیاؤں میں جا کر اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ وہ ایک دم اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتا ہے۔ وہ معاشرہ اسے آزادی کا احساس دیتا ہے۔ یہ معاشرہ بندش اور گھٹن کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ایک بار جب میں Housten کی جامع مسجد میں تقریر کرنے کھڑا ہوا تو میرے پاس مصر کے ایک عالم تشریف رکھتے تھے، انہوں نے کہا پروفیسر صاحب یہ آپ کے سامنے جو لوگ بیٹھے ہیں، یہ ایک خاص نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ کوشش کیجیے گا، ان کو یہ باتیں نہ کہیے گا، تو میں نے کہا کہ آپ نے مجھے سات ہزار میل سے اس لیے بلوایا ہے کہ میں آپ کے Dictated خیالات پیش کروں تو یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ایک چوائس کرتا ہے۔ صرف مجھے سنئے یا انکار کر دیجیے۔

And then I said what I wanted to say

میں نے وہی بات کی جو میں نے کہنی تھی۔ لہٰذا وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ اپنے خیالات کے برعکس میری گفتگو سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ میں اگر امریکہ میں رہتا تو شاید

نذرانہ نہیں! سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن

والی کیفیت پیدا ہو جاتی اور مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ میں امریکہ سے بہت بڑا مہاجن ہو کے نکلوں گا۔

خواتین و حضرات! میں نے ان سے ایک سوال کیا کہ پورے کا پورا امریکہ Concept of liberty پہ قائم ہے اور Statue of liberty کے زیر سایہ سانس لے رہا ہے۔ آپ مسلمان ہیں اور اتنی دور سے آئے ہوئے

مہمان کو بھی جرأت اظہار نہیں دیتے۔ اپنے گروپ سے ہٹ کر آپ کسی شخص کی بات سننے کے روادار ہیں اور نہ کہنے کے روادار ہیں۔ تمام اہلسنّت والجماعت یا دوسرے حضرات جو Inclusive ہیں، کہتے ہیں کہ ہم چار آئمہ کے قائل ہیں۔ ہم ابوحنیفہ کے قائل ہیں۔ ہم احمد بن حنبل کے قائل ہیں۔ ہم محمد بن ادریس الشافعی کے قائل ہیں۔ ہم امام انس بن مالک کے قائل ہیں مگر آج تک آپ نے کسی حنفی کو کسی حنبلی کا فتویٰ قبول کرتے دیکھا ہے؟ آج تک کسی اہل حنابلہ میں سے کسی شخص کو امام عالم امام ابوحنیفہؒ کی تعریف کرتے سنا ہے۔ یہ کون سے چار امام ہیں جو آپ لوگوں کے ہیں۔ آپ تو اتنے فکسڈ لوگ ہیں۔ اتنے قیود و حدود میں ہیں کہ اپنے مسلک سے ایک لمحہ کے لیے گریز کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ آپ اس وقت اور آج کا کلچر دیکھیے تو آپ کو ایک واضح فرق محسوس ہوگا کیونکہ

Distance was the cause of division of Aaimma

اور کوئی وجہ نہیں تھی، فاصلے اتنے زیادہ تھے کہ کوفہ میں رہنے والا ایک شخص امام ابوحنیفہؒ کی بات ماننے کے سوا کوئی آپشن نہیں رکھتا تھا۔ اسی طرح مکہ و مدینہ کے کسی شخص کے پاس کسی بات کو جاننے اور سمجھنے کے لیے امام انس بن مالکؒ کے سوا کوئی ہستی نہیں تھی کیونکہ فاصلے اتنے زیادہ تھے کہ اگر کوئی مسلمان Second Opinion طلب بھی کرتا تو اس کے لیے مکہ یا مدینہ چھوڑ کر دمشق، بصرہ یا کوفہ جانا ناممکن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں جہاں آئمہ متعین ہوتے وہاں ان کی Finality ہوگئی۔ اگر کوفہ حنفی ہوگیا تو مصر مالکی ہوگیا اور اصولاً ایسا ہی ہونا چاہیے تھا مگر کیا آج یہاں بھی یہی صورت حال ہے؟ اگر آپ غور کیجیے تو آپ اس ہری پور جیسے جو زیادہ Decadent نہیں تو زیادہ ترقی یافتہ بھی نہیں، جس کے ذرائع مواصلات بھی اتنے زیادہ نہیں، جس کے اذہان تو ماشاءاللہ شگفتہ تر و تازہ اور برق رفتار اور عقل عمر و عیار رکھتے ہیں مگر جہاں تک ان کے Sources ہیں، وہ اتنے کم ہیں کہ وہ اپنی زندگی کی الجھنوں کو اپنی ہمتوں سے استوار نہیں کر سکتے مگر اس کے باوجود اگر آپ یہاں بیٹھے ہوئے کسی بھی امام زمانہ کا فتویٰ ڈھونڈنا چاہیں، تو پلک جھپکنے میں آپ کو پہنچ سکتا ہے۔ جب مواصلات اتنی Brisk ہو جائیں کہ اس زمانے کی Inventions، آرٹ اور لٹریچر ہمارے کلچر کا حصہ بن جائے تو آپ اس کلچر سے استفادہ کیے بغیر اپنی Religious Representation نہیں کر سکتے، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارا تمام Religious طبقہ اسی کلچرل جدیدیت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور تمام جدید ترین Methodology، ذرائع ابلاغ اور ذرائع اظہار استعمال کرتا ہے مگر اپنے نفس مضمون پر کسی تنقید کو گوارا نہیں کرتا۔

خواتین و حضرات! زمانے میں صرف اور صرف وہی مسلک اور نظریہ زندہ رہتا ہے جو زمانے کے امتحانات سے گزر جاتا ہے۔ زمانے سے بہتر کسی نظریے اور کلچر کا کوئی ٹیسٹ نہیں ہے اور اسلام واحد مذہب ہے جو اپنی افادیت کو پندرہ سو برس سے ذہنی جدلیات کے ذریعے بچاتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے اور رب کعبہ کی قسم ہے کہ اسلام کو اپنے دشمنوں کے بجائے اپنے دوستوں سے خطرہ ہے۔ ان لوگوں سے جو اسلام کا صبح و شام نام لیتے ہیں اور جو اسلام کو Represent کر رہے ہیں۔ ان کی نمائندگی اس درجہ پست ہے کہ Advertising کی دنیا میں میں نے ہمیشہ اللہ پہ ایک افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تو اس کائنات میں Best of the product ہے مگر تجھے بدترین Advertiser ملا ہے۔ یہ ایسے بدترین Advertisers ہیں جو اللہ کو کسی طور بھی علی بابا کے کانسپٹ سے آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ ان کے خیال کے مطابق اللہ عقل

کل ہے نہ حکمت تمام ہے! نہ وہ بلین ٹریلین ایئرز Distances کی Galaxy کا مالک ہے! نہ وہ کوانٹم اور Relativity کا خالق ہے! یعنی اس وسیع وعریض کائنات کو تخلیق کرنے والا عظیم رب منی ایچر کے ہاتھ میں چڑھا ہوا ہے۔ اللہ کا حقیقی کانسپٹ اس زمانے میں مسخ شدہ کانسپٹ ہے۔ اب اللہ ایک لوکل گنبد میں قید ہے۔ وہ پروردگار عالم جس کی طرف آئن سٹائن اور ہاپکنز بھی نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ اس کو آپ نے گھریلو باندی کی طرح اپنے فرسودہ اور متروک خیالات کی بندشوں میں ڈال رکھا ہے۔ یہ اللہ کا کیسا کانسپٹ ہے جو آپ کو جرأت اظہار بھی نہیں دیتا۔ یہ کون سا خدا ہے جو انسان کو دماغ اور فکر دے کر اسے سوچنے نہیں دیتا ہے۔ یہ کس خدا کا کانسپٹ ہے کہ جہاں اقبال کو اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شائد
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

ایک اتنا بڑا رب کائنات جو ایک مکمل، متحرک، فعال، عقل اور علم کی انتہا ہے کہ جس کے آسمان اول کی وسعتوں کو ماپنے کے لیے لوگوں سے ابھی کوئی پیانہ نہیں بنا اور جس کی کائنات کے آسمان اول میں داخل ہونے پر کوانٹم اور Relativity کا بڑے سے بڑا فلاسفر یہ بات کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہاتھ لگاتے ہیں، وہیں نیا آپشن پیدا ہو جاتا ہے اور آج کوانٹم کا فلاسفر، یہ کہنے پہ مجبور ہے کہ وہ Dimentions جو رسل یا آئن سٹائن قائم کر کے گیا تھا، They are no more valid وہ یہ کہنے پہ مجبور ہیں کہ کائنات اگر سکڑے گی تو لائٹ کی رفتار سے زیادہ سکڑے گی تو اس وقت کون سی نئی Dimnetions وجود میں آئیں گی۔ عقل حیران ہے۔ بڑے سے بڑا Mathematician حیران ہے۔ Physicist حیران ہے۔ ہٹ اینڈ ٹرائل پہ کائنات کی انڈرسٹینڈنگ کے فارمولے جاری ہیں۔ جب ان سے کہو کہ یہ کائنات ایک سے زیادہ ہو سکتی ہیں تو وہ مجبوری سے کہتے ہیں

Yes this option is alive.

جب ان سے کہو کہ ایک Big bang کے علاوہ اور بھی Big Bang ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں

We have got no reason to refuse

جب ان سے کہو کہ اللہ کہتا ہے میں نے سات زمینیں بنائی ہیں سات آسمانوں میں، کہتے ہیں We can,t refuse اس پروردگار عالم کو ہمارے مکاتب اور ہمارے علمی رشتوں نے تفسیر جلالین میں قید کر رکھا ہے۔ اس وقت کی کتابوں میں، ان مکاتب میں جو شائد اپنے تئیں ایک بہت قیمتی علم کو آگے بڑھا رہے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ تمام معلومات جو آج سے مدتوں پہلے موجود تھی۔ اب ان میں سے ایک بھی آگے بڑھتی نظر نہیں آتی۔ خواہ وہ رازی یا علامہ محمود آلوسی کی تفاسیر ہیں۔ حتیٰ کہ آج کے جدید ترین مفسروں نے بھی جو 1980ء تک تفاسیر کی ہیں وہ وضاحتیں بھی ناقص ہو چکی ہیں۔ کیا پھر قرآن کو آپ Insistence کے ساتھ انہی علماء کی تفاسیر سے پڑھیں گے یا دیکھیے کہ اصحاب رسولؐ نے یہ غلطی نہیں کی کیونکہ ان کا علم یقیناً خالص تھا، وہ ایک بہترین علم کے مالک تھے۔ ان کا کلچر انہیں تجسس پہ ابھارتا تھا، اب دیکھیے کلچر کی اہمیت کیا ہوتی ہے کہ تمام علماء ایک متشدد کانسپٹ کے تحت آگے بڑھتے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ایک کرخت نظریے

اور کلچر میں واضح فرق ہوتا ہے۔

کلچر ایک جنرل Mass Appeal کے ساتھ فروغ پاتا ہے اور Dogmatism اور کسی نظریے میں جو تشدد ہوتا ہے، وہ ذہنوں کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ آپ یقین کیجیے کہ زندگی کی اس منزل پر جب میں ساری دنیا کے کلچر اور ان کی Religious Philosophies اور Extra Philosophies دیکھ چکا ہوں اور مجھے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ آسان اسلام نظر آیا۔ سب سے زیادہ آسان اسلام پر عمل کرنا نظر آیا۔ میں یہ بات مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں کہتا۔ میرا تو ابتدائی کلچر ہی شک وشبہ کا تھا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ میں کسی مضبوط دلیل سے خدا کا انکار کرسکوں۔ یہ میری سب سے بڑی کوشش تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ انسان کی آزادی اور اس کی مجبوری میں ایک اللہ کی ذات حائل ہے۔ اگر اللہ نہ ہوتو انسان آزاد ہے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے میں اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میری مجبوری تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے مجھے پہلا سانس دیا وہ جو کوئی بھی ہے اس نے مجھے آخری سانس دیا۔ وہ جو کوئی بھی ہے اس کا Claim ہے کہ اس نے مجھے ماں کا دودھ بھی دیا ہے۔ اس نے مجھے ماں بھی دی ہے۔ اس نے مجھے باپ کی شفقت بھی دی ہے۔ وہ مجھ سے سوال کرتا تھا کہ زندگی میں آنے سے پہلے میرے پاس کیا چوائس تھا۔ کیا میں نے کوئی باپ چنا تھا؟ کیا میں نے ماں چنی تھی؟ کیا میں نے بہن بھائی چنے تھے؟ ایک بے بسی اور بے چارگی میں اس نے مجھے گھر دیا۔ میرے جرثومہ حیات کی افزائش کے لیے اس نے مجھے رحم مادر بخشا۔ بڑی مجبوری تھی۔ جب میں اس کے Claim دیکھتا تھا تو اللہ کے Claim اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ مجھے ہنساتا بھی ہے اور رلاتا بھی۔ میرے چہرے پر ایک خفیف سے تبسم کی ذمہ داری بھی اللہ پہ چلی جاتی ہے۔ میں اس اللہ کو کیسے Neglect کرسکتا تھا۔ میں اپنے تجسس میں، اگر اس پہلے سوال سے نہ نمٹتا تو مجھے کوئی عاقل کیسے کہتا۔ آپ یقین جانیے کہ تمام یورپی تمدن اور تمام یورپی فلسفہ ایک حماقت کا شکار ہے کہ ان میں سے کسی فلسفی نے خدا کو تلاش نہیں کیا۔ نہ رسل نے، نہ وٹ کانسٹائن نے، نہ وائٹ ہیڈ نے، کسی نے بھی خدا کو تلاش نہیں کیا۔ نہ نیٹشے نے، نہ فیٹشے نے، وہ محض Abstraction کی تلاش کرتے رہے، وہ تجرید سے خدا ڈھونڈتے رہے۔ وہ چاہتے یہ تھے کہ وہ فلسفے کی موشگافیوں سے اللہ تک پہنچ جائیں۔

But you know one thing there is one difference between GOD and the other things.

خالق ہونے کی حیثیت میں اللہ Second Priority of Thoughts قبول نہیں کرتا۔ وہ کسی قیمت پر بھی Second Priority قبول نہیں کرتا۔ مجھے ایک مغربی Mathematician نے طنزاً کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم خدا شناس ہو۔ میں نے اپنی زندگی کے چودہ برس دیے ہیں، میں تو خدا کو نہیں پہچان سکا۔ مجھے تو وہ نہیں ملا۔ How do you say?

میں نے اسے کہا

God is not a by product of mathematical researches, He is a complete Obsession.

وہ تمہارے رستے کا کچھ نہیں ہے۔ تم اگر Mathematics میں پی ایچ ڈی کرنے کے بعد کسی ہلکی سی

Quantum یا Theory of Relativity پہ غور کرتے ہوئے یہ توقع رکھو کہ خدا تمھیں رستے میں مل جائے گا تو ایسا نہیں ہے بلکہ خدا حقیقت کلیہ کی حیثیت میں ایک مکمل Obsession اور تلاش ہے۔ اگر آپ اسے مخلوقات کی تلاش کے بعد حاصل کرو گے تو وہ آپ کو Available نہیں ہوگا۔ وہ ایک ایسی زندہ رواں حقیقت ہے جو اپنی توہین برداشت نہیں کرتی۔ کسی مذہبی اور غیر مذہبی کی تخصیص نہیں ہے مگر اللہ اس شخص کو نہیں مل سکتا، جس نے ذہنی ترجیحات میں اسے ترجیح اول نہیں سمجھا۔

This is one major difference

اگر آپ من حیث المجموع اسے ترجیح اول سمجھیں اور ذہن کی دنیا میں اس کی Properly Gradation کریں تو بخدا وہ پندرہ کروڑ کو مل سکتا ہے۔ وہ تو ہے ہی ملنے کے لیے۔ اس نے تو عقل و شعور کا Instrument ہی اس لیے دیا ہے۔ یہ تمام کا تمام اسلامی کلچر اپنے تعین کے لیے خدا کے تشخص پہ بھروسا کرتا ہے۔ جس اسلام میں، جس کلچر آف اسلام میں Concept of God نہیں ہے، وہ ازمنہ قدیم کے رسم و رواج کی طرح ہے، Taboos کی طرح، Totems کی طرح ہے، عصر گذشتہ کی امثلہ کی طرح ہے، اساطیر الاولین کی طرح ہے۔ اس میں کوئی زندگی نہیں ہے۔ خدا کے بغیر اسلام ایک ایسا سر کٹا مذہب ہے جس کا دھڑ ہے مگر جس میں شعور نہیں ہے۔ ذرا غور کر کے دیکھیے کہ اس وقت کا Religious Culture ہمیں کیا تلقین کر رہا ہے؟ دیوبند میں، بریلوی میں، اہلحدیث میں، تبلیغ کے کسی مکتبہ فکر میں آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ دیوبند پہ، آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے تبلیغ پہ اگر آپ کا مطمح نظر خدا کی محبت اور شناخت ہے تو۔ مجھے ایک بات بتائیے کہ اگر ایک سات منزلہ بہت بڑے سٹور میں اگر آپ کی مطلوبہ شے نہیں ہے تو اس سٹور میں آپ گھوم پھر کے کیا کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے مطلب کی شے ایک ٹوٹی پھوٹی دکان سے جس میں آدھی رات کو دیا جل رہا ہو اور اس کا دکاندار آدھا غنودگی میں ہو، آپ کو وہاں سے مل جائے تو اے بندگان خدا! اگر آپ کو مذہب کی غرض و غائیت کی تلاش ہو اور تمام Religion اللہ کے لیے تھا اور تمام Religion میں ایک اسلام کو متعین اور مخصوص کیا گیا کہ اب یہ وہ کلچر Provide کرتا ہے جس کی Height آخر کار اللہ کی شناخت ہے اگر میں اللہ کو جاننا، سمجھنا اور چاہنا چاہوں اور میں رستے کا انتخاب کروں اور میں ایسا رستہ ڈھونڈنا چاہوں جو مجھے اللہ تک پہنچا دے تو فرض کیجیے کہ میں دیوبند کے سکول کی طرف جاتا ہوں، کہتا ہوں ان کے Academics بہت اچھے ہیں اور حقیقت ہے کہ دیوبند کے Academics بہت اچھے ہیں۔ اب میں وہاں کوشش کر رہا ہوں، سالہا سال لگا رہا ہوں، میں کوشش کر رہا ہوں کہ ان میں سے کوئی استاد، کوئی ٹیچر خدا شناس بھی ہوگا، جو میرے باطن میں ان علوم کی آگاہی کے چراغ جلائے گا کہ بالآخر میں سراغ حقیقت پا جاؤں گا۔ میں تو وہ شخص ہوں کہ آسمان میرا انتظار کرتا ہے، میں وہ انسان ہوں کہ ملائکہ آدھے جھکے، آدھے کھڑے یہ دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے اقبال نے کہا کہ یہ وہ ظالم ہے جو حقائق کے پردہ داروں کے نقاب اتارتا ہے۔ جس دن انسان پیدا ہوا تھا۔ بقول اقبال

خبرے رفت ز گردوں بہ شبستان ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد

یعنی آسمانوں سے یہ خبر برق رفتاری سے گزری تھی کہ اے نقاب پوش حسینو! اب بچو، اب ایک نقاب اتارنے والا پیدا ہو گیا ہے۔ اب وہ انسان پیدا ہو گیا ہے کہ جو حقائق کو اس طرح کھوجے گا، جو اس طرح کریدے گا، جو اس طرح تلاش کرے گا کہ دنیا و مافیہا کی کوئی رکاوٹ اسے روک نہیں سکے گی۔ یہ دیوانۂ خدا ہے یہ ہر رکاوٹ انفس و آفاق کو ترک کرتا ہوا اللہ کے دروازے تک پہنچے گا۔ یہ ہمسائیگی خداوند تک جائے گا۔ یہ جلال و جمال خداوند کا رسیا ہے۔ اس کی عقل ضرور اسے اس منزل تحقیق تک پہنچائے گی جس کا نام اللہ ہے مگر اس اللہ کے بندے کا حشر کیا ہوتا ہے۔ وہ اس زمین آسیب میں پلا بڑھا، ہندوستان میں۔ ہندوستان جو برصغیر تھا۔

It is a land of Inferiority.

یہ حقارتوں کی سرزمین ہے۔ تین ہزار سال پہلے جو قومیں اس میں وارد ہوئیں، انہوں نے زمان و مکاں کے توارد سے عروج و زوال کی ساعتوں سے اپنے لیے احساس کمتری جمع کیا۔ برصغیر میں ہر انسان Above Inferiorities کے ساتھ پیدا ہوا۔ تکبرات کے ساتھ پیدا ہوا۔ یہاں آزادی اور غلامی کی داستانیں اتنی Repeat کی گئیں کہ جب اسلام کا کلچر داخل ہوا تو اس میں خیال کی قوت تھی۔ فزیکل پاور تھی۔ وہ ایک شاندار Handsome ہیرو لگتا تھا۔ جب اسلام برصغیر میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ اتنے Brilliant Aspects تھے کہ اس کا کلچر زمین و آسمان سے بڑھ کر تھا۔ ایک طرف اس کو سلطان محمود آف غزنہ کی تلوار مہیا تھی اور دوسری طرف ابوالحسن خرقانی کا تصوف نصیب تھا۔ دوسری طرف اسے علی بن عثمان ہجویری قطب الاقطاب عالم کا، اس کو تصوف نصیب تھا۔ ایک تسخیر زندگی کے معاملات میں آگے بڑھ رہا تھا اور دوسرا تسخیر قلوب میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اتنا پاورفل کلچر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے Adherent لاکھوں اور کروڑوں میں بڑھ گئے۔ یہ ان صوفیاء کے اسلامی کردار کی مثالیت کا نتیجہ تھا کہ انہوں ں نے بے غرضانہ، درویشانہ اور فقیرانہ طور پر لوگوں کو وہ سب کچھ دیا جس کی اس Land of inferiorities میں ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ والہانہ آگے بڑھے، دیوانہ وار آگے بڑھے، وہ اللہ کی محبت کو آگے بڑھے۔ اس Land، اس محبت کی سرزمین پہ، اتنی طاقت ور محبت تھی اللہ کے ساتھ، یہ آزردہ دلوں کی سرزمین تھی، یہ افسردہ خاطروں کی سرزمین تھی، یہ اجاڑ اور ویران ذہنوں کی سرزمین تھی، یہ محکوم اور محصور افراد کی سرزمین تھی، اور ان لوگوں کو جب یہ نعمت اُخروی ملی، ان کو محبت خداوند نصیب ہوئی اور جب سیدنا فریدالدین گنج شکرؒ ہانسی آئے۔ پاس سے لشکر گزر رہا تھا، تو خلق نے ہجوم کیا، اس محبت کے باعث اپنے Officers سے بغاوت کر دی اور کہا ہم تو فریدالدین کو دیکھے بغیر آگے نہیں جائیں گے تو مجبوراً انہوں نے لشکر کو Allow کیا۔ تو ان کو بڑی عقیدت کے ساتھ ایک جگہ پر بٹھایا گیا۔ لوگ آتے، ہاتھ پیر چومتے تو خواجہ کو برا لگتا وہ بار بار کہتے اے خلق خدا تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ کیوں میرے پاؤں چومتے ہو۔ خدا کے لیے مجھے اس اذیت سے رہائی دو۔ اور اسی اثناء میں ایک سقہ بڑھا اور جب اسے منع کیا گیا کہ کیا کرتے ہو تم لوگ۔ تم لوگوں کو کیوں عقل نہیں آتی تو وہ تن کے کھڑا ہو گیا، اس نے کہا فریدالدین تمہیں کون مانتا اور جانتا ہے؟ تجھے کون پیار کرتا ہے یہ لوگ تو اللہ کے متوالے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ سے پیار کرنے والے ہیں۔ ان کو گمان ہے کہ اللہ تجھ سے پیار کرتا ہے۔ یہ تو اس لیے تجھ پر پلٹ رہے ہیں ورنہ تیرے وجود کی ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ ہم تو قرآن کی اس آیت کی طرف دیکھتے ہیں کہ جب وہ شخص بازاروں میں چلتا ہے تو خدا کا نور اس کے ساتھ ساتھ

ہوتا ہے۔ اس کا اپنا نور اس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اب اسلامک کلچر سے ایسے نوری وجود ختم ہو گئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں ان Schools of Thoughts کو کیا کروں جو میرے تشخص کو تقسیم کیے جاتے ہیں۔ میں جو مسلمان تھا میرا کلچر اسلام تھا۔ میرے کلچر کی بنیاد صرف اور صرف اللہ کی محبت اور خلوص پر تھی۔ میرے کلچر کو میرے مذہبی گروہوں نے اس طرح بانٹ دیا، اس طرح تقسیم کر دیا کہ میرے مذہب میں سب کچھ رہ گیا مگر اللہ کا نام و نشان نہیں رہا۔

This is the first loss, the ultimate loss of priorities.

Religious Priorities کا سب سے بڑا نقص یہی تھا اور اس Priority کے بعد ہم کسی قیمت پر اسلامک کلچر کو Present نہیں کر سکتے۔ اسلام میں اللہ کے سوا کوئی چیز Important نہیں ہے اور جب مسلمان کے ذہن و قلب سے خدا کے حصول کی خواہش ختم ہو جائے۔ اس سے محبت کی آرزو ختم ہو جائے تو اس کا اسلام کیا معنی رکھتا ہے اور جب یہ نہ رہا، جب یہ Intellectual Priority نہ رہی تو اب دیکھیے دوسرا نکتہ نکلتا ہے کہ کلچرز متاثر کرتے ہیں کلچرز کو، جب یہ مکس ہوتے ہیں تو کلچر متاثر کرتا ہے دوسرے کلچر کو۔ اخذ بھی اسی میں سے ہے، اصول بھی اسی میں سے ہے۔ کلچر کے دو حصے ہیں۔ میں نے پہلے غیر مادی اور ماورائی حصے پہ گفتگو کی ہے

There is no Islamic Culture in Pakistan.

کیونکہ ماورائی اور غیر مرئی حصہ ختم۔ اس کی ڈائریکٹنگ فورس موجود نہیں ہے۔ اسلام کے پیچھے Love of God نہیں ہے اور Love of God کے بغیر ایک Cultural میٹافزیکل بائینس آپ کا مذہب اختیار نہیں کر سکتا۔ خدا کی محبت کے بغیر آپ کا سارا مذہب گھروندوں میں بٹ کر مسلمان کی تقسیم کا باعث بنتا ہے۔ اگر کسی مسلمان کے لیے مسلمان ہونا باعث تفاخر نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جن گروہی قیدوں میں ہے اس کے لیے سائیڈ کی بیاری "ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شیء" (الانعام: آیت ۱۵۹) جن لوگوں نے دین میں فرق کیا اور گروہوں میں بٹ گئے اے پیغمبر تو ان میں نہیں ہے اور جس میں پیغمبر نہیں ہے اس میں خدا نہیں ہے۔ جس Concept of Religion میں خدا نہیں ہے وہ Religion ووڈو ہے۔ ٹوٹم ہے اور رسم و رواج ہے۔ پھر اس کمیونسٹ فلاسفر کا قول بڑا سچا ہے کہ جب لوگ کسی مسلمان ملک سے گزریں گے اور جب کسی مسجد کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہاں ایک ایسی بے وقوف قوم آباد تھی جو ان دیکھے آسیب سے ڈرتی تھی۔ تو Comment یہ نہیں آئے گا کہ یہاں اللہ کے بندے آباد تھے، یہاں اللہ کو ماننے والے آباد تھے، یہاں اللہ سے محبت کرنے والے آباد تھے بلکہ Comment یہ آئے گا کہ یہاں ایک ایسی بےوقوف قوم آباد تھی جو ان دیکھے آسیب سے ڈرتی تھی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب ہم خدا سے انس توڑتے ہیں، رشتہ ناتا توڑتے ہیں تو ہماری حالت اس آسیب زدہ مسلمان کی سی ہوتی ہے جس کے کلچر میں تعویذ اور جادو کو از حد اہمیت حاصل ہے۔ مجھے اسلام آباد کی ایک بڑی معزز اور پی ایچ ڈی خاتون نے ایک بات کہی کہ پروفیسر صاحب بڑے دنوں سے ہمارے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ جس کامیابی کو بڑھتے ہیں نقصان ہو جاتا ہے۔ فرمایا پروفیسر صاحب یہ کسی نے کچھ کیا ہوا تو نہیں ہے۔ یہ جادو تو نہیں ہے آسیب تو نہیں ہے۔ میں نے کہا محترمہ ایک کام کرتے ہیں، ایک Application اللہ کے نام لکھتے ہیں۔ تو بھی لکھ، میں بھی اس پہ سائن کر دوں گا کہ اے پروردگار عالم اب لازم ہے کہ تو ایل پی آر پہ چلا جا۔ Leave

Before Retirement پہ چلا جا۔ اب تیرا کوئی کام نہیں رہا، اب لوگ رزق بند کرتے ہیں، پانی بند کرتے ہیں، خیال بند کرتے ہیں۔ اب زندگیوں پہ قدرت انسانوں کو حاصل ہو گئی ہے۔ معاملات پہ قدرت انسانوں کو حاصل ہو گئی اب تیری کیا ضرورت ہے اس افلاک میں۔ اب آپ جاؤ چھٹی کرو، کوئی اور دنیا بساؤ اور جادوگروں کے حوالے اس دنیا کو کر جاؤ، تعویذ والوں کے حوالے اس دنیا کو کر جاؤ۔ اب اس معاشرے کا کلچر اس بحران اور ذلت کا شکار ہے کہ ہر آدمی اپنی ناکامی اور افسردگی کا باعث کسی دوسرے انسان کو سمجھتا ہے اور اللہ کی یہ آیت لوگوں کے ذہن اور اعتقاد سے نکل گئی ہے کہ ''ولنبلونکم بشیء من الخوف و الجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات'' (البقرۃ: آیت ۱۵۵) کہ اے بندگان خدا، بلاشبہ میں تمہیں تھوڑا آزماؤں گا زیادہ نہیں۔ بشیء من الخوف بہت معمولی سے خوف سے تمہیں آزماؤں گا۔ بھوک سے آزماؤں گا، نقص اموال سے آزماؤں گا، کیفیات ذات سے آزماؤں گا۔ تمہارے پھل، تمہارے وجود جدا کر کے تمہیں آزماؤں گا۔'' و اذآ اصابتهم مصيبة '' (البقرۃ: آیت ۱۵۶) اور دیکھو تم سب پر تھوڑی بہت مصیبتیں آئیں گی، تم سب پر مصائب آئیں گے تو دیکھو اعتقاد کی غلطی نہ کرنا، اس کا Regard کسی تعویذ والے کو نہ دینا، کسی جادوگر کے پاس یہ سراغ نہ لینے جانا کہ کسی نے ہم پر کیا کیا ہوا ہے۔ یقین جاننا کہ یہ سب کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے کیونکہ میں نے ہر انسان کو تھوڑا بہت ضرور آزمانا ہے۔ ''بشیء من الخوف و الجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات'' (البقرۃ: آیت ۱۵۵) میں نے تمہارا مینٹل سٹیٹس چیک کرنا ہے۔ تمہاری دنیاوی پی ایچ ڈی چیک نہیں کرنی۔ ایم ایس سی، باٹنی اور زوالوجی نہیں چیک کرنی۔ میں نے تمہارے اعتقاد کی ایک ڈگری کو چیک کرنا ہے۔ تمہارا Faith کا کلچر چیک کرنا ہے۔ کیا تم اپنے ظاہری علوم کے باوجود اتنی جلدی آسیب اور وسوسے کا شکار ہو جاؤ گے تو بس اتنی بات یاد رکھنا ''واذآ اصابتهم مصيبة'' کہ جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو اپروچ یہ رکھنا کہ قالوآ انا لله و انا اليه رجعون O (البقرۃ: آیت ۵۶) کہ یہ کیفیت وقتی ہے لمحاتی ہے۔ یہ ٹل جائے گی اور ہم اس کلاس سے پاس ہو جائیں گے۔ ہم اپنے اس علمی بحران سے گزر جائیں گے۔ ہم اللہ پہ اعتقاد رکھیں، ہم سے خطا اور نسیان کہیں نہ ہو جائے۔ ہم اللہ کے سوا زندگی کی ذمہ داری کسی اور پہ نہ ڈالیں اور اگر تم اس چھوٹے سے امتحان سے پاس ہو گئے تو اللہ یہ کہتا ہے: ''اولٰئک علیهم صلوات من ربهم و رحمة'' (البقرۃ: آیت ۱۵۷) ان لوگوں پہ میری طرف سے نہ صرف درود و سلام ہے بلکہ درگاہ خداوند میں آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری نصیب ہے۔'' واولٰئک هم المهتدون'' (البقرۃ: آیت ۱۵۷) اور یہ ڈگری یافتہ ہو گئے، یہ ہدایت یافتہ ہو گئے۔ یہ ہیں پڑھے لکھے لوگ جن کا کلچر مغربی آسائشات نہیں ہیں، ذاتی Sources نہیں ہیں۔ جو اسباب کو Use کرتے ہیں، اسباب کو خدا نہیں سمجھتے۔ اسباب ان کے توکل نہیں ہیں۔ اسباب ان کا کلی آسرا نہیں ہیں۔ وہ اس بات پہ یقین رکھتے ہیں جو ان کے اللہ نے کہا ہے ''وان یمسسک الله بضر فلا کاشف له الا هو وان یمسسک بخیر فهو علی کل شیء قدیرO'' (الانعام: آیت ۱۷) کہ جسے اللہ نے ضرر سے چھو لیا تو اس کو دنیا کی کوئی طاقت اس ضرر سے آزاد نہیں کر سکتی، سوائے اللہ کے، اور جسے اللہ نے خیر سے چھو لیا۔ فهو علی کل شیء قدیر تو وہی اپنی طاقتوں اور قدرتوں والا ہے۔ جب ہم اصولی غلطی نہ کریں گے اور ہم سائیڈ ایشوز میں نہ پڑیں گے۔ Sectarian ایشوز میں نہ پڑیں گے تو ہم ایک اعلیٰ ترین اسلامی قدر تک پہنچیں گے اور مجھے یقین

ہے کہ ہم غم وغصہ اور بلا سے گزرتے ہوئے زندگی کی ان اعلیٰ اقدار اور اعلیٰ کلچرل اقدار کو ضرور چھوئیں گے جس کے بارے میں اللہ نے یہ کہا کہ دیکھو۔ ولا تھنو سستی نہ کرنا ولا تحزنو غم نہ کرنا تم ہی غالب ہو اگر اہل ایمان ہو۔

خواتین وحضرات! جب کلچر، کلچر سے ٹکراتے ہیں تو بہتر کلچر غالب آتا ہے۔ کلچرل فورسز جب آپس میں ٹکراتی ہیں تو جس کلچر میں زیادہ اپیل ہوتی ہے، جس میں طاقت اور موبلٹی زیادہ ہے Influence زیادہ ہوتا ہے، وہی غالب آتی ہے۔ اگر آپ اپنی معاشرتی اقدار کو دیکھیں، اردگرد دیکھیں تو پاکستان کا اس وقت کوئی ذاتی کلچر موجود نہیں ہے۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ہم ٹوٹل ایک Basic اسلامک کلچر سے جدا ہو چکے ہیں۔ اللہ سے، اللہ کے یقین سے جدا ہونے کے بعد ہم اتنے سب سائیڈڈ ایشوز میں چلے گئے ہیں کہ ہم اپنے مواقف کو Defend نہیں کر سکتے۔ ہم گروہی تعصبات کو Defend نہیں کر سکتے۔ اس لیے External کلچر ہم پہ غالب آتا ہے بلکہ ہم اپنے مذہبی گروہی تفکرات کی Satisfaction کے لیے بھی سیکولر کلچر کی مدد لیتے ہیں۔ ہم نے اگر اپنے مذہبی اختلافات میں بھی مقرر کرنا ہو تو ہم امریکہ یا برطانیہ سے سیکولر کلچر کو حاکم مقرر کرتے ہیں۔

خواتین وحضرات! اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ ہم اپنے بنیادی عنصر ثقافت یعنی وحی سے محروم ہو چکے ہیں۔ دوسرا عنصر تھا خدا سے مَس رکھنے والے وہ وجود جو ہمیشہ ہمیں مذہبی Curiousity کی انتہا، تشریح اور وضاحت دیتے تھے حتیٰ کہ آج کا میتھیڈ یسٹ ہمیں یہ کہتا ہے کہ صوفی ازم حرام ہے۔ آج کا میتھیڈ یسٹ کہتا ہے کہ صوفی ازم Exist نہیں کرتا۔ آج کا میتھیڈ یسٹ مسلمان یہ کہتا ہے کہ یہ فقراء سب بہانے ہیں۔ یہ صوفی جو بیٹھے ہیں یہ سود لینے والے ہیں۔ پیران حرم سارے جھوٹے ہیں۔

Exactly this is right. "But this is only right when there is no real SUFI"

مگر عبدالقادرؒ کے ہوتے ہوئے کسی نے یہ نہیں کہا کہ صوفی ازم نہیں ہے۔ حتیٰ کہ امام ابن تیمیہؒ جیسے سخت ترین نقاد اپنے حوالہ جات میں یہ جملہ لکھ گئے ہیں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی اور شافعی بغداد میں حنابلہ اور شافعیہ کے مطابق درس دیتے تھے۔ اور ہم تک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامات کے توسل، توسط اور تواتر سے پہنچیں۔ ابن تیمیہؒ کا یہ اعتراف اگر غور کیجیے تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی معرفت کی دلیل ہے۔ علی بن عثمان ہجویریؒ کی علمی تحقیق اور جستجو تک برصغیر کا کوئی عالم آج تک نہیں پہنچا۔ ان کی ایک ایک سٹیٹ منٹ کی تحقیق ادھوری ہے۔ یہ بات میں آپ کو اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے اختلاف ممکن ہے۔ مگر میں ایمان داری سے سوچتا ہوں کہ جس قسم کا ان کا Analytical ٹمپر ہے۔ اور جس سائیکالوجی آف سیلف کی وہ سٹیٹ منٹ دیتا ہے آج تک برصغیر کا کوئی صوفی، کوئی محقق کوئی مولوی اس کی کنہ تک نہیں پہنچا۔ میں آپ کو اس کی دو مثالیں دیتا ہوں۔ یہ ایک وہ نتیجہ ہے جو صرف صوفی کی Intellect اخذ کرتی ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا شناس کس نقطہ نظر سے تحقیق کرتا ہے۔ سید ہجویریؒ نے لکھا کہ مجھے لوگوں کی خدمت کا بڑا شوق تھا اور میں ان پہ مال بھی خرچتا تھا حتیٰ کہ میں مال خرچتے خرچتے مقروض ہو گیا اور میں خدا سے گلہ کرتا تھا کہ اے پروردگار میں تو خدمت خلق کرتا ہوں۔ اب دیکھیے گا کہ آپ میں سے بہتوں کا یہ مسئلہ ہے کہ میں تو خدمت خلق کرتا ہوں تو

پھر مجھ پہ یہ عذاب عسرت کیوں؟ مجھ پہ یہ غربت کیوں؟ تو فرمانے لگے میں متردد تھا اس معاملے میں کہ مجھ تک میرے شیخ الوقت ابوالفضل ختلیؒ کا ایک خط پہنچا اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ اے علی بن عثمان کیا تو ان لوگوں کے عذاب کم کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کو اس کیفیت میں اللہ نے رکھا ہوا ہے اور یہ اصول یاد رکھ، اتنی نیکی کرو، اتنا خیر دے جتنا تیری استطاعت ہے۔ اگر اس سے بڑھ کر کرے گا تو نفس تجھے خیر کی کثرت پہ ابھارے گا اور تجھے عسرت میں ڈال دے گا اور پھر یہی نفس تجھ سے خدا کا گلہ کروائے گا جو تو کسی بھی حال میں نہیں چاہتا۔ یہ درس کسی مولوی کے نصیب میں نہیں ہے۔ یہ درس اس شخص کے نصیب میں ہے جو علوم کی خصلت و غائیت کو صرف اللہ کے لیے حاصل کرتا ہے۔ فرمایا علی بن عثمان ہجویریؒ نے کہ میرے دل پہ کیفیت اضطراب تھی۔ میں اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوا میں نے ان سے کہا سماع کا بندوبست کیجیے۔ میرے شیخ نے سماع کا بندوبست کیا۔ میری کچھ کیفیت اضطراب کم ہوئی۔ جب میں اٹھ کے چلا تو میرے شیخ نے آواز دی، اے علی بن عثمان ایک وقت آئے گا کہ تمہیں سماع میں اور کوے کی آواز میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوگا۔ اب دیکھیے یہاں تک واقعہ ہے کہ سید ہجویرؒ یہ فرماتے ہیں۔ کیا خوبصورت Analysis ہے کہ جب طلب خداوند میں تو آسرے ڈھونڈھے گا اور جب تحتی قلب میں راحت تلاش کرے گا اور جب مشقت میں آسانی کی آرزو رکھے گا تو پھر تیرا دل اس آسانی کا ہمیشہ شائق ہو جائے گا۔ اگر تو نے اضطراب میں سماع ڈھونڈا اور پھر تو اضطراب میں سماع کا عادی ہو گیا تو تو اگلی منزل فکر تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس Outgrowth کے جس فلسفے کے بارے میں سید علی بن عثمان اشارہ کر رہے ہیں، یہ تصوف اسلامیہ کا خلاصہ ہے۔ ایک منزل فکر سے دوسری منزل فکر کو بڑھ جانا یہ کمال صوفی تھا۔ ذات سے گزرتے ہوئے، آفاق سے گزرتے ہوئے، اپنے ذاتی تخصصات کو محفوظ کرتے ہوئے، اپنے علمی تحفظات کو محسوس کرتے ہوئے جب ایک صوفی اللہ کو بڑھتا تھا تو وہ معاشرے کے عقلی معیار کو بلند کر دیتا تھا۔ ایک بڑی عجیب سی مثال آپ کو بتاؤں کہ کلیام شریف جو میرے شہر کے بالکل قریب ایک گاؤں ہے وہاں ایک بہت بڑے مجذوب دفن ہیں، ان کو بابا فضل دین کلیامی کہتے ہیں تو میں ایک دفعہ اتفاقاً ان کے گاؤں کے قریب سے گزرا۔

I don't go generally but it is sometimes when I pass by.

کسی بڑے بزرگ کے پاس سے گزرتا ہوں تو فاتحہ پڑھنے کو اُنس محسوس کرتا ہوں اور ان سے دعا لینے کو بھی دل اُنس کرتا ہے تو میں نے بابا سے کہا دیکھ تو بڑی عجیب سی بات تو کدھر آ کے ڈھور ڈنگروں میں لیٹ گیا ہے۔ اتنا بڑا تُو خداشناس ہے تو میں اس کے مزار پہ کھڑا ہو کے اس کو ذرا طنزاً کہ رہا تھا کہ بابا تو کمال کا آدمی ہے۔ He did not answer me. مجھے کشف قبور نہیں حاصل۔ غلط نہ سمجھئے گا۔

But it was a dialogue with him.

جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بعض اوقات قبرستان میں جا کر بڑی لمبی چوڑی گفتگو کرتے رہتے تھے تو میں نے کہا بابا تو خداشناس تھا تو یہ کون سی جگہ ہے تو جہاں آ کے پڑ گیا۔ خلق کو تجھ سے کیا فائدہ ہوا۔ کیا سراغ ملا۔ تو میں نے کہا

This is not proper atmosphere.

اے بابا تو نے یہاں آ کر کیا کیا۔ میں یہ گلہ شلہ کر کے مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گھس گیا۔ جب میں نماز پڑھ

کر مسجد کے پاس سے گزر رہا تھا تو ایک تنگ سی گلی سے اچانک میرے کانوں میں ایک سُریلی سی آواز پڑی۔ بہت خوبصورت آواز۔ بہت ہی خوبصورت آواز۔

Because i remember the rarity of that voice.

جس میں پورا پورا موسیقی کا رس تھا۔ گانے والا گا رہا تھا۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر　　روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور تو می بینی حسابم ناگزیر　　از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

آپ یقین جانئے کہ ایک غیر مرئی ارتعاش نے میرے پورے بدن کو روک لیا۔ میں سکتے میں چلا گیا کہ یہی سوال تو میں پوچھ رہا تھا کہ اے صوفی تو نے یہاں بیٹھ کے کیا کیا۔ میں جو اس سے سوال کر رہا تھا کہ بابا تو نے یہاں بیٹھ کے کیا کیا تو میرا جواب اس سیدھے سادے دیہاتی نے دیا جو ایک تہبند باندھے ہوئے، سفید شرٹ، سفید پگڑی پہنے ہوئے، انتہائی خوبصورت آواز میں اس مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گا رہا تھا۔

And I just faced him again.

میں مزار سے جاتے ہوئے اسے کہہ گیا کہ بابا

You were right, i was wrong.

”اکوکوک فریدی سے کر گئی تھل“ جہاں اس قسم کا شخص بیٹھتا ہے، وہ زمین برکت والی ہوتی ہے اور اس زمین کی برکت اس شخص کو زمینی مراتب سے اٹھا کر ایک آسمان گیر مطمح نظر دے جاتی ہے۔ یہ سب سے پہلا Difference ہے جو کسی بھی Mystic movement کے کلچرل امپیکٹ کا ہوتا ہے۔ یہ وہ مومنٹ ہے جو آج کل کے پاکستان میں مفقود ہے۔ اس لیے کہ ہر محقق جو اٹھا، ہر متجسس جو اٹھا، اس نے مسائل کو انتہائے فکر سمجھ لیا۔ اس نے اتنی بڑی مابعدالطبعیات دنیا کو چند مسائل میں قید کرنا معراج اسلام سمجھا۔ ایک غیر ملکی مفکر نے مجھے کہا کہ اسلام کی میٹا فزکس نہیں ہے تو میں نے کہا مسخرے اگر اسلام میں میٹا فزکس نہیں ہے تو اور کس کے پاس ہے۔ تم لوگوں نے آج تک تجرید کے سوا کسی چیز کو Perceive نہیں کیا۔ مغرب کا ہر فلسفی ایبسٹریکشن Justice, truth اور ہیومن ریلیشن شپ کی بات کرتا ہے۔ تم میں سے کسی ایک شخص نے بھی عالم تجرید کے مالک کی تلاش نہیں کی۔ تم اپنی بہترین کوششوں کے باوجود بھی صرف تجریدی اصولوں تک ہی پہنچ پاؤ گے کیونکہ آپ کا بڑے سے بڑا فلاسفر Justice in all پر رک جائے گا۔ کوئی اور فلسفی Readynesses all پہ رک جائے گا۔ کوئی اور Liberty پر رک جائے گا اور کوئی جبر وقدر کے مسئلے پہ

They never wanted to see God.

Nobody has ever Sought God.

ان میں سے کوئی خدا کا متلاشی نہیں تھا۔ اس کے برعکس جب کوئی مسلمان مفکر آگے بڑھتا ہے تو اس کی واحد مابعدالطبیعاتی منزل اللہ ہوتی ہے۔ دوسروں اور مسلمان مفکرین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کی مابعدالطبیعات اس بے کراں سیارچے کی طرح ہے جو فضائے بسیط میں کسی منزل کے تعین کے بغیر ایک لاانتہا مسافت میں چلا جاتا ہے

اور جسکا کوئی انجام نہیں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مسلمان Mystic اس گائیڈ میزائل کی طرح ہے جو یقیناً اپنی منزل کے تعین کا مشکور ہے اور جانتا ہے کہ وہ کس سمت کو بڑھ رہا ہے اور وہ یقیناً الہیاتی قرب میں جا کر اترتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے مفکرین ہمیشہ Competitive range میں افلاک کے تمام مغربی مفکرین سے آگے رہے۔ آج بھی کہا جا سکتا ہے کہ عصر جدید یورپ میں آپ کے مفکرین ابن الہیثم، غزالی، ابن رشد اور ابن خلدون نے وہ شمع فکر جلائی ہے کہ جس سے بعد میں ان کے ہاں ڈیکارٹ اور ڈاروز پیدا ہوئے اور ان کی Renaissance اور Reformation شروع ہوئی۔ اگر دیکھا جائے تو یہ کلچرل تقسیم ہے۔ جب آپ کا کلچر Intellectual اور مضبوط تھا تو یورپ نے بے حجابانہ آپ سے لیا بلکہ سرقہ بالجبر کیا۔ حتیٰ کہ غزالی کی مثالیں ڈیکارٹ نے کوٹ کیں مگر اس نے نام نہیں لکھا کہ میں نے یہ غزالی سے لیا۔ لہٰذا یورپ نے آپ سے کچھ لینے میں کبھی شرمندگی محسوس نہیں کی، مگر بدقسمتی یہ ہے کہ آپ یورپ سے جو اثاثہ لیتے ہیں اس کے ساتھ Additional نمک مرچ لیے آتے ہیں، ان سے احساس غلبہ لیے آتے ہیں، احساس تحقیر لیے آتے ہیں، اپنے آپ کو آپ خواہ مخواہ مغلوب نظر کیے جاتے ہیں۔ اقبال نے ایک کوشش ضرور کی تھی کہ مسلمان مفکرین کے ذہنوں سے یہ اثر اتارے۔ اقبال سے پہلے کلچرل مغلوبیت کا یہ حال تھا کہ انڈیا میں جو شخص بی۔ اے کر جاتا تھا وہ دہریہ ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اقبال پی ایچ ڈی کرنے کے باوجود بھی دہریہ نہیں ہوا اس علمی معیار کے رعب نے انہیں دوبارہ مذہب کی طرف واپس کیا اور اقبال نے Inferiority کا ایک جنرل کانسپٹ ختم کرنے کی کوشش کی مگر بعد میں اسلام والوں نے یورپین کلچر کو یوں سینے سے لگایا کہ بے نام ونشان ہو گیا اور اپنے تشخص سے خالی اور عاری ہو گیا۔ الغرض ایک مدت تک مغرب کی لبرٹی کے تصور کو مشرق پر غلبہ حاصل رہا اور آج یہ عالم ہو گیا ہے کہ ہم ان کے کلچر کانسپٹ آف لبرٹی، کانسپٹ آف انکوائری اور کانسپٹ آف ریسرچ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم زیادہ سے زیادہ ان کی دلیل کے جواب میں گولی مار سکتے ہیں۔

But they have better bullets and they have better guns, they have better missiles, anytime they can kill us without firing a bullet even.

ہم یقیناً ان سے اس فیلڈ میں بھی نہیں لڑ سکتے۔ تو پھر کیا کریں گے۔ ہم کم از کم اپنے کلچر کو مزید آلودگی اور کرم خوردگی سے بچا سکتے ہیں ہمیں اپنے ذہنی تفکر، جرأت فکر اور ایک رندانہ کوشش سے یورپ کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ سے اس مقصد کے لیے ہمیں جہالت اور بنیاد پرستی کے بجائے جدید فکری لطافتوں کو فروغ دینا ہوگا اور ہمیں ایسے جوان تیار کرنا ہوں گے جن کے دماغوں میں تحقیق و جستجو کا سودا سمایا ہوا ہو۔ لیکن ہم یہ منزل اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم قرآن کی اس آیت پہ عمل نہیں کریں گے کہ "الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم" (آل عمران: آیت ۱۹۱) اے میرے بندو، کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل، مجھے یاد کرتے رہو۔ "ویتفکرون فی خلق السموت والارض" (آل عمران: آیت ۱۹۱) اور زمین و آسمان کی تخلیقات پہ مسلسل غور و فکر کرتے رہو۔ کیا کوانٹم یا Relativity پہ صرف ان کا حق ہے؟ درحقیقت یہ میرا حق ہے کیونکہ میں خدا کا بندہ ہوں اور یہ کائنات میرے خدا کی ہے۔ اس حوالے سے علوم کی دہلیز پہ ناصیہ فرسائی کرنا اور شعور کے آفاق تسخیر کرنا میرا اساسی حق ہے۔ اہل مغرب کا کیا حق تھا؟ وہ ہم سے ہمارا حق چھین کر لے گئے ہیں۔ شاید پیمبر کی فراست ہمیں بتاتی تھی کہ علم ہم سے اتنی دور پہنچ جائے گا جہاں چاند ہے، جہاں

ہاورڈ ہے، جہاں لنڈن سکول آف اکنامکس ہے۔ اسی لیے رسولؐ خدا نے فرمایا: ’’اگر ہمیں چین جا کے بھی اپنے علم کی دولت کو واپس لانا پڑے تو ہمیں ہرگز تامل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ قرآن سینے سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے صحرا میں خارشی اونٹ رسی تڑا کر نکل جاتا ہے۔ جب ہم نے Pursuit چھوڑ دیا ہے تو علم ہمارے سینے سے ایسے بھاگ گیا ہے جیسے صحرا میں اونٹ رسی تڑا کے بھاگتا ہے۔ کیا ہم اپنا مال اور اپنا گم کردہ اثاثہ واپس نہیں لائیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے جب لفظ حرج آیا تو انہوں ں نے ایک یمنی کو بلایا اور فرمایا تم لوگ حرج کس کو کہتے ہو۔ جواب ملا اے امیر المومنین! جب کوئی کھانے والی جھاڑی بہت زیادہ ناقص جھاڑیوں میں ہو اور ہمارے ڈھور ڈنگر کی اس تک اپروچ نہ ہو سکے تو ہم اسے حرج کہتے ہیں۔ یقین کیجیے۔ ہمارے باطن بھی حرج کی طرح ہو گئے ہیں، ہم اپنی ناقص خواہشات، تعصبات اور علمی تناقضات کی خاردار جھاڑیوں میں اتنے الجھ گئے ہیں کہ عقل دل تک پہنچ نہیں سکتی، وہ ہمارے دل کو کھا نہیں سکتی، عقل کو دل مغلوب ہے، عقل کو دل مطلوب ہے، دل عقل کا رسیا ہے یہ حیات کا مرکب ہے۔ اس کے اوپر چھ Recepters لگے ہوتے ہیں جو Brain کو سگنل دیتے ہیں مگر پہلا آثار قبولیت برین (Brain) نہیں دل ہوتا ہے۔ پھر اس کے بلائنڈ سگنلز دماغ تک جاتے ہیں۔ پھر Interpretation ہوتی ہے پھر اس کی وضاحتیں برین دیتا ہے۔ Its a very sophisticated computer مگر یہ کمپیوٹر پہلا Impuls دل سے لیتا ہے اور

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر جاں زنی یارے بود

پروردگار ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی Basic کلچرل اساس کو پلٹیں اور اسلامک کلچر میں تجسس، تحقیق اور علم کا جو مقام ہے ہم اس تک اپنی رسائی حاصل کریں اور خداوند کریم ہمیں یہ توفیق بھی بخشے کہ ہم شناخت کے ان ذاتی مراحل سے آگے بڑھتے ہوئے، انفس وآفاق سے گزرتے ہوئے، اللہ کی اس آیت کے مصداق ہوں کہ ”ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين O “ (آل عمران: آیت ۱۳۹)

وما علینا الا البلاغ

سوالات وجوابات

ذکر خدا سے روگردانی معاشی کمزوری کا سبب کیوں؟

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’’جب کوئی ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔‘‘ اس ذکر سے کیا مراد ہے؟

جواب: خواتین وحضرات! یہ ایک سوال ہے کہ جب کوئی ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں۔ یہاں ذکر سے کیا مراد ہے؟ اسی قسم کی ایک اور آیت بھی جو ہے کہ ہم نے ظالم قوموں کو اس

وقت پکڑا جب وہ اپنی معیشت پر اترا رہے تھے۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ ایک قسم کی Contraditcion ہے لیکن یہ ایک Historical fact ہے کہ جب قوموں نے غیر معمولی معاشی اور فزیکل پراگرس کی تو انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ اس اعلیٰ ترین دنیاوی معیار پر پہنچ گئے ہیں لیکن اللہ کہتا ہے ہم نے اس وقت ان کو پکڑ لیا۔ یہی بات ثمرین اور کسیڈیز قوم بابل کے ساتھ گزری یعنی جب وہ اپنی ترقی کی انتہا کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دم سے ایسے پکڑا کہ ان کی معیشت کے وہ تمام فوائد کینسل ہو گئے اور وہ عذاب الٰہی کے گرفتار ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ خداوند کریم یہ کہتا ہے کہ جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں تو یہاں اگر آپ غور کریں تو ایک Responsibility کا تعین ہے اور Responsibility خدا کی یاد، خدا کی محبت اور خدا کی شناخت ہے۔ ایک وہ معاشرہ ہے جو خدا کے بغیر چلتا ہے اور معیشت کی ترقی حاصل کرتا ہے جیسے یورپ میں ہے اور دوسرا یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غریب لوگوں کی ناگفتہ بہ حالت کو دیکھا تو اس پر اظہار تاسف کیا بلکہ ایک کمزور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ شدید گلہ بھی کیا کہ اے اللہ کفار کے گھر اور بازار اشیاء و مال سے بھرے پڑے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہے تو خداوند کریم نے قرآن حکیم میں ایک آیت اتاری کہ اے پیغمبر ایک مصلحت مانع نہ ہو تو میں ان اہل کفر کے در و دیوار اور ان کی سیڑھیاں سونے چاندی کی کر دوں۔ لہٰذا بات یہ ہے کہ جو قوم خدا کے بغیر ترقی کرتی ہے وہ انڈر مکینیکل لاز اور یونیورسل لاز آگے بڑھتی ہے۔ ان کی صداقت، دیانت اور محنت کے ثمرات ان کو ترقی کی طرف لے جاتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ان کے Declines بھی بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسے ابھی آپ ویسٹرن نیشنز کو دیکھتے ہیں کہ وہ از حد محنت، خلوص اور Sense of responsibility سے آگے بڑھ رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے تمام Moral پہلو کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ سیکولرازم اور ڈیموکریسی کے دوسرے منفی نتائج بھی سامنے آ رہے ہیں کہ پورے کا پورا مورل اور فیملی سسٹم ٹوٹتا جا رہا ہے اور رفتہ رفتہ زمان و مکاں میں جو Negative points ہیں، وہ اتنے بڑھتے جائیں گے کہ کسی کو یورپی تمدن کو توڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور جیسے ایک بہت بڑے یورپی Analyst کا کہنا ہے کہ تمام ویسٹرن سوسائٹی آخری مورون Attitude کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ان کی صلاحیتیں چونکہ صرف دنیاوی مقاصد تک محدود ہیں، اس لیے ان کے ذہن میں جلا اور ندرت نہیں آ رہی ہے۔ اور ان کا معاشرہ زوال پر آمادہ ہے۔ مگر مسلمان جو اللہ کا بندہ ہے، اس پر نفاق اور نفرت دونوں چارج کئے ہیں۔

لہٰذا اس آیت کے مطابق جو بھی اللہ کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ اس کو اپنے نظام اور طریقے کے مطابق احساس دلاتا ہے اور یہ اللہ کا طریقہ اس کی معیشت کی کمزوری اور اس کے Losses بھی ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی صورتوں میں اپنے بندے کو جو اچھی بھلی زندگی گزار رہا ہوتا ہے، ایسے مختلف حادثات سے دوچار کرتا ہے تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے، ورنہ از خود شاید انسان میں یہ صلاحیت نہیں رہ جاتی کہ وہ اپنے مزاج، بری عادت یا بری خصلت سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اس بری خصلت اور عادت سے نجات پانے کے لیے ایک ڈرامائی حادثے کی ضرورت پڑتی ہے تو ذکر سے روگردانی، اللہ کی یاد سے روگردانی بلکہ اس کمٹمنٹ سے روگردانی ہے جو مسلمان نے اللہ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی صورت میں کیا ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ شخص جو خدا سے غافل ہوتا ہے اس کا ذہن اللہ سے سکون اور طمانیت پا رہا

ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتا ہے تو قرآن حکیم میں اللہ میاں نے کہا "و من یعش عن ذکر الرحمن نقض له شیطانا فهو له قرین" (الزخرف: آیت ۳۶) کہ جب وہ رحمٰن کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو ہم اس پہ ایک شیطان کو غلبہ دے دیتے ہیں جو اس کے قریب رہتا ہے اور اسے اپنے ساتھ دوڑائے رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی شہوات اور خواہشات کے غلبے میں ایسی فاش غلطیاں کرتا ہے جو اسے بڑے بڑے نقصانات کی طرف لے جاتی ہیں۔ جیسے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "بخیل ساری عمر پیسہ روکتا ہے، بچتیں کرتا ہے مگر عمر آخر میں اس سے کوئی ایسی بڑی غلطی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے مال سے محروم کر دیا جاتا ہے" لہٰذا یہاں وہ مسلمان مراد ہے جس نے سب کچھ اللہ کے فضل، کرم اور اس کی عطا کردہ نعمتوں سے حاصل کیا مگر وہ اللہ کا شکرگزار ہونے کے بجائے اللہ سے روگردانی کر گیا۔ پھر خدا کا اس پہ زیادہ حق بنتا ہے کہ اسے ان نعمتوں اور فراخیوں سے محروم کر دے۔

اسلامی ثقافت کے فروغ کی اساسی ضرورتیں!

سوال: اسلامی ثقافت کے فروغ کے سلسلے میں انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر کن اقدامات کی ضرورت ہے؟

جواب: میں آپ کو اس سوال کا جواب دے دیتا ہوں۔ آپ نے کہا اسلامی ثقافت کے فروغ کے سلسلے میں کن اقدامات کی ضرورت ہے۔ دراصل اقدامات کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ Basically پوری قوم کو اپنی اپروچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم کسی قسم کا تاثر یورپی اقوام پر نہیں چھوڑتے۔ ہم میں سے جو بہترین اور بڑا پڑھا لکھا ہوتا ہے۔ اس کا تشخص بحیثیت ایک مسلمان نہیں ابھرتا۔ بلکہ بحیثیت ایک Intelligent ینگ آدمی ابھرتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ وہ اسلام کو Present کر رہا ہوتا ہے۔ For Example یورپ میں جا کر ہمیں اپنی Values چینج کرنی پڑتی ہیں مگر ویلیوز کی تبدیلی کے ساتھ ہماری شخصیت کوئی ایسا تاثر پیش نہیں کرتی جس سے ان کو احساس ہو کہ ہم Honest، کلین اور باکردار ہیں۔ اور ساتھ ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں۔ میں ایک چھوٹی سی مثال آپ کو دیتا ہوں کہ نہایت بڑی اچھی لیڈی ڈاکٹر نے مجھ سے امریکہ میں ایک Question پوچھا کہ اللہ نے پردے کا کتنا حکم دیا ہے تو میں نے کہا خاتون آپ مت پوچھو۔ اس نے کہا۔ نہیں نہیں یہاں میرا معاشرہ بڑا اچھا ہے۔ لوگ مجھے جانتے ہیں۔ کوئی میری طرف دیکھتا بھی نہیں۔

She was about 40 years old.

اس نے کہا کہ اگر وہ یہاں سر پہ پردہ نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔ تو میں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے نہ کرو مگر پوچھو نہیں۔ کیونکہ جب تم یہ پوچھو گی کہ خدا کیا چاہتا ہے اور پھر اگر تم اس پر عمل نہیں کرو گی تو تم پر Ignorance نہیں رہے گی، علم ہو جانے کے بعد اگر تم عمل نہیں کرو گی تو پھر تم پر ذمہ داری اور طرح کی ہو گی مگر میں نے اسے ایک بات کہی کہ یہ ٹھیک ہے کہ تم شریف عورت ہو، یہ ٹھیک ہے کہ تمہارے اردگرد شریف لوگ بستے ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ یہ کمیونٹی تم پر کسی قسم کا دباؤ نہیں رکھتی۔ تم محفوظ ہو لیکن اگر میں دور سے تمہیں اور چند دوسری عورتوں کو دیکھ رہا ہوں گا تو

میں کبھی بھی یقین نہیں کرسکتا کہ تم مسلمان عورت ہو کیونکہ شکل وشباہت اور رنگ ورخسار سے یہ پتا نہیں لگے گا کہ تم مسلمان ہو۔ البتہ اگر وہ Necessary Precautions تم نے لی ہوں جنہیں قرآن حکیم نے وضاحت سے لکھا ہے تو یقیناً تمہاری ایک مخصوص شناخت اور منفرد پہچان ہوگی اور تم ظاہری اعتبار سے ایک مسلمان عورت کو Represent کروگی۔

گلوبل ویلیج میں انسان شتر بے مہار کیوں؟

سوال: سر! آپ نے اپنے لیکچر میں تقلید کی ممانعت کی طرف اشارہ فرمایا کہ اب گلوبل ویلج کے اندر کسی ایک مکتبہ فکر میں اپنے آپ کو پابند نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے حالات میں جبکہ اکثر لوگ کما حقہ اسلامی علوم سے آگاہ نہیں ہیں۔ تو ان کو بے مہار کس طرح چھوڑا جاسکتا ہے؟

جواب: حضرات گرامی! ایک تو یہ سوال ماشاء اللہ تعالیٰ العزیز خود ہی بہت بڑا جواب لگتا ہے۔ جی ہاں! یہ دیکھیے آپ نے صرف ایک جملہ سوال میں لکھا ہے کہ اپنی پسند کا مسئلہ مل جائے تو لے لے اور اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے تو کیا بگاڑ پیدا نہ ہوگا مگر سوال یہ ہے کہ یہ جو چار آئمہ ہیں۔ انہوں نے جو ہمیں مسائل کے حل دیے ہیں۔ یہ قرآن وحدیث کے ریفرنس سے دیے ہیں۔ اب میں ایک مسئلے پہ تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ Basically مجھے امام اعظم بہت پسند ہیں۔ وائیڈر Intellect ہے۔ بہت اعلیٰ ذہین ہیں۔ بڑی فراست ہے۔ مسائل کا ادراک بہت اچھا ہے اور ماشاء اللہ وتعالیٰ آج کے زمانے میں بھی جدید ترین مفکر لگتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے طلاق کے مسئلے کو فائنل قرار دیا۔ تین طلاق کے مسئلے کو فائنل قرار دیا۔ حنفی ہونے کے باوجود میں ان سے اتفاق نہیں کرسکتا، کیوں نہیں کرسکتا اس لیے کہ لوگوں کے پاس مسائل کا علم نہیں ہے۔ عائلی زندگیاں پہلے ہی بہت برباد ہوچکی ہیں۔ اب ہمارے پاس ان کو کسی بھی قسم کی رعایت دینے کی گنجائش ہو اور رعایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ وہ ایک حدیث جو بہت عجیب فقہی مسئلہ پیدا کرتی ہے۔ ابن صحبہ ابن عباس کے پاس گئے اور ایک سوال پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ پھر ابن صحبہ نے پوچھا کیا سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ پھر فرمایا کیا سیدنا عمر بن خطابؓ کے زمانے میں، تین طلاق ایک نہ سمجھی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں ایسا ہی تھا۔ لیکن جب لوگ کثرت سے طلاق دینا شروع ہوگئے۔ تو عمر بن خطابؓ نے تین طلاقوں کو آخری قرار دے دیا۔ اب یہ پورے مسئلے پہ اپروچ ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس وقت اس مسئلے کو اٹھایا، جب فوجیں ممالک مہروسہ میں کثرت سے داخل ہورہی تھیں، اور کثرت سے لونڈیاں مسلمانوں کے ممالک میں آرہی تھیں۔ اس وقت سیکس لائف جو عربوں کا بہت بڑا Obsession تھا اور لوگ بات بات پہ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے۔ اور جب ادھر سے کچھ خواہشات پوری ہوجاتیں تو پھر اپنی بیویوں سے مصالحت کے لیے پلٹتے تھے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے جب یہ معاملات دیکھے تو کہا میں اس طرح تمہیں نہیں کرنے دوں گا۔ اس طرح تم نے طلاق کو مذاق بنالیا اور تین طلاقوں کو انہوں ں نے فائنل قرار دیا۔ حضرت ابوحنیفہ کے زمانے میں Exactly یہی Socio Condition جاری تھیں اس لیے جب ان تک مسئلہ آیا تو انہوں نے بھی اسی کو فائنل قرار دیا مگر جب آج کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں تو

اتنا Religious شعور کسی مسلمان میں باقی نہیں ہے کہ وہ اپنی کیفیت کا فوری Analysis کر سکے۔ اس کے پاس یہ بھی علم نہیں ہے کہ اگر میں تین مرتبہ کہہ دوں تو کیا ہوتا ہے۔ اب باقی تین آئمہ جو ہیں وہ حسبِ دستور Opinion دیتے ہیں کہ ایک وقت میں کہی گئی کتنی بھی طلاق ہوں ایک سمجھی جائے گی۔ اب آپ فرض کیجیے آپ اہلسنّت والجماعت ہیں اور جب بھی آپ بات کرتے ہیں کہ جی ہمارے چار آئمہ ہیں مگر Prejudice کا یہ عالم ہے کہ آپ اس سلسلے میں کبھی دوسری گنجائش قبول نہیں کرتے تو میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو جو رعایت ملے گی، وہ بھی مذہب سے ملے گی۔ میری خواہش سے نہیں ملے گی۔ آپ نے یہاں جملہ لکھا ہے کہ جہاں اپنی پسند کا مسئلہ مل جائے، وہ اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے گا۔ یقیناً اگر مجھے میرے ہی کسی مذہبی شعور سے ایک ایسا حل مل جائے جس میں، میں انتہائی پیچیدگی میں Involved ہوں تو یقیناً میں ایسا ہی کروں گا۔ اب ذرا ایک اور مسئلے کو دیکھیے چونکہ یہ بہت Important بات ہے جو انہوں نے پوچھی ہے۔ اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں کہ کتاب الہدیہ نکاح پہ کھلتی ہے اور پہلا اس کا جملہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز ہے۔ یہ کتاب الہدیہ کا پہلا Sentence باب نکاح کا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح جائز ہے۔ اب ہم دوسرے اساتذہ کی آراء دیکھتے ہیں۔ ابن کثیر نے Statement دی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح زنا ہے۔ جب آپ یہاں دیکھتے ہیں تو آپ کا دل کہتا ہے کہ ابوحنیفہ صحیح کہتے ہیں، اس لیے کہ جوں جوں معیشت اور معاشرت آگے بڑھ رہی ہے، لڑکوں کی ایجوکیشن کم ہو رہی ہے۔ لڑکیاں بے حد خلوص سے محنت کر رہی ہیں۔ پڑھ رہی ہیں، پی ایچ ڈی کر رہی ہیں، ایم اے کر رہی ہیں۔ اب ان کے ولی ایک ایم اے پاس لڑکی کو یا گلی ڈنڈا کھیلنے والے ایک لڑکے یا مزدور کے ساتھ بیاہ دینا چاہتے ہیں۔ لڑکی روایت سے مجبور ہے۔ جبراً قہراً وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ اپنے خیال میں ایک معقول آدمی کو چنتی ہے جو اس سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس کی ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ آدمی بھی تیار ہے۔ یہاں ولی نہیں مانتے، وہاں وہ نہیں مانتی۔ گویا ایسی صورت میں تمام تر Choices اللہ نے لڑکی کو دے دی ہیں۔ ابوحنیفہ نے استنباط کیا کہ خدا کہیں بھی اپنی کتاب حکیم میں اولیاء کو خطاب نہیں کرتا۔ بلکہ جہاں بھی بات کرتا ہے ڈائریکٹ عورت سے کرتا ہے۔ یہاں ہمیں ابوحنیفہ اس دور کے مسائل کے لحاظ سے بہترین لگتے ہیں۔ آج کے دور کے مسائل کا حل یہی لگتا ہے کہ اگر ایک خاتون اور ایک مرد Sensible ہوں۔ ایک Age کا تعین ہو، ایک دوسرے کے لیے مددگار رہوں۔ لہٰذا اگر وہ چاہیں تو اپنے انتخابات کی حمایت میں ان انتخابات کو روک سکتے ہیں جو زبردستی ان پہ ٹھونسے جاتے ہیں۔ مگر ان کے حل کے لیے قرآن فیصل ہے۔ تمام فقہ قرآن کی اس ایک آیت کی تفسیر ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ "طه ما انزلنا علیک القرآن لتشقی" (سورۃ طٰہٰ: آیت ۱) کہ "ہم نے قرآن کو مشقت کے لیے نہیں اتارا" اب جو فقیہہ قرآنی Senses کو شعوری طور پر انسانوں کے لیے سہل بنائے گا، وہ بڑا فقیہہ ہے۔ اس زمانے میں ابوحنیفہ کی مقبولیت کا ایک راز یہ تھا کہ انہوں نے قرآن کو لوگوں کے لیے سہل بنایا۔ اس کی مثال سن لیجیے۔ ایک آدمی سیڑھی پہ چڑھا ہوا تھا۔ نیچے اس کی بیوی کھڑی تھی۔ اس کو طیش آ گیا۔ مردوں کے طیش کا کیا کہنا۔ اس نے کہا کہ اگر میں سیڑھی سے ایک قدم نیچے آؤں تو تجھے طلاق ہو۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد اسے یہ خیال آیا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے۔

اب وہ سیڑھی پہ لٹکے ہوئے ہیں۔ بیوی نیچے غُل مچا رہی ہے۔ یا اللہ یہ کیا کیا اس نے۔ اب نیچے اترتا ہے تو

طلاق ہے اور اوپر وہ جا نہیں سکتا، کہاں تک جائے گا۔ ابو سفیان ثوری کے پاس یہ مسئلہ چلا گیا۔ آپ آئے، دیکھا، کہا، طلاق مطلق ہو گئی۔ کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ طلاق بچ سکے۔ لوگ پھر بھاگے بھاگے ابو حنیفہ کے پاس گئے۔ انہوں نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ اس سیڑھی سے نیچے اترے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو۔ انہوں ں نے کہا اچھا ایسا کرو کہ ایک سیڑھی اور لے آؤ، وہ اس سیڑھی کے برابر میں رکھو اور اس سے کہو کہ اس سیڑھی سے بالکل سیدھا دوسری سیڑھی پہ آ کے نیچے اتر آئے۔ اس طرح Condition ختم ہو گئی۔ یہ عیاری نہیں ہے۔ آپ کے نزدیک شاید یہ عیاری ہو اور ایک Rigid مولوی بھی کہے گا کہ ادھر سے یا اُدھر سے آؤ، طلاق ہو گئی ہے۔ مگر ابو حنیفہ نے معاملے کو بچا لیا۔ کیوں بچا لیا کہیں ایسا تو نہیں قرآن ان باتوں کو ہوا دیتا ہے۔ آیئے دیکھیے قرآن کیا کہتا ہے۔ ایوب نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو سو دُروں سے مارے گا لیکن بعد میں افسوس ہوا کہ اس دنیا میں اگر کسی نے میری خدمت کی ہے، مجھ سے محبت کی ہے تو وہ میری بیوی ہے۔ اور قسم بھی پوری کرنی ہے تو اللہ نے کہا، ایوب ایسا کر کہ سو تنکے لے اور ان کو ایک جگہ باندھ اور آہستہ سے ایک دفعہ بیوی کو مار لے قسم پوری ہو جائے گی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ پوری ہو جائے گی۔ ماشاء اللہ، اللہ نے جب اپنی پسند کا مسئلہ ٹھیک کرنا چاہا تو کتنی آسانی سے کر دیا۔ اصل میں بات یہ ہے کہ قانون انسان کی فلاح، بہتری اور نرمی کے لیے ہوتا ہے۔ رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ غلط سمجھتے ہیں کہ قانون سزا کے لیے ہے۔ قانون آپ کو سیف ایریا سے ڈینجرس ایریا کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ و ثواب اللہ پر اثر رکھتے ہیں تو قطعاً نہیں رکھتے۔ آپ بار بار قرآن پڑھ جائیں آپ اللہ کو دیکھیے تا کہ تمہاری نیکیوں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں بھئی ہم سوچتے ہیں۔ یا اللہ میری نیکی کا تجھ پہ کوئی اثر نہیں تو پھر میں جھک مار رہا ہوں ہر کسی کو خوش کر رہا ہوں۔ کہتا ہے تمہاری نیکی تمہارے لیے تمہاری برائی تمہارے لیے ہے۔ تو پھر اللہ نے ہم سے کیا لینا ہے۔ کیا آپ کو عجیب نہیں لگتا کہ میری نیکی میرے لیے، میری برائی میرے لیے تو پھر اللہ نے تخلیق انسان سے کیا مقصد حاصل کرنا ہے۔ درحقیقت وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ گناہ و ثواب Effects ہیں۔ میں نے تمہیں ایک ایریا دے دیا جسے آپ ثواب کہتے ہیں یہ Safe Area ہے۔ اس سیف ایریا کے باہر بتیاں لگی ہوئی ہیں۔ اپی تاف لگے ہوئے ہیں۔ ادھر لگا ہوا ہے زنا، اُدھر چوری کہ دیکھو بھائیو! اگر اس ایریا سے باہر نکلو گے تو خطرات میں چلے جاؤ گے۔ تم اس بھیڑ کی طرح ہو جو روڈ کے کنارے چلتی ہے اور شیطان کسی وقت اسے اچک کے لے جائے گا۔ یہ ایریا Safe ہے اور اگر خدانخواستہ اس Safe Area سے تم نکل کر گناہ اور خطرے کے ایریا میں چلے جاؤ تو ایک بڑی پرانی اساطیر الاولین میں Prometheus کی میتھ ہے، Sphinx کی میتھ، Labyrinth کی میتھ ہے کہ جوان بھول بھلیوں میں داخل ہوا، کھو گیا کیوں کہ وہ واپس نہیں آ سکتا تھا۔ ہیرو جب جانے لگتا ہے تو چھوٹی سی لڑکی اسے کہتی ہے کہ یہ دھاگہ ساتھ لے جاؤ اور اس دھاگے کو شروع میں کہیں باندھ جانا۔ جب تم دیکھو کہ رستہ بھول گئے ہو تو دھاگا لپیٹنا شروع کر دینا۔ تمہیں راستہ ملتا رہے گا اور بالآخر تم Labyrinth سے باہر آ جاؤ گے آخر کار ایسے ہی ہوا کہ وہ بخیر و عافیت Maze سے باہر آ گیا۔ خداوند کریم بھی یہی کہتا ہے کہ بھئی اگر تم سیف ایریا سے باہر نکل کر گناہوں کے ایریا میں چلے گئے ہو تو توبہ اور عنایت کا دھاگا ساتھ رکھنا تا کہ تم خطرے سے نجات حاصل کر سکو۔ جیسے اقبال نے مسلمانوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وہ فضول قوم ہے کہ جب یہ جوان

ہوتی ہے تو بہت دور نکل جاتی ہے۔ بڑے بڑے سٹنٹ کرتی ہے، بڑی بڑی بغاوتیں ریکارڈ کرتی ہے۔ ابا کے خلاف، اماں کے خلاف، اللہ کے خلاف، حکومت کے خلاف، کوئی جرأت رندانہ میں پڑا ہوا ہے۔ ہر کوئی کسی نہ کسی مصروف ہے لیکن جب شام پڑتی ہے اور خوف کے سائے لمبے ہوئے، حزن وملال گھرے ہوئے، ہستیاں چالاکیاں دور رفتہ کی یادگار ہوئیں۔ اب حضرت نے پلٹنا چاہا تو اقبال اس کی مثال دیتا ہے کہ

چوآں مرغے کہ درصحرا سر شام
کشائید پر بہ فکر آشیانہ

کہ اس پرندے کی طرح جو صحراؤں میں بہت دور نکل جاتا ہے لیکن جب شام ہوتی ہے تو پھر وہ اپنے گھونسلے کی فکر کرتا ہے۔ اس طرح مسلمان کا عالم ہے کہ زور جبر میں بہت دور نکل جاتا ہے۔ کبھی Dogmatic بنتا ہے کبھی Skeptic بنا ہوا ہے کبھی سوشلسٹ کیمونسٹ بنا ہوا ہے مگر جب شام پڑتی ہے اور عذاب وثواب کے سایے لہرانے شروع ہوتے ہیں پھر اللہ کی اور گنبد خضریٰ کی یاد آتی ہے۔ پھر اللہ کا خوف آنا شروع ہوتا ہے۔ پھر مصلیٰ اور لوٹا ہاتھ میں آجاتا ہے۔ اگرچہ کافی وقت گزر گیا ہوتا ہے۔

خواتین وحضرات! میں قطعاً یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنی خواہشات سے مسائل کو حل کریں۔ میں کہتا ہوں کہ ان آئمہ اور فقہا نے جنہوں نے بڑے غوروحوض کے بعد They were specialists in the law of Islam اگر انہوں نے آپ کے لیے کچھ گنجائش پیدا کی ہیں تو آج کے دور کی معیشت اور معاشرت آج کی تعداد یہ تقاضا کرتی ہے کہ جہاں سے بھی ہمیں آسانی سے ملے، ہم اللہ کے شکر کے طور پر قبول کریں۔ اب ایک شخص ہے جو سفر میں پوری نماز پڑھتا ہے۔ اور ایک شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور کسر پڑھتا ہے، آپ کا کیا خیال ہے اللہ شکر کرنے والے کو قبول کرے گا یا اس متکبر کو قبول کرے گا جو اللہ ہی سے رعایت نہیں لیتا۔ یہ سوچنا پڑتا ہے۔

دور جدید میں اسلامی کلچر کا مسخ شدہ چہرہ!

سوال: آپ نے دور جدید میں اسلامی کلچر کے نہ ہونے کی بہت سی وجوہات بیان کی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ Prevailing System کا قصور ہے۔ اگر ایسا ہے تو اسلامی کلچر کے اس سسٹم کو صحیح کرنے کے لیے نقطہ آغاز کیا ہوگا؟

جواب: یہ بھی سوال اچھا ہے۔ میرے اپنے خیال میں سب سے مظلوم فلسفہ جو دور حاضر میں جا رہا ہے، وہ اسلام ہے اور اس کی Main وجہ یہ ہے کہ تمام سسٹم پورے پورے وارد ہوتے ہیں۔ صرف اسلام ایک ایسا سسٹم ہے جو ہمیشہ بائی پارٹس آتا ہے۔ ایک ایک کر کے۔ اب آپ دیکھیے سوشلزم، کیمونزم پورا پورا آیا۔ سیکولرازم پورا پورا آیا مگر اسلام کی Tragedy یہ ہے کہ ایک اصول لیا اس کو آپ نے قانون بنا لیا۔ اب وہ قانون جو ہے، وہ متحارب قوانین کے جھگھٹے میں ہے۔ جیسے کوئی شیر جو افریقین بدنسل کتوں کے چنگل میں آ گیا تو وہ شیر کو بھی چیر پھاڑ دیتے ہیں۔ ایک اسلامی قانون جو ہے ایک Hundred of secular laws میں چلا جاتا ہے اور پھر ہمیں کہا جاتا ہے کہ دیکھو ہم نے اسلام نافذ کیا

تھا، کامیاب نہیں ہوا۔ دوسری طرف اگر آپ دیکھیے تو اسلامی قوانین کے نافذ کرنے والے اور اس کو آگے بڑھانے والے ہیں۔ وہ اتنے Rigid ہیں کہ سیکولرازم ان کے خلاف بڑی نفاست سے پراپیگنڈہ کرتا چلا جاتا ہے کہ اگر ان مسلمانوں نے آنا ہے تو ہم ان سے بہتر نہیں ہیں اگر ان لوگوں نے آپ کو اسلام دینا ہے تو ہم اس سے بہتر نہیں دے سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسلام اس بدنصیب مسلک کی طرح ہے جس کو کسی زمانے میں کوئی Proper Justified Atmosphere نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے سختی ممانعت کی ہے۔ فرمایا ”یایھاالذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ“ (البقرۃ:۲۰۸) کہ اے لوگو اگر اسلام میں داخل ہونا ہے تو پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ By Parts اسلام نہ لاؤ۔ By Parts دنیا کا کوئی سسٹم نہیں چل سکتا۔ فی سلم کافۃ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک سسٹم ہے اس میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ جب آپ Religion کو جائیں گے تو تمام Anti religion systems شیطان کے ہوں گے۔ یہ آیت نشاندہی کر رہی ہے کہ جب آپ اسلام کو جائیں گے تو تمام Anti Islamic Systems شیطانی ہیں۔ سیکولرازم ہو یا ڈیموکریسی ہو، کوئی چیز بھی ہو، وہ شیطانی سسٹم ہے۔ مگر کیسے؟ وہ اس لیے شیطانی سسٹم ہے کہ ایک تو اپنی افادیت کو ثابت کر رہے ہیں اور دوسرے آپ کے Singular Law کو Failure ثابت کر رہے ہیں۔ یہ اللہ کے قانون کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اسلام ایک اعلیٰ ترین ویلیو کی حیثیت کا Religion ہے۔ آپ اسے لائیے، اسے Exercise کیجیے۔ اس کے بعد اگر وہ فیل ہو جائے تو اسے Forever ترک کر دو۔ میں آپ کو بتاؤں، اسلام کے حوالے سے مجرم کے ہاتھ کاٹنے پہ بڑا اعتراض ہے۔ سزاؤں کے متعلق بہت شور ہے لیکن یورپ میں مجرموں کی اصلاح کے لیے جیلوں کے اندر Psychiatric House بنا دیتے ہیں۔ اصلاح ہو رہی ہے۔ جواز مہیا کیے جا رہے ہیں۔

پچیس سال کے بعد موت کی سزا معطل کر دی گئی ہے۔ جسے مفکرین نے ظالمانہ اقدام قرار دیا تھا اور بدقسمتی سے کہا جاتا ہے کہ یہ اسلامی سزائیں ظالمانہ ہیں۔ انسان کو کہا گیا ہے، سوچو، غور کرو اور اپنی اصلاح کرو اپنے اعمال کو درست کرو۔ انہوں نے سسٹم دیے لیکن پچیس سال کے بعد Ultimately نیویارک کے کونسل آف میئرز نے دوبارہ موت کی سزا نافذ کر دی۔ وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انہوں نے اس عرصے میں جتنے بھی سسٹم موت کی سزا کے خلاف کیے تھے یا جتنے بھی Humantarian Concepts، متعارف کرائے تھے وہ ورک نہیں کرتے۔ قتل و غارت بڑھ گئی۔ ظلم و ستم بڑھ گیا اور اس معاشرے میں ظلم و ستم چوری چکاری اور ظلم اتنا ہے کہ جب میں سڑک پہ جا رہا ہوتا تھا تو ہر کوئی پیچھے دیکھ رہا ہوتا تھا۔ مجھے بھی پیچھے دیکھنے کی عادت پڑ گئی۔ پھر میں نے اس کا Analysis کیا کہ باقی بھی پیچھے دیکھ رہے ہیں۔ میں نے سوچا باقی کیوں پیچھے دیکھ رہے ہیں تو پتا لگا ہر وقت ہر کسی کو چھری چاقو کا ڈر ہے یعنی اس معاشرے میں اس قدر خوف ہے کہ سڑک پر خوف اور وحشت کے بغیر چلنا دشوار ہے۔

They had no other option, so they introduced the death penalty again.

ہم یورپ کے دانشوروں کو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ آپ ایک Human Attitude رکھتے ہو۔ ہمیں بتاؤ کہ تم نے Capital Punishment کے خلاف کیا کیا۔ کیا دریافت کیا اور کیا حل نکالا؟ جب تم نے خود ہی اپنے نافذ کردہ قوانین سے اپنے معاشرے کے جرائم پر قابو نہ پایا۔ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا Crime Rate نیویارک میں

ہے۔ اتنی بڑی سیکولر ڈیموکریسی، اتنا ہیومینٹیرین Attitude کہ ایک چوہے کو بھوکا مرنے نہیں دیتے لیکن ان کے ہاں دنیا بھر کا سب سے زیادہ کرائم ریٹ ہے۔ اتنے زیادہ کرائم ریٹ کے باوجود ہیومینٹیرین! چونکہ اس معاشرے میں ایک مکمل سسٹم ہے اس لیے کہیں نہ کہیں اس سسٹم کی خوبیاں بھی موجود ہیں اور اس کی خوبیاں اس کی برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ آپ نے قرآن نہیں پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جب کوئی برا کام کرو تو ساتھ اچھا کام کرو۔ تیری اچھائی تیری برائی کو سمیٹ لے گی تو ان کے سسٹم میں انصاف، برداشت اور برابری ایسی خوبیاں ہیں جو بڑے سے بڑے کرائم کو کھا جاتی ہیں۔ آپ اسلام کا ایک قانون لاتے ہیں لیکن باقی اردگرد کے Supportive Laws اسے ناکام کر دیتے ہیں۔ وہ ایک یتیم کی طرح بے چارگی میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ پھر خود ہی اسلامی قانون کہتا ہے کہ میں ناکام ہوا۔ میری جان چھوڑ دو اور میری جگہ کوئی سیکولر قانون لے آؤ۔ This is the reason of the fault.

رسالت اور علمیت

خواتین وحضرات! فیصل آباد متعدد بار آنا ہوا اور یہاں آنا میرے لیے بہت آسان ہوتا ہے، ادھر کسی نے بلایا اور میں حاضر ہو گیا۔ بعض اوقات لگتا ہے کہ شاید میں یہاں آنے کا انتظار کر رہا ہوتا ہوں۔ یہ صورت حال کسی اور شہر میں واقع نہیں ہوئی تھی اور ہمیشہ لوگوں کو یہ گلہ رہتا ہے کہ بار بار بلانے کے باوجود ہم انہیں ٹال دیتے ہیں۔ Exactly۔ آپ یقین جانئے کہ مجھے اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مجھے میرے اور فیصل آباد کے درمیان زمان و مکان کا کوئی بُعد کیوں نہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں آپ نے ایک بار پھر مجھے دعوت دی اور آپ کی مہمان نوازی کا مجھے شرف حاصل ہوا۔ سنانا، کھلانے کے برابر ہے اور سننا مہمان ہونے کے برابر ہے اور آپ جس ہمت سے مجھے سنیں گے اس کی داد میں پہلے سے آپ کو دے دیتا ہوں۔

خواتین وحضرات! آسمانوں اور زمینوں میں بہت بڑا بنیادی فرق ہے۔ آسمانوں پہ ترقی اور تنزل کے مدارج اور ہیں۔ زمین پہ ترقی اور تنزل کے مدارج اور ہیں۔ آسمانوں پر عزت، افتخار، ترقی، عظمت اور محبوبیت علمیت سے ہے۔ زمین پر اقتدار سیاست سے ہے۔ یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جو زمین و آسمان کے مابین ہے۔ اگر زمین پر چلیں تو ہلاکو ممتاز و منفرد ہیں لیکن آسمانوں پر ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ آسمانوں پر جبرائیل و میکائیل جیسے لوگ منفرد و ممتاز ہیں۔ پروردگار عالم نے فرمایا کہ ان کے نزدیک اقدار میں سب سے بڑی قدر، عزتوں میں سب سے بڑی عزت اور فضیلتوں میں سب سے بڑی فضیلت علم ہے ”نرفع درجات من تشآء و فوق کل ذی علم علیم“ (یوسف: آیت ۷۶) ہم زمین و آسمان میں درجات علم مقرر کرتے ہیں اور جس کے درجات چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔

خواتین وحضرات! زمین پر حکومتیں اور اقتدار Services کا انتخاب کرتا ہے اور آسمان پر ان منازل کا انتخاب اللہ کرتا ہے۔ زمین پر اگر Civil Services ہیں اور ان کے چناؤ کے معیار سٹیٹ سے وفاداری ہے، مخلوق کے کاموں کو سرانجام دینا ہے، ذہانت اور موقع شناسی ہے تو آسمانوں پر Selection کا سب سے بڑا اصول علمیت ہے۔

”لماتقولون مالا تفعلون“ (الصف: آیت ۲۰) کہ جب کسی بڑے استاد یا کسی پیغمبر کریم یا اللہ کے کسی ایسے بندے کو چنا جاتا ہے جس کا منصب تعلیم دینا، تلقین کرنا اور پیام پہنچانا ہے یا رسالت عطا کی جاتی ہے تو اس کے لیے جو شرط رکھی جاتی ہے وہ اس کے کردار اور علم میں ہم آہنگی اور توازن ہوتا ہے۔ کسی پیغمبر میں قول و فعل و فکر کا تضاد نہیں ہوتا۔ یہی وہ کمال یا تخصیص اور ہم آہنگی ہے جو ہمیشہ کسی بھی پیغمبر کو دوسرے انسانوں سے ممتاز اور منفرد کرتی ہے۔ خواتین و حضرات! زمین پر ہر پیغمبر اپنے معاشرے کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ بہت سارے لوگ

پیغمبروں کی ذہانتوں کے قائل ہونے کی بجائے ان کے معجزات اور رسالت کے قائل ہوتے ہیں۔

خواتین وحضرات! پیمانہ بقدر رسالت ضرور ہے مگر اصل پیمانہ جس کی وجہ سے پیغمبر چنا جاتا ہے، خلاقیت کا حامل ایک ایسا ذہن ہوتا ہے جو ہر چیز سے پہلے اپنی ترجیحات فکر کا تعین کرتا ہے، وہ ایک ایسا عالم اور دانشور ہوتا ہے جو اگر پیغمبر نہ بھی ہوتو اپنے معاشرے کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔

خواتین وحضرات! ایک فرد کو کیا ضروت پڑی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے رسم ورواج کے خلاف بغاوت کرے، اس شخص کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اتنا بڑا خطرہ مول لے۔ وہ اپنی زندگی کو کیوں ایک ایسے سانچے میں ڈھال دے جس سے اسے معاشرے کی دشمنی کا سامنا ہو۔ جس سے مخالفتوں کے دروازے کھل جاتے ہوں۔ جس سے اسے طعن وتشنیع کے زہر آلود تیر سہنا پڑتے ہوں، جس سے اس کی زندگی اک مسلسل اذیت بن جاتی ہو، جس سے اس کے لیے درو دیوار سے پتھر برستے ہوں اور جس سے اسے راستے میں بکھرے نفرت کے کانٹوں پر مسلسل گھسیٹا جائے۔ اس شخص کو اتنا بڑا Claim کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس شخص کو ایسی انفرادیت قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے جس کے نتیجے میں اس پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے۔ مگر خواتین وحضرات! ان لوگوں کا شمار ان ذہین وفطین لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں خدا اگر اس زمین پر رسالت سے ممتاز نہ بھی کرے تو یہ وقت سے پہلے اپنے معاشرے کے بہت بڑے نقاد ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے معاشرے کے تمام رسم ورواج کو پرکھا ہوتا ہے۔ ان کی ذہانتوں نے کسی بھی معاشرے کے دجل وفریب کو اچھی طرح جانچا ہوتا ہے۔ اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام نے فراعنہ مصر کے تمرد اور انا کو بہت پہلے سے دیکھا ہوا تھا تو عیسیٰ نے ان Tax Collective یہودیوں کی ایک ایک حرکت کو اپنے ذہن میں رکھا ہوا تھا اور آقائے رسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب معاشرے کے جہل اور اس کی تاریکیوں سے بہت اچھی طرح آگاہ تھے۔

خواتین وحضرات! ہر پیغمبر کا ایک دائرہ عمل ہوتا ہے۔ ”تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض “(البقرۃ ۲:۲۵۳)

ایک پیغمبر شاید ایک شخص کی ہدایت کے لیے آیا۔ ایک پیغمبر شاید کچھ لوگوں کی ہدایت کے لیے آیا۔ کوئی پیغمبر ایک قبیلے اور گروہ کے لیے آیا۔ کوئی پیغمبر ایک قوم کے لیے آیا۔ مگر بلا شک وشبہہ ہر پیغمبر اپنی قوم کا ذہین ترین انسان ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ کی نگاہ انتخاب اس شخص پر پڑتی ہے اور ذہانت انسان کی زندگی میں اعتدال دیتی ہے، ذہانت ہی انسانی زندگی میں ترجیحات کے تعین میں مدد دیتی ہے۔

خواتین وحضرات! اگر پیغمبر ذہین نہ ہوتے اور ان کے اردگرد بڑے بڑے دانشور اور ذہین لوگ نہ ہوتے تو پیغمبر احساس کمتری سے پس جاتے۔ اگر ان کے اذہان غیر معمولی نہ ہوتے اور وہ ذہنی طور پر اپنی مدمقابل طاقتوں کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب نہ دے پاتے تو یقیناً کوئی پیغمبر بھی اپنے معاشرے میں ایک احساس برابری اور وقار سے نہیں پنپ سکتا تھا اس لیے اللہ نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں کے لیے جو سب سے پہلا criteria رکھا، وہ یہی تھا کہ یہ ہر زمانے میں اپنے معاشرے کے ذہین ترین انسان ہوتے ہیں۔

These poeple are the top intellectuals of their own society whatever the time may be, whatever they may be

اور وقت کی بدلتی ہوئی قدروں کے ساتھ جیسے جیسے معاشرے کی ذہانتوں کے معیار بدلتے ہیں ویسے ویسے پیغمبروں کے علم اور منصب کے معیار بھی بدلتے رہتے ہیں۔ مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مختلف ہے۔ خواتین و حضرات! خاتم النبیینؐ تک آ کر یہ انقلاب آیا ہے کہ انؐ کے بعد مزید کسی پیغمبر کا آنا محال تھا۔ یہ ایک ایسی Maturity تھی جو انسان زمانہ حجر سے اپنے ساتھ لیے آ رہا تھا۔ یہ ایسی کم علمی تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ Mature ہو گئی تھی اور انسان جو Chimpanzee کے دماغ سے چلا تھا اس Maturity تک پہنچ گیا تھا کہ اب وہ بخوبی علم کو اپنے اندر سمو سکتا تھا۔ اب اس کو ایک Final Message کی ضرورت تھی۔ اس Final Message کے لیے خواتین و حضرات جس پیغمبر کو چنا گیا تھا اور جس محترم شخص کا انتخاب کیا گیا تھا اس کے بعد پھر کوئی پیغمبری تھی اور نہ کوئی رسالت تھی۔ اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر زمانے کے عظیم دانشور قرار پائے۔ الغرض قدیم و جدید اور شرق و مغرب میں ہر وقت کے لیے ایک عظیم ترین ذہن کا انتخاب ہوا جس کا مقابلہ خواہ وٹ کانسٹائن اور رسل سے ہو، خواہ ہیگل سے ہو یا کسی بھی زمانے کے کسی Politics سے ہو۔ ایک ایسا انسان چنا گیا ہے کہ جس کی ہر قسم کی کوالٹی آنے والی جملہ انسانیت سے بھی بہتر ہو اور وہ پرانی ذہانتوں کا بھی سردار ہو اور مستقبل کی ذہانتوں کا بھی علمبردار ہو اور جس کے ذہن پہ یہ شک نہ ہو سکے کہ اس کی علمیت کیا ہے۔

خواتین و حضرات! کتنے تعجب کی بات ہے جب ایک امتی اپنے پیغمبر کے بارے میں سوال کرتا ہے کہ اس کا علم کتنا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جو ایمان کے ضائع ہونے کا ہے۔ شاید میں اس نقطے کی طرف دوبارہ پلٹوں۔ علم کے دو نشان ہیں۔ علم وہی پائیدار ہے جس میں گہرائی ہو۔ اور گہرائی یہ نہیں کہ ایک سنچری میں وجود پایا اور پھر اگلی سنچری میں بھلا دیا۔ وہ بتانِ وہم و گماں جن پہ لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور ان کو خدائی کے Title بخشے مگر Greek Mythology آگے تو نہیں بڑھی اور وہ خدائے واحد اپنے ماحول اور معاشرے سے آگے نکل گیا۔ اللہ کا یہ وہ تصور ہے جو ہر دور میں ایک نئے رنگ اور ایک نئی تمکنت کے ساتھ زندہ رہا اور ایک غیر معمولی کروفر کے ساتھ مختلف شکلوں میں ہر طرح کے معاشرے میں سفر کرتا رہا یہ ایسا اللہ ہے جو زمانوں میں کبھی انسان سے جدا نہیں ہوا۔ یہ Anthropology کا Converted God نہیں ہے۔ یہ ضرورتِ انسان والا تصورِ خدا ہے۔ یہ تو وہ فعال، مطلق اور قائم اللہ ہے جو زمانے میں ہمیشہ رہا ہے اول رہا، آخر رہا، طوفانِ نوح سے پہلے رہا، طوفانِ نوح کے بعد رہا۔ کیا عجیب بات ہے کہ یہ وہ اللہ ہے جو فقط کشتی کے چند مسافروں کے پاس تھا۔ کیا عجیب بات ہے کہ تمام دنیا غرقاب ہوئی اور وہ چند لوگ جو اللہ کے نام لیوا تھے، جو کشتی نوح میں سلامت تھے جو "بسم اللہ مجرھا و مرسھا ان ربی لغفور رحیم" (ہود: آیت ۴۱) پڑھ رہے تھے اور انہی کے توسط سے شاید کوئی نیا علم الاصنام شروع ہوتا، کوئی نئے دیوی دیوتا شروع ہوتے لیکن انہی لوگوں کے توسط سے خدائے واحد کا تصور پھر شروع ہوا۔

خواتین و حضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی عطا اور کرم کے تحت ایک ایسے عالم بے بدل کی حیثیت سے سامنے آئے کہ جن کی نظیر زمین و آسمان میں کہیں نہیں ملتی ہے۔ آپ سے پہلے دونوں جہانوں میں اتنا ذہین

انسان نہیں گزرا تھا۔ اگرچہ انہوں نے زندگی بھر کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی مگر انہوں نے اپنے بارے میں ایک چھوٹا سا جملہ کہا ہے کہ خدا نے مجھے قلم عطا فرمایا اور تھوڑا سا کلام مگر بے حد معنی عطا فرمائے۔

خواتین وحضرات! اس علم کی گہرائی کہاں جاتی ہے۔ کیا یہ علمی گہرائی Big Bang سے آگے نہیں جاتی۔ یہ اللہ کا عطا کردہ علم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام علمی جہانوں کی مکمل آگہی بخشتا ہے۔ اور یہ عرفان تخلیق کے تمام مراحل سے گزر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ Compton نے بڑی حسرت سے کہا تھا کہ کاش اسے اس ایک لمحہ کا پتا لگ جائے کہ Big Bang سے پہلے کیا تھا تو وہ پوری کائنات کی تفصیل بیان کر سکتا ہے۔ خواتین وحضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تخلیق سے پہلے کا علم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے تھے کہ اللہ نے کب اور کیا بنایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی Guess Work نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن میں یہ بات اللہ نے کہی ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں تھی۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخلیق زماں ومکاں سے پہلے، اشیا کی تخلیق سے پہلے، بحروبر کی تخلیق سے پہلے اور زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے کیا تھا۔

وأخرج الطيالسي واحمد والترمذي وحسنه وابن ماجة وابن جرير و ابن المنذر وابو الشيخ في العظمة وابن مردويه و البيهقي في الاسماء والصفات عن ابى رزين رضى الله عنه قال قلت يا رسول الله اين كان ربنا قبل ان اصحيهما خلقه قال كان في عماء ما تحته هواء وما فوقه هواء و خلق عرشه على الماء قال الترمذي رضى الله عنه العماء اى ليس معه شيء (حوالہ جات: (1) سنن الترمذی رقم الحدیث 3109، (2) مسند احمد رقم الحدیث 16233، (3) مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ج2 ص275)

اللہ میاں اس وقت کیا کر رہے تھے۔ کیا بیکار بیٹھے ہوئے تھے۔ Guess Work کر رہے تھے۔ کیا کر رہے تھے؟ جب زمین وآسمان بھی نہیں تھے، انسان بھی نہیں تھے، آب وہوا بھی نہیں تھی تو اس وقت اللہ کیا کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا اللہ اس وقت دھند میں تھے۔ یعنی اللہ ایسے پانی میں تھا جس میں دھواں گھلا ہو۔ (آیت) ــــــ۔ اس کے اوپر بھی ہوائیں تھیں، اس کے نیچے بھی ہوائیں تھیں۔

انسان نے بڑی ترقی کی He chose the hard way, worked very hard over 3000 years.

تین ہزار سال کی اس تاریخ میں انسان نے اپنی محنت شاقہ کے بعد Big Bang کا سراغ لگایا اور پھر یہ اندازہ لگایا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے کیا تھا تو پتا لگا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے Moisturized Gases تھیں۔ دھواں تھا، پانی ملا ہوا دھواں۔ ما تحته هواء وما فوقه هواء۔ آسمان اور زمین میں ہوا تھی، بادل تھے۔ پھر یہ بادل بکھرے، ٹوٹے، تقسیم ہوئے پھر ان بادلوں نے جڑنا شروع کیا۔ پھر ان بادلوں سے کائناتی وجود تخلیق ہوئے اور اگر آپ غور کیجیے تو ظاہر ہے کہ آقا ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو Physical Sciences کی Termnology تو نہیں پڑھانے آئے تھے۔ مگر اس سادہ سے بیان میں كان في عماء ما تحته هواء وما فوقه هواء کہ سب تخلیقات سے پہلے اللہ ہوا

میں تھا، دھند میں تھا، بادلوں اور بخارات میں تھا اس کے اوپر ہوا تھی اس کے نیچے ہوا تھی۔ پھر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو ہوا، کائنات تو بن گئی۔ اس کے بعد اللہ کہاں تھا۔ فرمایا سب سے پہلے تو اللہ تھے، ظاہر ہے کہ اس اللہ کو میں تمہیں Explain نہیں کرسکتا۔ Obviously ذہن وہ سوال نہیں اٹھا سکتا جس کے لیے اس کے پاس Data نہ ہو، میں Explain کرنا بھی چاہوں تو میں اپنے طالب علموں کو یا اپنے احباب کو وہ سوال Explain نہیں کرسکتا کہ جس کے لیے نہ میرے پاس Data ہے اور نہ ان کے پاس ہے۔ ہر ذہین آدمی کو سر درد صرف اس لیے شروع ہو جاتا ہے کہ وہ سوال جو اٹھاتا ہے اس کا حل اس کے پاس نہیں ہوتا۔ سوال کا بوجھ زیادہ اور ذہن بے چارہ اس قابل نہیں۔ فرمایا سب سے پہلے تو اللہ تھا اور اس کا عرش پانی میں تھا اور ایک کام اللہ کر رہا تھا اس وقت۔ خواتین وحضرات غور کیجیے پانی میں کیوں تھے۔ اگر آپ قرآن شریف دیکھیے تو خداوند کریم فرماتے ہیں، دیکھیے ابھی دو Degrees کی Explanation اللہ نے اس طرح کی "ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنھما" (الانبیاء: آیت ۳۰) پہلے تو سب ایک Mass تھا اور زمین وآسمان کا ایک وجود تھا۔ تمام کائنات ایک وجود تھی۔ پھر ہم نے انہیں جبراً پھاڑ کر جدا کر دیا۔ ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور پھر "وجعلنا من المآءِ کل شیءٍ حی" (الانبیاء: آیت ۳۰) پھر ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ غور فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی بات کو زیادہ بہتر Explain کر دی کہ سب سے پہلے اللہ تھا پھر اس کا عرش پانی پر تھا۔ وہ اپنی بلندیوں سے نیچے آیا۔ اس نے تخلیق کا عمل شروع کیا اور سب سے پہلے زندگی کو پانی سے تخلیق کرنا شروع کیا۔ مگر تخلیق کے علاوہ اس نے ایک اور کام کیا۔ وہ کام بڑا Important تھا کہ جس ہستی کو زمین پر بھیجا جائے، جس حیات کی نشوونما زمین پہ کی جارہی تھی، کیا اس کی زندگی کے اسباب بھی نیچے پہنچائے جا رہے تھے؟ کیا اس زندگی کا بندوبست بھی کیا جا رہا تھا؟ کیا اس کے رزق، اس کے روزگار، اس کے مقامات، اس کے تعین، اس کا رہنا سہنا، اس کی بقا کا بندوبست بھی اللہ میاں کچھ کر رہا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اب سے پچاس ہزار سال پہلے کی مخلوقات کو جب زمین پر بھیجا گیا تو اللہ نے ان کی تمام زندگی کے اسباب اور قوتوں کا ذکر کتاب محفوظ میں لکھا۔ جو آبادی نیچے انہوں نے کرنی تھی۔ خواتین وحضرات! آپ کے لیے لوح محفوظ ایک عجیب لفظ ہوگا اگر غور کیا جائے تو اس دنیا کے ماسٹر پلان کا نام لوحِ محفوظ ہے۔ اس دنیا میں زندگی تخلیق کرنے سے پہلے لوحِ محفوظ تیار ہوئی۔ قیامت تک جن لوگوں نے آنا تھا، ان کا نام لکھا گیا۔ رزق کہاں سے ملنا تھا، ان کا رزق لکھا گیا۔ کس کو کون سے ماں باپ دینے تھے، ان کے نام لکھے گئے۔ زندگی کی ترتیب کیا ہوگی، اس کے حساب لکھے گئے۔ ایک ایک مقام لکھا گیا۔ ایک ایک پیشہ لکھا گیا۔ کس نے کہاں پہنچنا تھا، لکھا گیا۔

خواتین وحضرات! بقول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ اگر یہ Protocol پہلے سے نہ لکھا جاتا تو پھر یہ دنیا ایک Jumble بن جاتی۔ کس نے کس کے گھر پیدا ہونا تھا اگر نہ لکھا جاتا تو آسمانوں سے بچے گرتے۔ کس کے گھر پیدا ہوتے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ انسان اور دوسری مخلوقات کے بچوں میں کتنا فرق ہے۔ باقی مخلوقوں کے بچے تو پیدا ہوتے ہی دوڑنے لگتے ہیں۔ لیکن انسان کا بچہ اس قابل نہیں ہوتا، اس کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے سات سے دس برس چاہئیں۔ کون اس مقدر کا قائل ہے۔ کون کہتا ہے کہ میں مقدر سے الجھتا ہوں۔ کیا اس نے باپ کو دیکھا، ماں کو دیکھا، کیا اس

نے پیدائش کے ماحول کو دیکھا، کیا اگر زمانہ قدیم میں سب کو پیدا ہونے کا اختیار ہوتا تو سب قارون کے گھر نہ پیدا ہوتے اور آج کے لوگ Bill Gates کے گھر نہ پیدا ہوتے۔ یہ اختیار اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔ یہ تو زندگی کا انجام ہے جو اللہ نے کسی کے حوالے نہیں کیا۔ ایک ایک لفظ لکھا گیا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سارا کچھ لکھا ہوا ہے تو ہم کیا کرنے آئے ہیں۔ ہم کیا کریں! فرمایا تمہیں کیا کرنا ہے۔ اللہ نے جس کام تک انسان کو پہنچانا ہوتا ہے، اس کی Motivations، ارادے اور قوت کو اس کام کے لیے مضبوط کر دیتا ہے۔ اور خواتین وحضرات! قرآن میں اللہ نے کہا ”ما من دآبة الا هو اخذ بناصيتها“ (ھود: آیت ۵۶) زمین و آسمان میں ایسا کوئی ذی حیات نہیں ہے، ایسا کوئی زندہ جانور نہیں ہے، ایسا کوئی انسان، پرند چرند اور حیوان نہیں ہے۔ ”ما من دآبة الا هو اخذ بناصيتها“ (ھود: آیت ۵۶) جسے ہم نے اس کے ماتھے سے نہیں تھام رکھا ہے۔ خواتین وحضرات! پہلے تو پتا نہیں تھا کہ ماتھے میں کیا ہوتا ہے۔ آج پتا لگا ہے کہ ماتھے یا Frontal Lobe میں تو بہت پاور ہوتی ہے۔ یہ تو Deciding factor ہے۔ یہ تو ارادے باندھنے اور پروگرام بنانے والا ہے۔ یہ تو بڑا Concealed Lobe جو ماتھے کے پیچھے ہے اور اس پر خدائے کریم کنٹرول Exercise کرتا ہے۔ یہ ریموٹ کنٹرول اس کا ارادہ قوی کرتا ہے۔ اس کا ارادہ توڑ دیتا ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ جو لوگ Psychosis Novices بیمار ہیں، اسی Frontal Lobe کی وجہ سے ہیں۔ اور پرانے زمانے میں ان کی تختی، ارادہ اور تواتر خیال توڑنے کے لیے لوگ انہیں الٹا لٹکا کر مرچوں کی دھونی دیتے تھے۔ آج بجلی کے شاک دیتے ہیں۔ اسی لیے ایک ہی علاج ہے تاکہ اس پہ بقا غالب آئے۔ حسِ بقا غالب آئے اور اس خیال سے ہٹ جائے جس کو شب و روز متواتر سوچتا ہے۔ تمام جنون کا باعث متواتر اس طرح سوچنا ہے کہ ان تسلسلِ خیالات پر آپ کے Frontal Lobe کا قابو نہ رہے۔

خواتین وحضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمی معیارات بہت بلند تھے۔ اگر ان کے علم کی گہرائی اور گیرائی کا ذرا سا اندازہ ہو سکے تو پتا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں کئی علوم کا افتتاح کیا۔ جو بعد میں انیسویں صدی یا بیسویں صدی میں آ کے ترقی پائے۔ ایک بار ابن صیاد کی ماں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ اس کا بچہ جنات کی زد میں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس گئے انہوں نے دیکھا کہ وہ کچھ بڑبڑا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی باتیں سننے کی لیے ذرا اوٹ میں چلے گئے تو اچانک اس کی ماں نے بچے کو یاد کرایا کہ دیکھ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن صیاد کی ماں سے فرمایا اگر تو اسے خبردار نہ کرتی تو میں اس کی باتیں سن کر اس کے مرض کا پتہ لگا لیتا۔

خواتین وحضرات! یہ تحلیل نفسی Psycho Analysis کی ابتدا ہے جس سے کسی مریض کے حالات اور اس کی باتیں سن کر اس کے مرض کا پتا لگا لیتا تھا۔ یہی بعد میں نفسیات بن گئی اور ایک System کی ابتدا کا باعث بنی جہاں مریض اپنے مسیحا کو جا کر اپنی پوری داستاں سناتا ہے اور اس کو ایک Pathetic Outlet ملتا ہے جس سے وہ اپنے معالج کو اپنے ذہن اور مافی الضمیر سے آگاہ کرتا ہے اور پھر اس کا معالج اس پر judgement دیتا ہے کہ اس کو کیا مرض لاحق تھا اور کیا نہیں تھا۔ اس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئندہ زندگی کے تمام مرضوں کے متعلق، قیامت تک کی ہر خبر

اور علم کی شناخت کو ادھورا نہیں چھوڑا ہے۔ میں آپ کو یہاں ایک خوبصورت حدیث ضرور سنانا چاہوں گا۔ جس میں غیر معمولی علمیت ہے۔ فرمایا کہ جب دوزخ میں لوگ ڈالے جائیں گے اور وہ ”ھل من مزید“ (ق: آیت ۳۰) پکارے گی اور اس کا پیٹ نہیں بھرے گا تو پھر خدا اس پر اپنا پاؤں رکھے گا اور دوزخ کہے گی کہ اے بار الٰہی میں عاجز ہو گئی ہوں۔ میرا پیٹ بھر گیا اور دوزخ کی بھوک مٹ جائے گی۔ مگر جنت سیر نہ ہو گی۔ جنت میں بہت جگہ بچے گی۔ لوگ داخل کر دیے جائیں گے پھر بھی جنت میں جگہ بچے گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نئی مخلوق پیدا کرے گا، نئے لوگ پیدا کرے گا، نئے سرے سے انہیں آزمائے گا پھر جنت میں داخل کرے گا۔

خواتین وحضرات! سوچنے کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح فرمایا کہ انہیں نہایت مختصر بات دے کر بھیجا گیا ہے مگر اس کے معنی بہت وسیع اور جامع ہیں۔ اگر اس Statement کو ہم قرآن کی Statement سے جوڑ دیں تو ایک جہانِ معنی کھل جاتا ہے۔

الله الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن (الطلاق: آیت ۱۲)
کہ اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں۔
یتنزل الامر بینهن
ان تمام زمینوں میں ہمارا امر چلتا ہے۔
لتعلموا ان الله علی کل شیء قدیرٌ (الطلاق: آیت ۱۲)
تاکہ تم جان لو کہ اللہ کتنی قدرت والا ہے۔

خواتین وحضرات! سات کائناتیں، سات زمینیں پھر ان سات زمینوں میں بلکہ جب ایک زمین ختم ہو جاتی ہے تو خدا کا کام ختم نہیں ہوتا۔ جنت تو بہت بڑی ہے۔ از حد وسیع وعریض ہے۔ ساتوں کائناتوں کی طوالت سے بھی جنت بڑی ہے۔ جنت تو اتنی بڑی ہے کہ اگر اس میں جملہ کائنات بھی سما جائے تو اس کا ایک عرض پورا کرتا ہے۔ ”وجنة عرضها السموت والارض“ (آل عمران: آیت ۱۳۳) یعنی جنت کی چوڑائی زمین وآسمان کی طوالتوں کے برابر ہے۔ اتنی بسیط کائنات کی ایک مختصر زمین کے کتنے بھی کروڑوں اور اربوں لوگ ہوں تو وہ اس جنت کی وسعتوں کو پر نہیں کر سکتے ہیں۔ پھر دیکھیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ جنت کو کون Explain کرتا ہے حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں ایک گھر سے دوسرے گھر کا فاصلہ زمین وآسمان کے درمیان فاصلے کے برابر ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ جنت میں ایک گھر سے دوسرے گھر کا کم سے کم فاصلہ پانچ سو برس نوری سال کا ہے۔ اور وہاں لوگ براق پر جائیں گے۔

خواتین وحضرات! ایک بات تو ظاہر ہے کہ ہم انسان وجود پرست ہیں اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اذہان پر ناز کرتے ہیں۔ ہم تفاخر کا اظہار کرتے ہیں کہ مخلوقات زمین میں اعلیٰ وارفع ہیں اور ہمارے سوا کوئی بھی محبوب خدا نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے علاوہ اس زمین پر انسانی بستیاں بس سکتی ہیں۔ حالانکہ اللہ کے اعلان کے مطابق اس کائنات بسیط میں ایسی ہی سات بستیاں ہیں لیکن اہل Science کے لیے یہ Option کھلے نہیں تھے۔ اہل

Science کا انکار کرتے تھے۔ Single Universal Order کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر اللہ سچا ہے۔

خواتین و حضرات! سائنس میں اور کتاب اللہ میں ایک فرق ہے۔ کتاب اللہ ایک فیصلہ کن امر کا اجرا کرتی ہے اور سائنس Hard Way سے اسے سیکھنے کو کوشش کرتی ہے۔ جب Sciences اس مقامِ تحقیق تک پہنچ جائیں جو کتاب اللہ میں درج ہے تو پھر اس میں مزید تغیر ممکن نہیں ہوتا۔ فرض کیجیے اللہ نے کہا "وجعلنا من المآء کل شیء حی" (الانبیاء: آیت ۳۰) ہم نے تمام حیات کو پانی سے پیدا کیا۔ یہ Thesis پہلے موجود نہیں تھا۔ اہل یونان اور اہل روما اسے کچھ اور سمجھتے تھے اور دوسرے لوگ کچھ اور بعد ازاں جب Spontaneous Growth کا سلسلہ آیا، خود بخود تخلیق ہونے کے نظریات پیدا ہوئے حتیٰ کہ انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدی تک یہ فیصلہ کن عمل طے ہو گیا اس پہ مزید Research نہیں ہو سکتی۔ یہ فائنل ہو گیا کہ All life is created out of water۔ اب یہ بات اللہ کے کلام کے درجے تک پہنچ گئی "وجعلنا من المآء کل شیء حی" (الانبیاء: آیت ۳۰) یعنی اللہ کی بات تک سائنس پہنچ گئی۔ اب اس Particular Factor میں ترقی نہیں۔ اب یہ ممکن نہیں کہ کوئی سائنسدان اٹھ کر کہے کہ زندگی پانی سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ یہ مرحلہ پورا ہوا مگر ابھی تو قرآنی تحقیق کے بے شمار مراحل پورے نہیں ہوئے۔ ابھی تو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے درجات متعین نہیں ہو سکے۔ تمام سائنس سرزمین و آسمان میں ارتقائے حیات کا سوچتی رہیں، تسخیرِ کائنات کا سوچتی رہی اور اللہ کے ہاں تسخیرِ کائنات کا یہ اصول ٹھہرا کہ تم ارض و سماوات سے نہیں نکل سکتے، اگر جرأت ہے تو یہ کر کے دکھاؤ۔ "ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموت والارض فانفذوا، لا تنفذون الا بسلطان" (الرحمٰن: آیت ۳۳)

خواتین و حضرات! سلطان کیا ہے۔ اگر یہی دعا جو میں نے سب سے پہلے پڑھی کہ "رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق" (الاسراء آیت ۸۰)

اے اللہ سچ میں داخل کر جیسے تو سچوں کو داخل کرتا ہے اور سچ میں سے نکال جیسے تو سچوں کو نکالتا ہے۔ واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا۔ (الاسراء آیت ۸۰) مجھے اپنے وجود سے دلیلِ غالب بنا۔ اگر سلطان نصیر دلیل غالب ہے اور قدر و منزلتِ علوم میں سب سے بڑی منزل ہے۔ خداوندِ کریم کے قول کے مطابق تم سلطان نصیر کے بغیر ارض و سماوات سے آگے نہیں نکل سکتے اور آج تمام سائنسی ارتقائی قوتیں اس بات پر مصر ہیں کہ مریخ سے آگے بڑھنے، دوسرے سیاروں پہ بستیاں بسانے اور کائنات کو فتح کرنے کے لیے Billions of years درکار ہیں۔ مگر خواتین و حضرات ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش ہے کہ کششِ ثقل جس پہ انسان کا انحصار تھا، تیز رفتاری میں باطل ہو جاتی ہے۔ بالائے کائنات General Relativity اور Special Relativity کے نظریات Hold نہیں کرتے۔ Quantum درست ہے Uncertainity آ گئی۔ Uncertainity درست ہے۔ Dimensions تبدیل ہونے شروع ہو گئے۔ Dimensions کا کچھ نہ کچھ حل نکلنے کے بعد ایک خوفناک تبدیلی سامنے آئی ہے کہ کائنات سکڑنے کے مراحل میں نہیں ہے۔ اب یہ Thesis غلط ہو گیا ہے کہ یہ پھیلتی ہوئی کائنات دوبارہ سکڑے گی۔ سکڑتی تو تب اگر Slow ہوتی۔ اگر سیارگان کی رفتار مرکز سے نکلتے ہوئے کم ہوتی تو پھر تو سکڑنے کا امکان تھا مگر یہ خوفناک حقیقت واضح ہوئی کہ سیارے مرکز

سے نکلنے کے بعد آدھے راستے میں سست ہونے کے بجائے اور تیز ہو گئے۔ ”اللہ نور سمٰوات و الارض“ (النور: آیت ۳۵) لگتا تو ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے کہا کہ یہ پھیلاؤ بڑھتے بڑھتے اتنا تیز رفتار ہو جائے گا کہ تمام مادے پھر Energy میں ڈھل جائیں گے Energy پھر نور کی شعاعوں میں ڈھل جائے گی اور زمین و آسمان میں صرف اللہ کا نور رہ جائے گا۔ ”اللہ نور سمٰوات و الارض۔“ (النور: آیت ۳۵) اسی نور کی آرزو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے ہیں اور کس کس چیز میں کرتے ہیں۔ ”اللھم اجعل فی قلبی نوراً و فی بصری نوراً و فی سمعی نوراً و عن یمینی نوراً و عن یساری نوراً و فوقی نوراً و تحتی نوراً و امامی نوراً و خلفی نوراً واجعل لی نوراً“ (بخاری) اے پروردگار عالم میرے دل میں نور عطا فرما۔ میری سماعت میں نور عطا فرما۔ میری بصارت میں نور عطا فرما۔ میرے دائیں نور عطا فرما میرے بائیں نور عطا فرما۔ خداوند کریم سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چیز میں نور طلب کر رہے ہیں۔ یہ نور ایک اعلیٰ ترین ہستی سے ایک Committment کے سوا اور کیا ہے کہ وہ عقل جو انسان کو اعلیٰ ترین عزت اور مناصب تک پہنچاتی ہے اور انبیاء الصلوٰۃ والسلام جب اتنی بڑی گہرائی سے نکلتے ہیں تو سارے معاشرے کو وہ قوانین دیتے ہیں جو رہتی دنیا تک قائم رہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی معاشرے میں کس حد تک جا کر اپنی مثال نہ چھوڑی۔ آج دنیا جانوروں سے بڑے سلوک کے دعوے فرماتی ہے۔ اگر پیچھے جائیں تو قرآن سے پہلے کے تمام معاشروں میں جانوروں سے کہاں اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ آپ کو کس جگہ کی مثال دوں جہاں انسان بے دریغ قتل ہو رہے ہیں اور جانوروں کی طرح ذبح کیے جا رہے ہوں، ”یذبحون ابنآئکم ویستحیون نسآئکم“ (البقرۃ: آیت ۵۰) جہاں ایک سزا دی جا رہی ہو کہ لڑکے قتل ہوں اور لڑکیاں زندہ رکھی جائیں۔ جہاں ایک معاشرہ اپنے Survival دوسرے معاشرے کو قتل کر رہا ہے۔ وہاں جانوروں سے حسن سلوک کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ مگر دیکھیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال۔ کیا آج یورپ کے لوگ ہمیں بتائیں گے کہ انہوں نے جانوروں سے محبت شروع کی یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے کہ جب ایک صحابی ہرنی کے بچے لے کر آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ بچے پکڑ لیے مجھے یقین تھا کہ ممتا اس کے پیچھے پیچھے آئے گی پھر یہ ہرنی اس کے پیچھے آئی اور میں نے اسے بھی پکڑ لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تجھے ممتا کا کوئی خیال نہیں آیا۔ تجھے بچوں کا کوئی خیال نہیں آیا، جا ان کو آزاد کر۔ جب ایک اونٹ بھوکا تر سا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہوا فرمایا یہ اپنے مالک کا گلہ کر رہا ہے وہ کہتا ہے جوانی میں اس نے مجھ سے بڑا فائدہ اٹھایا مگر اس بڑھاپے میں مجھے اس نے مرنے کے لیے چھوڑ دیا یہ وہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ انہی کے اس عظیم طالب علم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر دجلہ و فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مرے گا تو اس کی جواب دہی عمرؓ کرے گا۔ یہ قانون بہت پہلے سے ہمارے پاس موجود ہے۔ بہت پہلے سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حق پر اس کا پورا شعور جاری کر دیا مگر ہم جناب رسالت مآب کی زلف ولب و رخسار کی تعریف بھی کریں ہم نے کبھی ان کے Conduct کو Identify کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ان کے Conduct کو کبھی Copy کرنے کی کوشش نہیں کی اور یہی ایک وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت ایک عالم اپنے تعلیم کی اعلیٰ ترین مقصد کی نشاندہی کی اور یہ مسلسل ارشاد فرمایا کہ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کو یکتا و تنہا

’’لاشریک لہٗ ‘‘ مانا جائے اور اس میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے پھر تمہارا حق اللہ پہ بنتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارا اللہ پہ کیا حق بنتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اگر تم خدائے واحد و یکتا کی تعریف فرماؤ تو اللہ کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔ بڑا سادہ اور آسان فارمولا اللہ کے رسول نے قیامت تک کے لیے پیش کر دیا کہ اگر ہم اللہ کا حق ادا کریں تو پھر اللہ ہمارا حق ادا کرے گا، اگر ہم اسے خدائے واحد سمجھیں، لاشریک لہٗ سمجھیں اور اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں تو اللہ ہمارا حق بھی ادا کرے گا کہ ہمیں عذاب نہ دے۔ اللہ نے فرمایا ’’مایفعل اللہ بعذابکم‘‘ ہمیں کیا پڑی کہ ہم تمہیں عذاب دیں۔ ’’ان شکرتم و امنتم‘‘ اگر تم ہماری یاد والے ہو، ہمارے ایمان والے ہو۔ ’’وکان اللہ شاکرا علیما‘‘ (النساء: آیت ۱۴۷) تو اللہ شکر قبول کرتا ہے، وہ علم والا ہے۔ اس کا نبی علم والا ہے، رسالت علم کی ہے وہ اعلیٰ ترین ذہانت ہے۔ آپ میں سے ایک عام مسلمان کا Intellectual Level خدائے واحد کی توحید سے اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ لوگ جو کتنے بھی ذہین کیوں نہ ہوں مگر جن کی رسائی عقل اور صرف دنیا کی اشیاء تک ہے۔ جن کا مطمحِ نظر صرف دنیا اور اس دنیا کی اشیاء تک ہے Status تک ہے، Marriages تک ہے، وجاہت دنیا تک ہے وہ بھلا اس لامکاں کو کیسے پہنچیں گے جو ان تمام خواہشات سے نکل کر خدائے واحد کی آرزو کرتا ہے۔

One of the basic cause of the downfall of the Muslimintellectualism is the lack of the top priority.

جب سے ہم اللہ اور اس کے رسول کی بتائی ہوئی اس ذہنی Top Priority سے ہٹے ہیں تو ہمارے ذہن کی ترجیح اول کھو گئی ہے اور ہم دنیا کی ترجیحات کے برابر آ گئے ہیں۔ مشرق و مغرب کی ترجیحات یہ کیسے ہو گئیں پھر اگر دنیا کی ترجیحات معیارِ عقل ہے تو خواتین و حضرات وہ زیادہ محنت والے تھے، ہم سے زیادہ بہتر ہیں۔ پھر تو وہ زیادہ ہم سے محنت کرنے والے زیادہ ایمان دار تھے، زیادہ جستجو والے تھے، زیادہ حقائق طلب تھے، وہ ہم سے بازی لے گئے۔ جو ابدی کا نظام تھا جو ذہانتوں کو جلا بخشتا ہے، جو عقلوں کو ان کے بلند مدارج عطا کرتا ہے اور وہ ترجیح اول کا انتخاب تھا۔ ہمارا افتخار تو ان پہ وہ تھا جو ہمارے رسول نے ہماری علمیت کے اعلیٰ ترین معیار کو رکھا تھا اور وہ ایک کو ان کے بلند مدارج عطا کرتا ہے اور وہ ترجیح اول کا انتخاب تھا۔ خدا کو ترجیح اول سمجھنے والے یہ زمین و آسمان کے ان درجات علم و عقل سے آگے بڑھتے ہیں۔ اور اللہ کے اس قول تک پہنچتے ہیں کہ ’’نرفع درجات من نشآء و فوق کل ذی علم علیم‘‘ (یوسف: آیت ۷۶)

خواتین و حضرات! بعض اوقات لوگ پوچھتے ہیں رسول اللہ کا علم کتنا تھا۔ یہ سوال Normally گروہی فقروں میں آتا ہے۔ کوئی حضورؐ کے بارے میں بے پایا علم و فراست کی خبر دیتا ہے اور کوئی ان کو مجبورِ محض سمجھتا ہے اور اس Capacity کو صرف انکار کر دیتا ہے۔ سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ الوہیت کے الہام کی Capacity ہی غیر معمولی ہے۔ خواتین و حضرات ہر بندے میں الوہیت کے الہام کی Capacity ہے۔ ہر بندے میں وحی کے اجرا کی Capacity ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر کا ذہنی Status اور ذہنی مقام غیر معمولی ہوتا ہے۔ اس کا دل اور اس کا ذہن اس قابل ہوتا ہے کہ ایک بڑی Special Frequency پر کائناتی Message قبول کر سکے۔ اس لیے اس کو بحیثیت پیغمبر چنا جاتا ہے۔ ایک نارمل ESP والا بندہ یا ایک نارمل Telekinesis کا مالک یا ایک نارمل لامہ جو Levitation

Spiritual کر دیتا ہے۔ وہ پیغمبر نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس میں ارتکاز کی بے پناہ صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں مگر اس کا علمی ادراک اور اس کے تصوف کی Capacity اتنی نہیں بڑھتی کہ وہ خدائی Message قبول کر سکے۔ اس کے باوجود تبت کا لامہ Levitation کی صلاحیتیں اختیار کرنے اور اپنے روحی وجود کو بدنی وجود سے اخراج کے لیے پچیس برس لگاتا ہے تیار کرتا ہے اور بہت ارتکاز کرتا ہے۔ برف زاروں میں بیٹھتا ہے، ترائیوں میں نشست کرتا ہے، تنہائیوں میں بیٹھتا ہے مگر اس میں وہ Message اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی جسے ہم وحی الٰہی کہتے ہیں۔ اسی طرح Telekinesis اور Telepathy ہے۔ Obviously نظر آتا ہے کہ ایک پیغمبر Message کو قبول کرنے کے لیے انتہائی خصوصی Sensitivity کا حامل ہوتا ہے جو کسی نارمل شخص کو ESP سے کہیں زیادہ بلکہ ہزار گنا بڑھ کر خصوصی صلاحیت کا احساس رکھتا ہے۔ آپ کو کوئی ایسا شخص کسی نہ کسی غیر معمولی واقعہ کی خبر دے دیتا ہے۔ کوئی مجذوب جو صلاحیت عقل سے عاری ہو اور جس کے Brain Cells، Pressure میں زیادہ کھل جائیں اور وہ اس قابل ہو جائے کہ آپ کو مستقبل کی کوئی خبر دے دے، آپ کے ماضی کا کوئی نقطہ اجاگر کر سکے اور بغیر علم کے آپ کو غائب کی اطلاع دے سکے۔ کیونکہ غیب آپ کے علم میں نہیں۔ غیب سے Relative ہر صفت ہر شخص میں دوسرے سے مختلف ہے۔ بہت ساری باتیں جو ایک شخص کے لیے غیب ہیں، دوسرے کے لیے نہیں ہوتیں۔ بہت ساری باتیں جو ایک وقت میں غیب ہیں دوسرے وقت میں وہ غیب نہیں ہوتیں۔ درحقیقت غیب متبدل، متغیر اور زمانی۔ مکانی ہے۔ غیب کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص پانچ ہزار کتابیں پڑھتا ہے اور صاحبِ علم ہے، ایک شخص چھ ہزار کتابیں پڑھتا ہے اور صاحبِ علم ہے۔ جب دونوں آپس میں مطالعہ Match کریں گے تو پانچ ہزار کتابوں کے دونوں عالم شہادت میں ہوں گے۔ مگر جب چھٹویں ہزارویں کتاب شروع ہوگی تو پانچ ہزار والا غیب نہیں چلے گا۔ اب Information کی بنیاد پر غیب ایک بندے کی ابتدا کا Academic ذریعہ ہے۔ ایک کی Source یونیورسٹی۔ ایک اس سے آگے بڑھ کر Specialised Institution سے اپنا

Source of Knowledge and inspiration

حاصل کرتا ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے خواتین وحضرات اک شخص کو دعوئی شناخت جنات ہے۔ وہ کہتا ہے میں کاہن ہوں۔ پرانے عرب میں مقدمہ ابنِ خلدون میں ابنِ خلدون نے لکھا کہ جسے عرب میں کاہن بنا ہوتا تھا وہ تمام صلاحیتوں کو تیز کرنے کے لیے بادام کے ڈرم بنا کر مٹکے بھر کے، کاہن اس میں بیٹھ جاتا تھا اور کھاتا بھی بادام تھا اور اس طرح اس کا Brain اتنا تیز ہو جاتا تھا کہ چالیس دنوں کے بعد شاید موت کے خوف سے یا بالکل سوکھ کر وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا تھا مگر اس میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ جنات سے باتیں کر سکتے تھے۔ غیر معمولی اسباب کے Source جب ختم ہو جائیں، کتاب ختم ہو جائے، آثار دنیا ختم ہو جائیں، اسباب علم ختم ہو جائیں تو ہمیں وہ لوگ عجیب لگتے ہیں جن کے علم کی بنیاد بظاہر کسی Source سے وابستہ نہ ہو۔ فرض کرو کہ ایک شخص آپ کو بتاتا ہے کہ سٹیشن پہ نہ جانا دھماکہ ہوگا آپ کو غیب کا نہیں پتا لہٰذا You dont trust him۔ آپ اس سے پوچھتے ہیں کہ Source کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ اسے جنات نے بتایا ہے۔

خواتین وحضرات! اگر وہ یہ جنات کا حوالہ نہ دے، تو آپ یقیناً مغالطے میں پڑ جائیں گے کیونکہ اس کا

Source of information نہیں ہے اور ازحد اس نے کوئی ایسی بڑی صلاحیت Develop کی ہے۔ جس سے وہ غیب جانتا ہے۔ آپ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ آپ اس قدرت کے قائل نہ ہوں۔ Source کے تعین کے بعد ہم صاحب جنات سے آگے بڑھتے ہیں۔ اولیاء تک جاتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ آپ کا Source of information کیا ہے۔ کہاں تک نگاہ جاتی ہے کہاں تک زمانہ دیکھتے ہو۔ مجھے میرے ایک دوست نے بڑا دلچسپ واقعہ سنایا۔ اس وقت جناب لال شاہ جو بڑے Confirmed مجذوب تھے وہ زندہ تھے۔ چونکہ یہ واقعہ مجھے چار دوستوں نے سنایا تھا۔ اس لیے میں نے اعتبار کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ایک دن انہوں نے سوچا کہ آج لال شاہ سے ضرور ملنے جائیں گے لہٰذا جب وہ جانے لگے تو انہوں نے مسالے دار انڈے اور پراٹھے بنوا کے ساتھ رکھ لیے۔ اس پروگرام میں ان کے ساتھ دو مولوی بھی تھے جو شاید ایک Rigid School سے تعلق رکھتے تھے اور دوران گفتگو یہ کہتے بھی جاتے تھے کہ وہ پیری فقیری کو نہیں مانتے ہیں۔ وہ دونوں ان کے ساتھ تھے لیکن ان کا مزاج ذرا مختلف تھا۔ جب وہ پہاڑ چڑھ رہے تھے تو دوپہر کا وقت تھا ان دوستوں میں سے مولوی صاحبان نے کہا کہ دیکھو بھائی ہم لال شاہ کے پاس جا رہے ہیں ہمیں وہاں خوار ہونا پڑے گا۔ سنا ہے بابا سر پہ ڈنڈے مارتا ہے اور دشنام طرازی بھی کرتا ہے لہٰذا آؤ پہلے کھانا کھالیں۔ شاید واپسی پر یہ کھانا ہی نصیب نہ ہو لہٰذا ان مولوی صاحبان کی منشاء کے مطابق چاروں نے وہیں پانڈے اور پراٹھے کھائے۔ یہ بات مجھے چار دوستوں میں سے تین لوگوں نے بتائی کہ جب وہ اس جگہ تک پہنچے تو بابا ایک دم سونٹا لے کر ان پہ لپکا اور خاص طور پر مولوی صاحب سے کہا کہ اچھا انڈے اور پراٹھے نیچے کھا آئے ہو اور میرے پاس خالی ہاتھ آئے ہو یہ بات سن کر انہوں نے دوڑ لگا دی اور بھاگنا شروع کر دیا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے بے شمار واقعات ہماری زندگی میں مخصوص افراد سے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک بندے کی غیر معمولی صلاحیت کی وجہ سے اسے غیب کا عرفان یا ادراک ہو جاتا ہے۔ خواتین و حضرات! اگر یہ تمام Sources ہی انسان کو اتنا غیر معمولی ادراک اور عرفان دے سکیں تو Virtually ان کی Explanation اور ان کا Source متعین کرنا کسی صاحب عقل و فہم کے لیے ممکن نہیں ہے تو اس شخص کی کیا بات ہو گی۔ جس کے علم اور شعور کا واحد Source اللہ ہے۔ اب اس سے کیا سوال کروں۔ مجھے بتایئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا کیا source ہے۔ دنیاوی طور پر امی ہیں۔ ان کا ہر کوئی استاد نہیں ہے۔ انہوں نے کسی درسگاہ کی دہلیز عبور نہیں کی۔ انہوں نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ اختیار نہیں کیا۔ بھولے سے بھی کوئی کتاب ہاتھ میں نہیں لی۔ پرے کا یہ عالم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعر پڑھا۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے شعر غلط پڑھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پڑھا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض نے کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے شعر غلط پڑھا اور رب کعبہ کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو شعروں کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہیں آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ شاعر ہیں اور نہ شاعر مزاج ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شاعری ایک معمولی نوعیت کی چیز ہے۔ یہ عام انسان کے لیے ایک اعزاز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے بڑے اعلیٰ ترین علم کی اعلیٰ ترین فضیلت کے لیے پیدا کیا ہے۔ خواتین و حضرات! پھر وہی سادہ سا سوال کہ آپ اس شخص کی علمیت کو کیا جانچیں گے جس کا واحد ذریعہ ادراک اللہ

ہے۔ کوئی انسان ایسا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمیت پہ شبہ کر سکے اور کوئی انسان ایسا ہے جو ان کے حضور غیب وشہود کی داستان بول سکے کیونکہ رسول اللہ کا غیب بھی اللہ ہے اور شہود بھی اللہ ہے۔ اب اس مقام پر اس زمانے میں ہمارے جیسے لوگوں کا بار بار Question کرنا اللہ کے رسول کے لیے ایک الزام ہے۔ ذرا آیئے کم فہمی کے کرشمے دیکھیے۔ جب نقاد کم علم ہوگا دو چیزوں کا تعین کرنا پڑتا ہے۔ خواتین وحضرات کم علم صاحب علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ اصول علم ہے کہ ایسا شخص جس کا علم نہایت محدود ہو، اس شخص کا احاطہ نہیں کر سکتا جس کا شعور علمیہ اور تعلیم اس سے زیادہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک شاگرد اپنے استاد کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ایک میٹرک کا طالب علم اپنے ایک MA پاس استاد کے علم کا احاطہ اس لیے نہیں کر سکتا کہ اس کی Informations محدود ہیں اور اس کے علم کی سطح نہایت پست اور معمولی ہے۔ اب وہ لوگ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمیت پر نکتہ گیر ہیں وہ کیونکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ اگر ان کو بتایا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا پتا تھا اور کیا نہیں پتا تھا۔ کیا خدا نے ان کو بتلا دیا ہے کہ ان کے رسول کا اتنا علم تھا اور اتنا نہیں تھا۔ کیا ان کے Title میں Locality ہے۔ کیا خدا نے اپنے رسول کے علم میں Local Effects رکھے ہیں؟ عیسیٰ کے بارے میں تو کہہ دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ یحییٰ کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ اپنے گروہ کے پیغمبر تھے۔ نوحؑ کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ اپنی قوم کے پیغمبر تھے۔ لوطؑ کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ یہ عاد وثمود کے پیغمبر تھے۔ What About محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ ان کے بارے میں کیا کہا کہ یہ آدم سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اسی پیغمبر کے صدقات چل رہے تھے۔ یہود کا اپنا پیغمبر موجود تھا۔ موسیٰ موجود تھے۔ عیسیٰ موجود تھے۔ اسحاقؑ موجود تھے۔ ابراہیمؑ موجود تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ اے قوم یہود تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے پہلے بھی اسی کے وسیلے سے مجھ سے دعائیں مانگتے تھے اور میں قبول کرتا تھا۔ کیا ان کے اپنے پیغمبر موجود نہیں تھے؟ کیا وہ موسیٰ کے حوالے سے نہیں مانگتے تھے؟ کیا وہ عیسیٰ کے حوالے سے دعا نہیں مانگ سکتے تھے؟ کیا بنو ابراہیم، بنو عدنان، معد بن عدنان اپنے اباءواجداد کے حوالے سے دعا نہیں مانگ سکتے تھے؟ پھر قرآن کیوں یہ بات کہتا ہے کہ اے بنو اسرائیل تم اتنے جاہل، اجڈ اور احمق ہو کہ تم آخر الزماں نبی کے آنے سے پہلے انہی کے وسیلے اور توسط سے میرے حضور دعائیں مانگا کرتے تھے اور میں قبول کرتا تھا۔ اب جبکہ یہ نفس نفیس تمہارے درمیان موجود ہے تو تم اس کا انکار کر رہے ہو۔ خواتین وحضرات! جیسے کسی شہنشاہ عالی وقار کے آنے سے پہلے بارگاہیں لگائی جاتی ہیں۔ راستے ترتیب دیے جاتے ہیں۔ بانات بچھائی جاتی ہیں۔ تمام پیغمبروں نے آدم سے خاتم تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذہانت اور علمیت کی شہادت دی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی شہادت دی۔ توریت سے برنباس کی انجیل غائب ہو گئی۔ اناجیل سے حواریوں کے باقی مقدمات اور بیانات تو قائم رہے، مرقس قائم رہا، متی قائم رہا، یوحنا قائم رہا مگر برنباس کی پوری پوری روائتیں ختم ہو گئیں۔ اس لیے ختم ہو گئیں کہ برنباس کہتا ہے کہ جناب عیسیٰ نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بعد آئیں گے اور میں ان کے جوتے کے تسمے باندھنے والا ہوں گا۔ یہ تمام روایات اس لیے کھو گئی ہیں کہ عیسائیوں کو قابلِ قبول ہی نہ تھا کہ برنباس کی تمام کتابی روایت جو اول و آخر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کے ذکر سے معمور رہے اور اس کے بارے میں Christians نے الزام لگایا ہے کہ کسی مسلمان نے یہ لکھ کر ہماری

اناجیل میں داخل کی ہے۔

خواتین وحضرات! برنباس کی انجیل کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا کہ پوپ پال کے دو سو سال بعد کسی مسلمان نے لکھ کر ہماری اناجیل میں داخل کر دی۔

خواتین وحضرات! اگر یہ اعتراض درست ہو تو باقی اناجیل کا پایۂ استحقاق کیا ہوگا۔ اگر اناجیل میں اس طرح داخلہ ہوتا اور اس طرح نکالا جا سکتا اور وہ Black جب Cordinal تھا تو اس کو اس کے پادریٔ اعظم نے کہا اب ہمیں اناجیل کی دستاویز تیار کرنی چاہیے جب Black نے وہ دستاویز تیار کرنے کے لیے مطالعہ شروع کیا تو اس کو پتا چلا کہ جو اناجیل کے تیرہ Versions ہیں وہ سب کے سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ خواتین وحضرات! اس کا Reaction یہ ہوا کہ کیا ہو سکتا تھا کہ Breadlaw عیسائیت چھوڑ گیا اور وہ Secularism کا اصلی بانی ہوا ہے۔ اور اس نے ایک جملہ لکھا:-

If you want to be a secularist then you have to be a complete atheist.

کہ اگر تمہیں Secularist بنا ہے تو سب سے پہلے مکمل انکارِ خدا کرنا ہوگا۔ اس کے پاس جو کتاب موجود تھی کم از کم وہ اس کو شبہ میں ڈال گئی کہ اگر تمام اناجیل اسی طرح لکھی ہوئی ہیں، ان کی علمیت اسی طرح کی ہے کہ جو جب چاہے گھڑ دے اور Statement داخل کر دے۔ تو پھر تو Christianity کا کوئی پایۂ استحقاق نہیں ہے۔ "یحرفون الکلم عن مواضعہ" (النساء: آیت ۴۶) تم نے جانتے بوجھتے اس کتاب میں تحریف کی اور اس کے معنی بدل دیئے اور اس کا Text بدل دیا۔ مگر ہم تمہیں اپنی کتاب سے یہ کام نہیں کرنے دیں گے۔ اللہ نے کہا کہ ہم تمہیں اپنی کتاب سے یہ فضول حرکت نہیں کرنے دیں گے۔

خواتین وحضرات؟! ابھی سوال جاری رکھے ہوئے ہے کہ ایک سیانے آدمی نے Discover کر لیا کہ آج کے بعد حجت پوری ہو جائے گی۔ اگر حجت پوری ہو گئی تو اس امت کو عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ حضرت سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل گرے جلالِ مصطفیٰؐ کو دیکھا، جلالِ علمیتِ پیغمبر کو دیکھا۔ گھٹنوں کے بل گرے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ ہم اسلام سے راضی، ہم قرآن پر متفق، ہم آپ کی رسالت پہ بالکل راضی یا رسول اللہؐ اس غصے کی آگ کو دھیما فرمایئے ورنہ اس امت پہ بڑا عذاب آئے گا۔ جب یہ انکساری دیکھی، یہ محبت کا عالم دیکھا، اصحاب کی آہ و زاری دیکھی تو علمیت کا آفتاب دھیما پڑا لوگوں نے نظر اٹھائی تو رسول اللہؐ نے فرمایا اس دیوار کے قریب مجھے جنت اور دوزخ دکھائی گئی اور ایک کتاب میں قیامت تک آنے والے لوگوں کی وہ فہرستیں دکھائی گئیں۔ خواتین وحضرات! یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ یہ راہ گذرے کی حدیث نہیں ہے۔ یہ مسلم کی حدیث ہے۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے۔ بڑے عجیب و غریب آدمی ایسے گذرے ہیں کہ جو اپنی مرضی کی روایت ہو درست ہے اور جو اپنی مرضی کے مطابق نہ ہو وہ حدیث ہی کمزور ہے۔ خواتین وحضرات! اکثر یہ دیکھا گیا کہ متفق علیہا احادیث کے ہوتے ہوئے مسئلہ حل ہونا چاہیے اگر آپ کہو کہ حدیث کا ذکر کیا تو فرمایا میں اصولاً اس کی وضاحت تو کوئی بھی نہیں کر سکتا اور اگر یہ شادی شدہ لوگوں کو واقعات پیش آتے تو اپنی عورتوں کو بالکل علیحدہ بند کمروں میں بکری کی مینگنیاں گننے پر لگا دیتے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضاحت نہ

فرماتے اور وہ قوانین زندگی یا ازدواجی عائلی زندگی کے اصول نہ دیتے اور اس میں آیت کی وضاحت نہ فرماتے تو کیا کسی کو کیا پتا لگتا کہ قرآن کس اصول میں بات کرتا ہے اور رسول وضاحت علمیہ فرماتے ہیں۔ اگر وہ نہ فرماتے تو یقین جانئے کہ قرآن کسی بھی فہم وادراک سے بالا ہوتا۔ اسی لیے اللہ کے رسولؐ کی علمیت کے بغیر قرآن کی وضاحت اللہ کو کسی قیمت پر قابل قبول نہ تھی۔ اب میں آپ سے ایک اور حدیث کا خصوصی ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ دیکھیے کہ عالموں نے کتنی حماقت کی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجتہادی غلطی فرمایا۔ اب غور کیجیے کیا وہ علمیت تھی یا اجتہادی غلطی کہ کھجور کے موسم میں جب ایک گروہ پوچھنے آیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری کھجور کی فصل ہے ہم اسے پیوند لگاتے ہیں فرمایا ہمیں تو پیوند پسند نہیں۔ لہٰذا انہوں نے پیوند نہیں لگایا۔ فصل خراب ہوئی گلہ شکوہ لے کے آئے کہ یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فصل تو اچھی نہیں ہوئی آپ نے کہا تھا اور Suggest کیا تھا اور ہم نے ویسا ہی کیا لیکن فصل اچھی نہیں ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں تو انسان ہوں۔ یقین جانئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی۔ یہ ایک ایسا مخفی تعلیمی درجہ ہے کہ جو بہت بڑے استاد کو ہی یہ فن آسکتا ہے کہ لوگوں کو کس کس طریقے سے سبق دیا جاتا ہے۔

خواتین وحضرات! یہ مسئلہ تجربہ تھا اور وہ تجربہ جو صدیوں سے انسانوں کے معمول میں رہا۔ وہ تجربہ اور دوسرے تجربات جنہوں نے انسانی علم کو بڑھایا۔ پھر ان تجربات میں سے ایک تجربہ افزائش خوراک کے لیے ان کو پیوند لگانا ہے اور عرصہ دراز سے وہ طریقہ مستعمل تھا، معتبر تھا اور پھر وہ شخص کیوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے فوائد پوچھنے آئے۔ کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا۔ جبکہ اتنا علم تو خود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے اور انہیں بھی پیوند کے فوائد کا پتا تھا۔ پھر کیوں فرمایا کہ میں پیوند پسند نہیں کرتا۔

خواتین وحضرات! بات صرف سادہ سی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی تجربے کی اہمیت کو واضح کیا کہ تم لوگ باوجود جاننے اور مسلسل Objevtive معروضی تجربات رکھنے کے کسی پیر فقیر کے پاس کیوں جاتے ہو اور دعا کرواتے ہو۔ رسول اللہؐ نے آپ کا کسی فقیر کے پاس جا کر اس سے دعا کروانے والی اس اوٹ پٹانگ حرکت کا سدباب کرنا تھا۔ تجربہ اور شہادت یہ وہ چیزیں ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا کو اس میں شامل کر کے بتایا کہ Objective Attitude کو کبھی Ignore نہ کرو، معروضی علم کو کبھی نظر انداز نہ کرو اور بحیثیت استاد خود بھی اس کو دیکھا اور اس چیز کو پرکھا اور اپنے لوگوں تک یہ نتائج پہنچائے اور یہ کہا اے مسلمانوں دعا ٹھیک ہے فائدہ ضرور حاصل ہوگا مگر کبھی بھی وہی بات جو اللہ نے قرآن میں کہی کہ لڑنا چاہتے ہو تو گھوڑا اور تلوار تیز رکھو۔ اسباب جو دنیا کے ہیں تمہارے پاس کم ہیں تو کوئی بات نہیں میں مدد کرنے والا ہوں مگر جتنا بھی ہو ان کو تیار رکھو۔ ان کی تیاری میں کسی قسم کی کمی نہ ہو اور وہ تمام معروضی Objective جو ہیں وہ تم تبھی Achieve کر سکتے ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ انگریز اگر اتنی محنت کرے اتنا زیادہ Laboratory Work کرے۔ پندرہ سال Fleming بیٹھا رہے۔ بارہ سال نیوٹن بیٹھا رہے پچیس سال ہرٹش ہرٹش بیٹھا رہے اور تم چاہو کہ تم چھ مہینوں میں صرف دعا کروا کے Electricity کے Laws دریافت کر لو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہوگا۔ یہ بہت بڑا سبق تھا جو علمیت کے میدان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری انسانیت کو

دیا کہ Objective اور معروضی علم کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔

خواتین وحضرات! یہ Chapter اتنے طویل ہیں۔ میں آپ کی مدد کے لیے تھوڑا سا Add کروں گا۔ یوں تو کبھی موقع ملتا رہے تو حدیث تو ایک دن میں پوری نہیں ہوتی۔ نہ تعلیم حدیث ایک دن میں پوری ہو سکتی ہے نہ ہی صفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ، آپ رحمت العالمین ہیں۔ ہم تو ایک عرصہ حیات میں ہیں۔ ایک مختصر سے وقت میں اتنی بڑی تعریف، اور ایک مختصر سے لہجے میں ایک کم تعلیم یافتہ زبان میں اتنے بڑے کام کو نبٹانے کے لیے بڑا وقت چاہیے۔ بڑی عمر چاہیے۔ رحمۃ العالمین کے حقائق بیان کرنے کے لیے عالمین کی عمر تو چاہیے اور وہ ممکن نہیں۔ پتا نہیں ہر زمانے میں وہ کیسے ہوں گے۔ ہفت کائنات میں وہ کیسے ہوں گے۔ ہفت زمینوں میں وہ کیسے ہوں گے اور جب ان کا ہم گئے گزروں کی قبروں پر دورہ گزرتا ہے۔ اور لاکھوں کروڑوں لوگ جب مرتے ہیں اور سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ مبارک دکھائی جاتی ہے۔ وہ کیا اصول ہوں گے۔ اور جب فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ مبارک کے مقابل پوچھتے ہوں گے کہ اس مرد کے بارے میں کیا کہتے ہو جن کی شبیہ تمہارے سامنے ہے۔ مزار مبارک کے اندر سے Uncertainlty پوری ہو رہی ہو اور وہ جو سائنسدانوں نے کہا کہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ایک ایٹم جو یہاں موجود ہے وہ باہر بھی موجود ہے۔ اس سے آگے بھی موجود ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں وہ جا بجا نظر آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہی ایک ایٹم۔ کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہ عجیب وغریب بات ہے کہ مقام الوہیت ہو یا مقام رسالت ہو۔ ان کا فہم وادراک ان کی بہتری، ان کو سمجھنے کی آسانی بدقسمتی سے اپنے علماء سے نہیں ملتی، اپنے سوچنے والوں سے نہیں ملتی۔ دیکھیے تو شہرۂ آفاق سائنسدانوں کو اگرچہ وہ ایمان والے نہیں مگر وہ تصدیق حقائق اپنے لوگوں سے ملنے کے بجائے غیروں سے ملتی ہے اور خدا نے ان کو حکمت میں بھی نوازا، کسی کو بھی علم سے نوازا کسی کو حکمت سے نوازا اور یہ سلسلہ تعلیم چلتے چلتے بالآخر اس فیصلہ کس بات پر منتج ہوتا ہے کہ اگر انسان خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتا، اس کی علمیت کا ادراک کرتا جو خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا اور اس علمیت کو Follow کرتا جو رسول اللہ نے انسانوں کو دی۔ اگر حضرت انسان اس نکتے کا ادراک حاصل کر لیتا تو پھر ہرگز اسے یہ مشکل نہ آن پڑتی کہ اس کائنات کو ایک شخص نے کیونکر دلیل غالب سے قطع فرمایا۔ حضرت انسان کی سب سے بڑی منزل اس منزل کو پورا کرنے سے پہلے راکٹ پھینکے جا رہے ہیں۔ تسخیر ماہتاب کی جا رہی ہے۔ مریخ وزہرہ کا خیال ہے۔ زحل تک پہنچیں پھر Millions and trillions light years کی Galaxies تک جانے کا خیال آئے گا۔

آب وگیاہ کے نئے Source ڈھونڈے جائیں گے۔ Nuclear اور Fuel کے نئے Source ڈھونڈے جائیں گے۔ Fusion اور Defusion ڈھونڈے جائیں گے۔ مگر ایک شخص اس سے بہت پہلے جب کوئی سائنسی اصطلاح نہ تھی، کوئی سائنسی Information نہ تھی، کوئی سائنسی آلہ نہ تھا، ان ساتوں کائنات سے بالا جہتِ ارضی وسماوی سے گزرتا ہوا حضور یزداں میں پہنچا۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور یہ شبِ معراج کو واقعہ پیش آیا۔

خواتین وحضرات! غائرانہ نظر بھی ڈال دی جائے تو سارے آسمانوں زمین سے گزرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علمیت کا پایۂ استحقاق کیا ہوگا۔ کائنات میں اگر آخری حد تک چلا جائے۔ اگر علم ہی جواز ہے اور

غیب ہی کسی کی کم علمی کا جواز بنتا ہے۔ کسی چیز کا نہ آنا ہی کم علمی ہے، نہ جاننا ہی کم علمی ہے تو تمام علوم بھی جمع کر لیے جائیں۔ تمام علامۂ وقت بھی جمع کر لیے جائیں، تمام دانشور اور حکیم جمع کر لیے جائیں تو ابھی تک ایک بات تو یقینی ہے کہ علیت کے اس معیار میں تصورِ ملاقاتِ یزداں کسی میں تام نہیں۔ اور صرف ایک شخص ان تمام معیارات کو عبور کرتے ہوئے علیت کے اس مقام کا دعویٰ رکھتا ہے کہ تمام کائناتوں کا غیب صرف اللہ ہے اور ایک شخص حضورِ یزداں Vision of God کا دعویٰ رکھتا ہے اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن کے بارے میں مقام سدرہ پر جبرئیل جیسے نورانی فرشتے نے کہا کہ اگر وہ یہاں سے ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھے تو اس کے پر جل جائیں گے۔ لیکن دوسری طرف رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آسمانوں کے سفر کے دوران میں ملائکہ کے صریرِ خامہ کو بھی سنا ہے۔ اور میں پھر ایسے مقام پر پہنچا۔ جس کے لیے عرب کے لوگ ”فکان قاب قوسین او ادنی“ (النجم: آیت ۹) کا محاورہ فاصلے کے لیے نہیں بولتے۔ بلکہ انتہائی قرب کا جب بیان کرنا مقصود ہو تو ”فکان قاب قوسین او ادنی“ کا محاورہ بولتے ہیں یعنی اتنے قریب تھے جتنی دو بھویں۔ میری بھوؤں کے درمیان تو فاصلہ ہے لیکن کچھ لوگوں کی بھویں تو ملی ہوئی بھی ہوتی ہیں یعنی ایسے جیسے اللہ اور رسولؐ باہم ملے ہوئے تھے۔ اکٹھے تھے، ایسے۔ مگر اس سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے اور یہ رسول اللہ کی علیت کا مقام ہے کہ اتنی قربتوں کے باوجود Priority کا تصور برداشت نہیں کرتے۔ خلاقِ عالم کا درجہ اپنا ہے اور مخلوق میں افضلیت کا درجہ اپنا ہے۔ پیغمبروں نے اپنے اپنے مقام سے گزرنا ہوتا ہے۔ موسیٰ کلامِ خداوندی کی برکات حاصل کر گئے۔ اللہ سے کلام کی برکات حاصل کر گئے۔ عیسیٰ کو روح اللہ سے مدد دی اور ”وایدناہ بروح القدس“ (البقرۃ: آیت ۸۷) مگر ایک شخص جو چاہیے تھا کہ مقام علم میں شہادت مکمل نہیں ہوتی۔ خوف میں بھی شہادت مکمل نہیں ہوتی۔ میں آپ کو بیان کر رہا ہوں مگر کیا شیر آیا، شیر آیا سے شہادت پوری نہیں ہوتی۔

شیر کو دیکھا نہ ہو تو شیر کا خوف دلاتا کیسا۔ خوف یعنی بغیر Vision کے شہادت پوری نہیں ہوتی۔ محبت پوری نہیں ہوتی بغیر Vision کے شہادت پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ پیغمبر عالی مقام کو علیت کے ایسے مقام پر پہنچاتا تھا۔ اسے شاہد اور نذیر کہلواتا تھا۔ یہ دونوں لفظ بغیر Vision کے پورے نہ ہوتے۔ اس لیے اگر کوئی کائنات کا سب سے بڑا غیب ہے تو اللہ ہے۔ اگر اس کائنات غیب پر کسی نے نظرِ شہادت دی ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ ہیں۔

وماعلینا الا لبلاغ

سوالات وجوابات

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر میں تشریف لاتے ہیں؟

سوال: کیا قبر میں مومن کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ نظر آئے گی؟

جواب: یارسول تو آپ کا دلچسپ ہے۔ میں بھی تو سوچتا رہتا ہوں کہ Photosynthetic Process ہوگا یا

دروازۂ قبر کشادہ کر دیا جائے گا۔ زمان و مکان کے فاصلے ختم ہو جائیں گے Face to face۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کو In person دکھایا جائے گا خواتین و حضرات! اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ہمارے اندازے غلط نکلتے ہیں۔ اگر ایک شخص مجھے یہ کہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کروں کہ آپ اللہ کے حضور اس کی مغفرت کی دعا کریں تو قبول نہیں ہوگی اور اگر یہی دعا روضۂ رسول پہ جا کر کریں تو قبول ہوگی میرے نزدیک یہ ایک Funny سی بات ہے۔ اس لیے میں آپ کو ضرور ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ جب ہم عقلی طور پر غور کرتے ہیں تو بعض باتیں بڑی ناقص نکلتی ہیں۔ میرے پاس ایک خاتون آئیں اور انہوں نے کہا کہ روضۂ رسول پہ جا کے دعا مانگنا جائز ہے۔ مگر یہاں مانگنا جائز نہیں تو میں نے اس سے کہا کہ یہاں کیوں جائز نہیں۔ کوئی Reason ہوگی۔ میں نے اس سے کہا کہ لگتا یہ ہے کہ جیسے مجھے فاصلہ لگ رہا ہے گوجر خان سے مدینہ تک کا۔ تمہیں بھی لگ رہا ہوگا اور ہمارے ہاں جو چیز حائل ہے۔ جہاں میرے اور میرے رسولؐ کے درمیان جو چیز حائل ہے وہ کچھ سڑکیں۔ کچھ دیواریں، دو چار نہریں۔

اگر روح کی Definition میں بھی یہ فاصلے آتے ہیں اور زمان و مکان اسی طرح حائل ہوتے ہیں جیسے ہماری زندگی میں حائل ہوتے ہیں تو پھر تو تمہاری بات قابلِ تسلیم ہے اور اگر روح کا مطلب یہی ہے کہ مرنے کے بعد ہماری روح زمان و مکان کی گرفت سے نکل جائے اور کسی ایسے عالم میں چلی جائے جہاں اس قسم کے Barriers جو ہیں ناقص بن جائیں اور یہی عالمِ برزخ اور عالمِ ارواح میں سنا۔ اسی طرح جب مطیع جنات اپنے وجود سے خارج ہوتے ہیں تو ان کی Travelling اور رفتار بہت Fast اور ان کے لیے فاصلے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت مرنے کے بعد یہ فاصلے کسی روح کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ کوئی دیوار ان کے رستے میں حائل نہیں ہوتی۔ اس لیے، میرا نہیں خیال کہ قبروں میں کوئی زمینی فاصلہ کوئی گرد، کوئی اینٹ، کوئی پتھر، کوئی روڑہ اور کوئی دریا اس Vision میں حائل ہوتا ہو۔ جب خاص طور پہ یہ حدیث موجود ہو کہ سکرات کے وقت ہی سے قرآن کہتا ہے، کہ آج اس کی آنکھ کیا تیز ہے کہ جو باتیں اس کو بتائی جاتی تھیں جس پر اس کو اعتبار نہیں تھا آج خود اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھتا ہے تو اگر سکرات کے وقت ہی سے آنکھیں اتنی تیز ہو جاتی ہیں تو پھر اس کے اپنے وجود کے حوالے سے بھی اس کی آنکھوں کے سارے حجاب اٹھ جاتے ہوں اور نہایت آسانی سے اپنے مقامات منازل کو دیکھ لیتا ہو۔ عین ممکن ہے کہ مرنے والوں کی نگاہوں سے سارے حجاب اٹھا کر ان کی نظر کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزارِ مبارک تک پہنچا دیا جاتا ہو اور وہ بلاواسطان کو دیکھ لیتا ہو۔

دین کا سرچشمہ ——— قرآن یا محمدؐ؟

سوال: دین کا ماخذ قرآن پاک ہے یا ذاتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: ماخذِ دین قولِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کیونکہ جب اللہ نے ہمیں قرآن دیا تو ہمیں پتا نہیں تھا کہ یہ قرآن ہے۔ جب اللہ نے اپنی کتاب اتاری تو ہمیں بالکل پتا نہیں تھا کہ یہ کتاب اللہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے دو قول نکلے، انہوں نے ان دونوں کو جدا کیا اور کہا یہ میرا قول ہے اور یہ اللہ کی کتاب ہے۔ جب ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی ماخذ نہیں تو کتاب اللہ کے لیے قولِ رسول پہ بھروسا کرنا پڑتا ہے ورنہ

ہمیں کتاب اللہ کی کوئی اور تصدیق نصیب نہیں ہوتی سوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول مبارک کے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور یہ میری حدیث ہے۔ ایک لحاظ سے اللہ نے اسی قول کی صداقت کو قائم کرنے کے لیے چالیس برس تک آقا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اس لیے صادق اور امین کہلوایا کہ کوئی شخص بھی ان کی کہی ہوئی بات پر شبہہ نہ کرے اور اس کو ہر اعتبار سے یقین ہو جائے کہ نہ یہ امانت میں خیانت کریں گے اور نہ یہ صداقت میں جھوٹ ملائیں گے۔ جب ان کو قرآن دیا جائے گا تو لوگوں تک یہ قرآن پہنچائیں گے حتیٰ کہ یہ حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن میں کوئی آیتیں چھپاتے تو وہ آیت چھپاتے جس میں انہیں سیدہ زینبؓ سے شادی کا حکم دیا تھا۔ مگر اللہ کے رسول خیانت دار نہیں تھے۔ تو حدیث یہ بتاتی ہے تمام کتاب الٰہی یہ بتاتی ہے کہ اللہ کا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول حجت ہے صداقت قرآن پر اور صداقت قول مبارک پر۔

کیا اللہ کے لیے گرامر اور ہے؟

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب ہے شیر خدا جب انہیں اس لقب سے پکارا جاتا ہے تو اس سے ان کا رتبہ بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے۔ آپ اور باقی دوسرے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے تو اس کے لیے جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا جاتا تھا۔ واحد کا کیوں نہیں؟

جواب: میرے نوجوان دوست یہ تو بڑی سادہ سی بات ہے کہ جب Single جمع کا صیغہ استعمال کیا جائے تو اس وقت سنگل کی عزت مراد ہوتی ہے، اس سے اس کی وحدت اجتماع میں نہیں ڈھل جاتی بلکہ اس سے اس کی عزت اور اس کی عظمت مراد ہوتی ہے۔ مصیبت یہ ہے، میرا خیال ہے کہ آپ کو لکھنؤ سکول کی ادبیت کا علم ہے اور نہ ہی دلی سکول کی ادبیت کا پتا ہے۔ زبان اپنے انداز میں عزت و تکریم کے جو الفاظ چنتی ہے اس میں کسی فرد کی بہت بڑی عزت اس وقت قائم ہوتی ہے، جب اس میں اجتماعی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اب دیکھیے سرکار فرماتے ہیں، یہ صرف خدا کے ساتھ تخصیص نہیں ہے بلکہ تمام بڑے لوگوں کو جب ہم عزت دینا چاہتے ہیں تو ادب کے تقاضوں کے مطابق ہم ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

سزا، جزا، جنت اور دوزخ کا حقیقی تصور!

سوال: سزا اور جزا کا تصور کیا ہے اور اس کے پیچھے جنت اور دوزخ کا تصور کیا ہے؟

جواب: حضرات گرامی ایک بڑی عجیب سی بات آپ کو بتاؤں کہ کہا جاتا ہے کہ خدا زمین پہ بہت ساری ناانصافیاں دیکھتا ہے۔ حلال و حرام دیکھتا ہے۔ بہت سارے قتل و غارت دیکھتا ہے اور مداخلت نہیں کرتا۔ اب مسئلہ یہ ہے جو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کمرۂ امتحان میں ممتحن کسی قسم کی مداخلت کا حق رکھتا ہے۔ جب اس پورے عرصۂ زندگی میں تمام انسانوں کو مختلف Situations میں رکھ کر آزمایا جانا مقصود ہو تو پھر اللہ زمین میں کیوں مداخلت کرے۔ زمین میں جزا و سزا کیوں سمجھی جائے۔ زمین میں اگر ایک شخص ظالم کی حیثیت سے آزمایا جا رہا ہے تو وہی شخص شاید مظلوم کی حیثیت

سے بھی آزمایا جا رہا ہے۔ آپ اپنے سامنے غور کر کے دیکھیے۔ ایک شخص ایک وقت میں عزت وتکبر سے آزمایا گیا تو اسی شخص کو دوسری دفعہ غربت سے آزمایا گیا۔ نواز شریف آپ کے سامنے ہے۔ بے نظیر آپ کے سامنے ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو اور عصرِ جدید کے حکمران آپ کے سامنے ہیں۔

مجھے پتا ہے کہ آپ سارے دل میں اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب یہ عزت وتکبر بھی غربت اور مسکینی میں ڈھل جائے گا۔ آپ کو پتا ہے کہ یہ قانون اس لیے ہے کہ اصول وہی ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ ہر شخص گردشِ زمانہ کے انجام سے گزرتا ہے۔ ”تلک الایام ندا ولھا بین الناس“ (آلِ عمران: آیت ۱۴۰) ہم لوگوں کی زندگی کے دن ایک جیسے نہیں ہوتے اور خدا اس عرصۂ امتحان میں مداخلت نہیں کرتا ہے۔ مگر اس سے کوئی بھی Right of Interference چھین نہیں سکتا۔ اگر کوئی بے انصافی ہو رہی ہے تو ہوا کرے۔ اس کے پس منظر میں وہ زمینی حقائق ضرور شامل ہوں گے جو کسی شخص کو اس ناانصافی اور آزمائش تک لاتے ہیں یہ ایک مخصوص ماحول اور معاشرہ ہوتا ہے جہاں کچھ قوانین سے انحراف انسانوں کو ایک بھیانک خوف سے دوچار کر دیتا ہے۔ دیکھیے ہر ظالم، سرکش، متکبر، شداد، ہامان اور فرعون یہ کہتا ہے کہ اب تاریخ اپنے آپ کو نہیں دہرائے گی۔ ماضی میں ایسا ہوتا تھا لیکن لمحۂ موجود میں ایسا نہیں ہوگا۔ اگر اس کے پاس عدل اور دانش ہو اور وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ بش اور ٹونی بلیئر کہتے ہیں کہ وہ اس بار تاریخ کا پہیہ روک لیں گے اس سے پہلے پندرہ ہزار سوسائٹیاں تباہ ہو چکی ہیں۔ اس سے پہلے موہنجوڈارو (Mohenjodaro) فنا ہو چکا ہے۔ ہڑپہ فنا ہو چکا ہے۔ ایتھنز فنا ہو چکا۔ میسوپوٹیمیا فنا ہو چکا۔ عاد وثمود تباہ ہو چکے، قوم مشرق ومغرب تباہ ہو چکی ہے، مگر بش اور بلیئر کہتا ہے کہ وہ نہیں ہوں گے۔ ہم بالکل نہیں ہوں گے۔ تاریخ سے کون سبق سیکھتا ہے۔ تاریخ تو اپنے آپ کو دہرائے جاتی ہے۔ میرے محترم دوست خیر وشر اور حلال وحرام یہ تمام آزمائشیں ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ کہتا ہے کہ خیر وشر دونوں فتنہ ہیں۔ دونوں آزمائشیں ہیں۔ اقبالؒ نے کہا:

گفتہ کہ خیر او نہ شناسی ہمیں شر است

اگر تو شر میں خیر نہیں جانتا تو یہ بڑا اچھا ہے۔ اگر تم خیر میں شر سے آگاہ نہیں ہو تو یہ بھی شر ہے۔ دیکھیے حضورِ گرامی مرتبت نے کیا خوبصورت بات فرمائی ہے کہ موت کی آرزو نہ کیا کرو۔ اگر کوئی شخص نیک کام کر رہا ہے تو شاید اس کی زندگی اس لیے طویل ہو رہی ہے کہ اس کے مراتب اور کارِ خیر میں اضافہ ہو اور اگر کوئی شخص گناہ کر رہا ہے تو اصولاً رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہنا چاہیے تھا کہ وہ اتنے گناہ کر لے کہ اس پر حجت نجات قائم ہی نہ ہو اور وہ اپنے مرتبۂ اسفل تک پہنچے۔ مگر یہ نہیں فرمایا۔ کمال علم ہے کہ فرمایا شاید کہیں اسے توبہ کی توفیق مل جائے۔

حقیقت علم اور خدا شناسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات محترم! آج کا عنوان حقیقت علم اور خدا شناسی یہ اتنا بڑا موضوع ہے کہ اس پر اگر گھنٹوں نہیں دنوں اور برسوں بھی گفتگو ہوتی رہے تو شاید کم مگر میں آپ سے یقیناً ایک بات جو کہنے آیا ہوں کہ علم کی تشنگی ایک ایسے سراب کی طرح ہے کہ میرے دل میں اٹھی کہ سب کچھ پڑھنے لکھنے کے باوجود اپنی زندگی کے دو بنیادی سوال حل نہ ہو سکے اور میں نے اور لوگوں کی طرح قرآن اور حدیث کو ابتدائی عہد میں نہیں پڑھا بلکہ جب یہ تشنگی اتنی بڑھ گئی اور امن وسکون اور چین غارت ہو گئے اور جب کسی پل قرار نہ رہا تو مجھے ایک خیال آیا کہ آخر وہ کون سے بنیادی سوال ہیں۔ جن سے انسان کا ذہن مسلسل جدوجہد کرتا ہے۔ ایک بات مجھے کبھی اس وقت تک سمجھ نہ آئی تھی کہ میں عذاب قبر سے کیوں ڈروں۔ میں ملائکہ سے کیوں خوفزدہ ہوں۔ میں حساب کتاب کے ان تمام خیالات کو کہاں سے اور کس طرح Justify کروں۔ تو میرے ذہن میں صرف ایک خیال جو بڑا خیال آیا تھا وہ یہ تھا اور وہ ایک علمی حقیقت کے طور پر ابھرا کہ کیا مجھے یہ فیصلہ نہ کرنا ہوگا کہ میں زندگی میں آزاد ہوں کہ غلام ہوں۔

حضرات محترم! ابتدائے فکر میں قریباً قریباً تمام علمی ڈیٹا کا احاطہ کرنے کے بعد یہ سوال بڑی شدت اور بڑی بے چینی سے اٹھا کہ میں آزاد ہوں کہ میں غلام ہوں۔ حضرات محترم اس سوال کا حل ایک دوسرے بڑے سوال میں موجود تھا کہ اگر خدا ہے تو میں آزاد نہیں ہوں۔ اور اگر خدا نہیں ہے تو میں آزاد ہوں۔ جب مسئلہ آگے بڑھا اور نوعیت یہ آ گئی کہ مجھے میری آزادی، میرے اختیار کا سب سے بڑا حریف تصور خدا لگا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ ذہنی اور علمی سطح پر مجھے ہر مرتبہ ایک ایسی ہستی سے واسطہ پڑتا ہے کہ جو مشورت نہیں کرتا جو میری بات نہیں مانتا بلکہ اپنے مستقل قوانین کی صورت میں وہ خود بھی موجود ہے اس کا ایک لائحہ عمل بھی موجود ہے ایک کتاب علم حکمت بھی موجود ہے۔ ایک ایسی کتاب جس کا یہ دعوی ہے کہ ہر لفظ میرا لفظ ہے۔ اللہ کا یہ دعویٰ ہے کہ ایک ایک لفظ ایک ایک آیت کو میں نے بڑے غور وفکر سے سمیٹا ہے۔ لکھا ہے۔ اور قیامت تک میرا لکھا ہوا یہ ہر لفظ غیر متغیر ہے اور میری سنت غیر متغیر ہے۔ میرا خیال غیر متغیر، حضرات گرامی! علم کیا چیز پیدا کرتا ہوگا اور علم کی حیثیت خدا کے نزدیک کیا ہوتی ہوگی اور کیا اعمال ظاہرہ جو ہم اپنی زندگیوں میں ایک ایکڈیمک شامل ہے جس میں نماز شامل ہے، روزہ شامل ہے، زکوٰۃ وصدقات شامل ہیں۔ کیا مقصود پروردگار اعمال ظاہرہ سے اعمال ظاہرہ ہی ہیں یا ان سے بھی کوئی آگے بڑھتی ہوئی اپروچ نکلتی ہے۔ تو قرآن کے آغاز کے مطالعہ سے مجھے ایک فکری دھچکا لگا تھا کہ پروردگار نے انسان کی زندگی علم سے شروع کی ہے اور انسانی زندگی کا ترفع، عروج، عزت اور وقار اس نے علم کے ایک اور

محاکے میں رکھا ہے کہ جب زمین میں چلتے پھرتے اس جنگلی اور وحشی انسان کو جو 80 لاکھ ارب 80 لاکھ سال سے زمین پر موجود تھا۔ جسے ہم ہوموہوائکس اور ہومو اریکٹس کہتے ہیں۔ جو ایک جنگلی اور وحشی جس کے پاس ایک کلہاڑا تھا اور جو شکار کے سوا کوئی شے نہیں جانتا تھا۔ جس کا Survival اتنا عظیم تھا کہ خداوند کریم کی آیت گرامی کے مطابق اس کو حرام و حلال کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ”احضرت الانفس الشح“ (النساء: آیت ۱۲۸) کہ ہم نے ہر جان کو بخل جان پر جمع کیا ہے اور وہ انسان جو اتنے طویل بائیولوجیکل سفر کے بعد بھی اپنی جبلی زندگی کے حصار میں گرفتار تھا اس انسان کو اچانک ملاء اعلیٰ کے اس خالق و مالک نے خلیفۃ اللہ فی الارض بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک نیچرل سی بات ہے حضرات گرامی جو آپ لوگ قرآن حکیم پڑھتے ہوں گے کہ ملائکہ نے ایک اعتراض کیا اور اعتراض یہ کیا کہ پروردگار تو اس شخص کو خلیفۃ اللہ فی الارض بنانا چاہتا ہے کہ جو زمین میں ہمہ تن فساد میں قتل و غارت میں مشغول ہے، کیا یہ انسان اس قابل ہے، کیا یہ ہم سے بہتر ہے۔ ہم جو ہمہ وقت تیری عبادت میں مستغرق ہیں۔ ہم جو ہر وقت تیرا نام لیتے رہتے ہیں، تیری تسبیح کرتے رہتے ہیں یہ انسان جسے زمین پر بھیجا جا رہا ہے یہ تو ابھی تک اپنی پراگریس کے مرحلے تک نہیں پہنچا اور اس میں ہم کسی آدمی کے شعور کو اجاگر ہوتا ہوا نہیں دیکھتے، کیا تو اس انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض بناتا ہے۔ ”قال انی اعلم مالا تعلمون“ (البقرۃ: آیت ۳۰) کہا تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ اس کے معاملات کیا ہیں، اس کے خیالات کیا ہیں، اس کی کوالٹی کیا ہے، اس کو میں اچھی طرح جانتا ہوں اور حضرات گرامی پھر ایک معمولی سا ٹیسٹ دیا ایک معمولی نوعیت کا امتحان دے دیا اور وہ امتحان یہ تھا۔ ”وعلم آدم الاسماء کلھا“ (البقرۃ: ۳۱) ہم نے آدم کو اسماء کی تعلیم دی۔ ایلفابٹ سکھائے، تختی لکھوائی (آیت) اور خالی آدم کو نہیں لکھائی (آیت) پھر وہی تختی وہی ایلفابٹ وہی کتاب ابجد ملائکہ کو بھی دی اور کہا کہ اگر تمہیں اپنی ذہانت اور خطابت، اگر اپنی علمیت اور شعور کا کوئی دعویٰ ہے تو میں تمہیں ایک مقررہ مدت دے دیتا ہوں۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب ابتدائی انسان Symbol سے حرف کی طرف آ رہا تھا۔ اور اشارہ اور کنایہ کو لینگوئج دے رہا تھا۔ اور ملائکہ کے اس اعتراض کے جواب میں خدا نے دونوں کو ایک ہی ٹیسٹ دیا اور کہا کہ کچھ عرصہ لے لو، کچھ صدیاں لے لو۔ ایک میلینیم لے لو اور اس کے بعد میرے پاس دوبارہ پلٹ کے آؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا کیا۔ وہاں ملائکہ کو دیر نہیں لگی واپس آتے ہوئے خواتین و حضرات! ملائکہ کو کچھ اپنی بے بسی کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے اللہ کے حضور جو جواب دیا وہ بڑا قابل غور ہے۔ اور اسی میں شاید انسان کی فضیلت ہے۔ ”قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم“ (البقرۃ: آیت ۳۲) کہ اے مالک کریم تو پاک ہے۔ اور پاک ہمیشہ اس وقت بولتے ہیں جب اپنی خطا کا احساس ذرا زیادہ ہو جائے۔ تو ملائکہ نے کہا اے پروردگار ہم سے خطا ہوئی۔ ہم نے غلط اندازہ لگایا، ہمیں تو صرف اس بات کا علم ہے جو تو ہمیں دے دیتا ہے، جو تو ہمیں Feed کرتا ہے۔ خواتین و حضرات! یہ بات قابل غور ہے کہ ملائکہ صرف ایک Feeded ڈیٹا پر چلتے ہیں۔ ان کی اپنی تحصیل، ان کا اپنا شعور، ان کی اپنی Nutations نہیں ہیں۔ اس کے برعکس جب اللہ نے انسان سے پوچھا ”قال یآدم انبئھم باسمائھم“ (البقرۃ: آیت ۳۳) تو نے اس ایلفابٹ کیساتھ کیا کیا ان اسماء کے ساتھ کیا کیا۔ ”فلما انبئھم باسمآئھم“ (البقرۃ: آیت ۳۳) تو آدم نے فرفر سنانے شروع کر دیے۔ By that time زمانے میں اس نے ہر چیز کا نام رکھ لیا تھا۔ اس کے خصائص مختص کر دیے تھے۔ اس نے اپنے اس فکری

محاکے سے کام لے کر ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا۔ Intellect ایک بائیفرکیٹری ایلیمنٹ کی طرح اس کے پاس تھی۔ Element ایک ایسے وجدان کی طرح تھی جو اشیا میں تخصیص کرتی ہے، جو شے کو شے سے جدا کرتی ہے۔ عقل زمانے کی طرح ہے اور زمانہ کاٹتی ہوئی تلوار ہے۔ علم چیزوں کے فرق کا سب سے بڑا پیمانہ اور میزان ہے اور آدم نے اس فرق کو اتنا نمایاں کر دیا کہ ملائکہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ جو اس کی امپلیکیشن ہے، جو اس کی پاور آف امپلیکیشن ہے جو پاور آف ڈیمارکیشن ہے جو یہ ماضی سے اپنے تجربات لے کے چلتا ہے، جنہیں یہ حال میں استعمال کرتا ہے اور جو یہ مستقبل میں اشارات چھوڑ دیتا ہے۔ اس قسم کا کوئی ذہن ہمارے پاس نہیں ہے۔ خواتین وحضرات! اس علم برتری کے بعد اس محاکے کے بعد اللہ نے تمام ملائکہ کو اپنے تمام مقتدر ملائکہ کو تمام اعلیٰ ترین مخلوقات کو حکم دیا۔ "واذ قلنا للملٰئکة اسجدوا لاٰدم" جیسے اس نے پہلے کہا تھا ان کو یہ کہا کہ اب تم اس آدم کو سجدہ کرو۔ "فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسُ" سوائے ابلیس کے تمام نے سجدہ کیا۔ خواتین وحضرات! یہ سجدہ صرف انسان کی علمی فوقیت کی بنیاد پہ تھا۔ یہ سجدہ تعظیم علمی مراتب کا اعتراف تھا۔ یہ انسان کے اس علمی سفر کا آغاز تھا اور یہ علمی سفر انسان نے دنیا ہی میں نہیں شروع کیا تھا۔ بات اس سے بھی ذرا پرانی ہے۔ خدا یوم میثاق کا ذکر کرتا ہے۔ خدا اپنی شناخت کا ذکر کرتا ہے۔ اپنی پہچان کا ذکر کرتا ہے اور جبراً اس پہچان کے اختیار کو ناپسند کرتا ہے اللہ ہر حال میں کسی بھی طریقے، کسی بھی قرینے سے اپنی مخلوق کی عبادت پہ حق رکھتا تھا مگر خدا کے ہاں ایک خواہش پیدا ہوئی۔ ایک عجیب وغریب خواہش ایک جینوئین مفکر کی خواہش، خواتین وحضرات کہتے ہیں کہ تحسین نا شناس وسکوت سخن شناس، دونوں ٹھیک نہیں ہیں۔ اگر جاننے والا، سخن شناس خاموش رہے اور اگر جاہل تعریف کرے تو دونوں ہی کسی اچھی شے کی صفات کو ختم کر دیتی ہیں۔ خواتین وحضرات! یہی حال اللہ کا ہے۔ اللہ اس جبر کی اس عبادت سے کچھ اکتا سا گیا اور اس نے یہ چاہا کہ میں پہچانا جاؤں مگر خواتین وحضرات پہچان کے لیے تو عقل چاہیے۔ کوئی ایسی مخلوق بھی تو چاہیے جو اسے از خود پہچان لے جو اپنے تعقل سے کام لے کے پہچان لے۔ فرمایا اللہ نے کہ "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" میں چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں بہت بڑی ذات، میں کبریائی کا مالک تھا مگر مجھے کوئی جانتا نہیں تھا۔ اور جو کچھ میں پیدا کر رہا تھا ان کو تو میں خود کہ رہا تھا کہ میری عبادت کرو میں تمہارا رب ہوں اور ان کا اعتراف میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا تو پھر میرے دل میں اپنی شناخت اور پہچان کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ "فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ یہ خود شناسی کی عظیم ترین خواہش کا نتیجہ تھا کہ مخلوقات پیدا ہوئیں مگر مخلوقات میں جبریت نے خود شناسی کی توہین کر دی اور پروردگار عالم اب یہ سوچنے لگ گئے کہ میں کوئی ایسی علمی قدر پیدا کروں کہ مجھے یہ احساس ہو کہ مجھے جس نے چاہا اس نے اپنے اختیار سے چاہا۔ مجھے جس نے چاہا اپنے شعور سے چاہا تو فرمایا "انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض و الجبال فابین ان یحملن ھا واشفقنا منھا حملھا الانسان" (الاحزاب: آیت ۷۲) کہ میں نے پھر امانت عقل وشعور پیش کی۔ آسمانوں پر، زمینوں پر، پہاڑوں پر، آسمانوں کی مخلوقات پر، زمینوں کی مخلوق پر اور میں نے کہا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس امانت عقل وشعور کا حق ادا کرے گا۔ سارے ڈر گئے۔ سودا بڑا مشکل تھا ایک طرف جہنم۔ ٹوٹل پریڈیشن، ایٹمینیشن اور مدتوں کی بربادی سامنے نظر آئی تھی۔ کسی نے ہاتھ نہ رکھا (آیت) انسان نے آگے بڑھ کر کہا اتنی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں

اس شعور کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ اللہ مجھ سے یہی چاہتا ہے کہ میں اسے پہچانوں تو میں تو اس کے سامنے ہوں۔ مجھ سے یہ شعور چھینا تو جا نہیں سکتا۔ یہ بہت معمولی سا کام ہے جو میں نے اپنے عقل وفہم سے انجام دینا ہے۔ ”انہٗ کان ظلوماً جھولاً“ (الاحزاب: آیت ۷۲) خدا نے اس پہ ایک ججمنٹ دی کہ ظالم اور جاہل۔

خواتین وحضرات نہ ظالم کا مطلب ظالم ہے۔ نہ جاہل کا مطلب جاہل ہے۔ اگر اصطلاحاً دیکھا جائے تو ظالم وہ ہے کہ جسے اچھی طرح پتا ہو کہ ایک کام ناقص اور ظلم کا ہے اور پھر بھی سرانجام دے اور جاہل وہ ہے جسے اچھی طرح علم ہو کہ عقل کیا کہتی ہے اور پھر بھی اس کے خلاف کام سرانجام دے تو انسان کو اچھی طرح پتا تھا اس نے عجلت میں ایک فیصلہ کیا۔ وہ اپنے آپ کو اوور اسٹیمیٹ کر گیا اور اپنی جاب کو انڈر اسٹیمیٹ کر گیا اور خداوند کریم کی اس آیت کا بڑا سادہ سا مطلب یہی ہے کہ انسان نے مجھے اور جس شناخت کے کام کو انڈر اسٹیمیٹ کر لیا اور اپنے آپ کو تفاخرات میں ایسا الجھایا کہ اپنے آپ کو اوور اسٹیمیٹ کر گیا۔ چھ ارب انسانوں میں سے آج بھی بہت کم لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ جو عقل وشعور کی آگہی کا اصل مقصد جانتے ہیں اور جو خداوند کریم کی شناخت کو اپنی Intellectual Curiosity کی ٹاپ Priority سمجھتے ہیں بلکہ آج بھی ہم دنیا کے سارے کام نبٹا کر ہم وہ کام نمٹاتے ہیں جو اللہ ہمارے لیے سرانجام دے رہا ہے اور وہ اتنی بڑی Misgiving ہے۔ اتنی بڑی Intellectual Mistake ہے کہ خدا ہمیں اول سانس دیتا ہے، خدا ہمیں آخری سانس دیتا ہے۔ خدا ہمیں رزق دیتا ہے۔ خدا ہمیں بیوی بچے دیتا ہے، خدا بیویوں کو Husband دیتا ہے، خدا ان کو اولادوں سے مالامال کرتا ہے، خدا انسان کو موت تک مصروفِ کار رکھتا ہے، اور ہمارے تمام لوگوں کا Literal faith یہی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے۔ لیکن ہم بضد ہیں کہ یہ سارے کام ہم کرتے ہیں اور جو کام ہم نے کرنا ہوتا ہے، وہ ہم نہیں کر رہے ہوتے۔

Today the basic fault in the Muslim philosphy is that we give lesser importance to the top priority and top importance to the lesser priority.

یہ اتنا بڑا خلجان واقع ہو گیا ہے کہ آج کے زمانے میں اس پوری مذہبی عمارت کا مکین کھو گیا ہے اور اس پورے مذہبی دیار میں اللہ ایک اجنبی کی طرح ہے اور ہم میں سے کوئی شخص یہ شعور نہیں رکھتا کہ تمام مذاہب اللہ کے لیے تھے اور تمام عقل جو مذہب کا بنیادی رکن تھی وہ اندھا دھند اعتقاد میں بدل گئی ہے اور مذہب اور یہ واحد مذہب ہے دنیا کا جو نہ صرف Intellectual Capacity کو دعوت دیتا ہے بلکہ یہ Intellectual Capacity کو ہمہ وقت غور وفکر پہ آمادہ کرتا ہے اور اعلیٰ ترین مابعد الطبیعاتی خیالات کے لیے ان کا رجوع پیدا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بدترین انسان وہ ہیں کہ ”ان شر الدوآب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون“ (الانفال: ۸-۲۲) کہ بدترین لوگ وہ ہیں جو اندھوں اور بہروں اور گونگوں کی طرح میری آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جو غور وفکر کی صلاحیت کو کسی قیمت پہ میرے لیے استعمال کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں اور خدا کو یاد کرتے ہیں۔ خواتین وحضرات! قرآن حکیم میں مسلسل ایک طعنہ اللہ تعالیٰ مسلسل اہل کفر کو دیتا ہے کہ اگر تم سوچنے سمجھنے والے ہوتے اگر تم تھوڑا سا غور وفکر کرتے تو اندھا دھند تقلید نہ کرتے آبا و اجداد کی۔ اور تم غور کرتے سوچتے تو

ضرور اپنے اللہ کو پہچان لیتے۔ اگر آج کا حال دیکھا جائے آپ Intellectually خدا کو ما انصاف تو نہیں مانیں گے۔ اگر ایک طعنہ اہل کفر کو دے سکتا ہے اللہ کہ تم عقل و شعور استعمال کیے بغیر آباؤ اجداد کی تقلید کر رہے ہو تو ہم میں اور اہل کفر میں فرق صرف اتنا ہے کہ ان کا دیوتا ہبل تھا۔ لات اور عزا تھے اور ہمارا دیوتا جس کا نام اللہ ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں خدا کے قرب کی کبھی سعادت نصیب ہوئی، نہ خدا کی محبت کا کبھی شعور حاصل ہوا۔ ہماری Priorities میں اللہ کبھی Exist نہیں کرتا۔ کہیں ایک فعال اور مقتدر حیثیت میں ہمارے کردار کا تشخص نہیں کرتا۔ کہیں اپنی خواہش کے خلاف اللہ کی حمایت کرتے نظر نہیں آتے۔ کہیں اپنے آسیب زدہ تصورات میں ہم خدا کو ایک حل کی طرح اختیار نہیں کرتے۔ خواتین و حضرات کیا یورپی Intellect اور ڈیٹا انفارمیشن اتنی بڑی تھی۔ کیا ادھر سے آتے ہوئے حقائق اتنے بڑے تھے۔ مجھے ایک صاحب، ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ، آسٹن یونیوٹی نے طنزاً کہا کہ

How do you know the God, i have also spent my 14 years in search of God, but never found him.

تو میں نے کہا کہ پروفیسر صاحب

It is simply the search. God is not a by product of your mathematical researches. He can't be found as a lesser interest.

یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ راہ چلتے ہوئے نصیب ہو جائے۔ جب تک آپ اللہ کو اپنی Top priority نہیں بناتے۔ جب تک آپ اللہ کو وہ مقام نہیں دیتے جو اس کا ہے اور ذہن و عقل و شعور میں کوئی خالق اپنی مخلوقات سے کم ترجیح پہ کیسے راضی ہو سکتا ہے۔

How can a Prime Minister sit on a peon's chair.

خواتین و حضرات! خدا کی محبت علم کا شعور ہے، علم کی منزل ہے۔ مذہب طریقہ کار ہے۔ مذہب ایک محفوظ فضا ہے تمام مذاہب ایک ایسے رستے کا تعین کرتے ہیں، جہاں ایک معاشرہ ایک Safe Limits میں آکر اپنے اندر علمی خواہشات کو پیدا کرتا ہے۔ آج کے اس زمانے کو دیکھیے کہ اعمال والے مسلمان ایسی کثرت سے ہیں اور اس کے باوجود معاشرے کا تشخص نہیں بدل رہا۔ اس کے باوجود کہ ہمارے پاس دس دس، بیس بیس لاکھ Academies مسلمان ہیں جو تمام تر ہمت اور محنت کے ساتھ دن اور رات علمی مباحثوں میں مصروف ہیں۔ اس کے باوجود وہ ایک شخص نہیں مل رہا، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ فراست مومن سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

خواتین و حضرات! معاملات تو پہلے بھی خراب ہوتے تھے۔ مسلمانوں پہ زوال کئی مرتبہ آیا۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ آج کا زوال نیا نہیں ہے۔ عباسیوں پہ بحران آئے، امویوں پہ آئے۔ سپین کی حکومت پہ آئے Through out history۔ کروسیڈز لڑی گئیں۔ کبھی ایک گیا کبھی فتح ہوا۔ کبھی یروشلم گیا کبھی فتح ہوا۔ مگر خواتین و حضرات! ایک بات یقینی تھی کہ جب بھی عالم اسلام کسی بڑے بحران میں آیا کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی پیدا ہو گیا۔ کوئی علی بن عثمان ہجویری

پیدا ہوگیا۔ کوئی معین الدین چشتی اجمیری پیدا ہوگیا۔ علم اور عمل کے ایک مستقل اتحاد سے وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کی اس آیت کا اصلی مطلب پہچان لیا۔ کہ ''الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبھم'' (آل عمران: آیت ۱۹۱) کہ ''خدا کے اصلی بندے تو وہ ہیں جو کھڑے، بیٹھے، کروٹوں کے بل، اسے یاد کرتے ہیں ''ویتفکرون فی خلق السموت ولاارض'' (آل عمران: آیت ۱۹۱) اور زمین و آسمان کی تخلیقات پہ غور کرتے ہیں۔ خواتین وحضرات! غور وفکر کی صلاحیتیں تو غیر لے گیا اور تسبیح کرنے والے، بے شعوری میں، اپنے اس تسبیح کے شعور کو نہ جانتے ہوئے، اس کی منزل کو نہ سمجھتے ہوئے، اپنے معاملات میں ایسے الجھ گئے ہیں کہ آج زندگی کے ہر مرحلے میں ہم مغرب کے کاسہ لیس ہیں۔ خداوند کریم نے انسان کی تخلیق کے چار پیٹرن گنوائے ہیں۔ وہ بائیولاجیکل انسان کہ جس نے ایک سنگل جین سے سنگل سیل سے سفر شروع کیا۔ اور Inellectual منزل تک اللہ تعالیٰ نے اس کے کام گنوائے ہیں۔ ''ھل اتٰی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکوراً O '' (الدھر: آیت ۱) بلاشبہ زمانے میں انسان پہ طویل عرصہ ایسا گزرا کہ وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ وہ قابل ذکر شے کیا ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسا تھا، کوئی سٹاکر تھا۔

Nobody knows beginning of first human cell.

پھر خدا نے کہا۔ ''انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتلية'' (سورۃ الدھر: آیت ۲) پھر میں نے اسی نطفے کو مخلوط کر دیا۔ پہلے جو سنگل سیل تھا۔ اب ڈبل سیلولر Existence ہو گئی۔ اب اس میں میل اور فی میل ہو گئے۔ پہلے صرف نیوکلیس ڈیوائیڈ ہوتا تھا اب علیحدہ علیحدہ تشخص ہونا شروع ہو گیا۔ فی میل اور میل کا اور پھر ابھی وہ ابتدائی منزل حیات میں ایسے تھا کہ وہ اس قابل نہیں تھا کہ اسے Existence کی شکل دی جائے۔ ''لم یکن شیئاً مذکوراً'' (سورۃ الدھر: آیت ۲) خدا نے کہا اب میں نے مخلوقات کو علیحدہ کرنا شروع کیا اور ایک مخلوق کو خاص کر اس کے Further مقاصد کے لیے چنا ''فجعلناہ سمعنا بصیرا'' (سورۃ الدھر: آیت ۲) میں نے اس کو سماعت دی، اس کو بصارت دی۔ میں نے اس کو زندگی کے بہترین مقاصد عطا کیے مگر اب بھی میں نے اس کو اپنی شناخت کا حکم نہیں دیا، نہ اپنی شناخت کا اس پہ بوجھ ڈالا۔ ہم یہ دیکھتے ہیں خواتین وحضرات! کہ انسان کی ابتدائی پراگرس برین وائز اتنی محدود ہے کہ کبھی چیمپنزی سے علیحدہ ہوتا ہوا انسان 35 سی سی کیوبک سینٹی میٹر دماغ کا مالک ہے اور آج کا پیدا ہوتا ہوا بچہ بھی 950 سی سی کا مالک ہے اور جوں جوں یہ پراگرس ہوتی رہی۔ جوں جوں برین کوانٹی بڑھتی رہی۔ خدا اس پہ اپنے احکامات Exercise کرتا رہا۔ تجربات اللہ کی طرف سے انسان کو سوغات ملے ہیں۔ خواتین وحضرات! بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ خدا نے، اللہ نے ایک ہی وقت میں یہ ساری چیزیں تخلیق کیوں نہ کر لیں۔ پورے کا پورا انسان بغیر کسی کوشش کے کیوں نہ بنا دیا۔ پوری کی پوری دنیا کن سے ایک لمحہ میں کیوں وجود میں نہ آ گئی۔ خواتین وحضرات ایسا نہیں ہوا، اللہ ہی کی پلاننگ سے آپ کام کرتے ہیں۔ انسانی شعور نے خدائی شعور کی نقل کی ہے۔ اس کی مثال پکڑی ہے۔ جیسے اللہ نے پہلے اس کائنات کا ماسٹر پلان بنایا، جس کو لوح محفوظ کا نام دیا اور پھر اس ماسٹر پلان کو جاری کرنے کا حکم کن فیکون سے دیا۔ وہی کام ہم آج بھی کرتے ہیں۔ کوئی چیز بغیر پلاننگ کے ہمارے ہاں بھی تنزل کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور اللہ نے جب پورے کے پورے انسان کو ڈویلپ کر کے بنا لیا۔ تو اس کے کام کا تعین کیا اور فرمایا میں نے تمہیں عقل وشعور صرف اس لیے بخشا ہے کہ ''اما

شاکراً و اما کفوراً"(الدھر: آیت ۳) چاہو تو مجھے مانو چاہو تو میرا انکار کردو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کا صرف اور صرف ایک مقصد بتایا ہے کہ چاہو تو مجھے مانو چاہو تو میرا انکار کردو۔ خواتین و حضرات! ہمیں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ہم اس انسانی عقل و شعور کو جس کا بنیادی مقصد خداشناسی ہے ہم اس کو کس کام میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی بڑے انسان کے پاس، کسی بڑے مکتبہ فکر کے پاس چلے جائیں تو اسلام کے سوا تمام مکتب فکر جو ہیں علم کا ایک بنیادی مقصد بتاتے ہیں اور وہ خودشناسی ہے۔

The entire movement of better knowledge is to know one's own-self.

سوائے اسلام کے جو علم کا مقصد خداشناسی بتاتا ہے۔ سوائے اسلام کے کوئی اور مکتب خیال و فکر مکتب، عمل ایسا نہیں ہے جو علم کا واحد مقصد صرف اور صرف خداشناسی قرار دیتا ہے۔ اور خواتین و حضرات! خداشناسی کے لیے جن لوگوں نے جدوجہد کی ہے۔ جن لوگوں کے عقل و شعور نے اس طرف کوشش کی ہے۔ آیئے ذرا ان کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کیا کہا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا گیا کہ خدا کو کیسے پہچانا جا سکتا ہے۔ فرمایا Know thyself, know thy God. کہ اپنے آپ کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان جاؤ گے حدیث قدسی ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ حضور گرامی مرتبت نے فرمایا اللہ جس پہ بہت کرم کرنا چاہتا ہے۔ جس پہ بہت احسان کرنا چاہتا ہے اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ خواتین و حضرات! اگر ان تینوں Statements میں آپ دیکھیں گے تو ان میں عملیت کا پہلو نظر نہیں آتا۔ یہ تمام Statements ہمیں غور و فکر اور کسی اندرونی شعور کی طرف مائل کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ہمیں یہ بار بار سننا پڑتا ہے کہ

Know thyself and you shall know thy God.

Frankly telling you کہ ویسٹ نے Know thyself میں بہت پراگرس کی ہے اور علوم نفسیہ میں ان کی مہارت، سائیکالوجی، پیرا سائیکالوجی

And all those institutions which they have established to improve a basic self into a better self.

بیان کا کریڈٹ ہے۔ اس سے پہلے ہمارے تمام صوفیاء کرام جو Self کی نالج میں اپنے آپ کو اور دوسروں کو بھی شعور ذات اور شعور خداوند عطا کیا کرتے تھے۔ ان کی نالج میں ایک فرق ہے کہ وہ سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی اور صرف اہل لوگوں کو دی جاتی اور یہ آج کی ماڈرن سائیکالوجی کے بارے میں

I would say, Psychology if applied to others is a Science and if applied to one's ownself is mysticism.

مگر مصیبت کی بات یہ ہے کہ تمام سائیکالوجی تمام علوم نفس حاضر ہل کر بھی خدا کی شناخت نہیں دیتے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی عمومی علم نفسیات کے پاس یہ ٹارگٹ نہیں ہے۔ حضرات گرامی! خدا کا انکار کرنے والے بہت لوگ ہیں اور ان میں سے پانچ بڑے سکول ہیں۔ ان میں سے مارکسیز ہیں۔ سیمنٹکس ہیں، Logical Positivist

ہیں۔ اور یہ تمام لوگ بڑے بڑے..... پھر انتھروپالوجسٹ ہیں۔ یہ بڑے بڑے دلائل کی بناء پر خدا کو رد کرتے ہیں۔ خواتین وحضرات! ان سب میں نقص ہے۔

All those people who deny the existence of God.

ان میں ایک بنیادی فالٹ ہے چاہے وہ رسل ہو، چاہے وہ وٹ کانسٹائن ہو۔ چاہے وہ ہیگل ہو۔ کانٹ ہو یا برگساں ہو۔ ایک بنیادی فرق ان تمام فلاسفہ مغرب میں موجود ہے کہ None of them try to search the God. خواتین وحضرات! بڑی اہم بات میں آپ سے کر رہا ہوں کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے خدا کا انکار کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک شخص نے بھی خدا کی تلاش نہیں کی ہے۔ جیسے خدا کہتا ہے کہ یہ اندھیرے میں ہاتھ پھینکتے ہیں۔

For Example کارل مارکس کو آخر ایک سسٹم غلط نظر آیا اور اگر یورپین فلاسفی اس کے نزدیک بدترین نتائج پیدا کر رہی تھی اور اس کو یہ سمجھ آیا کہ مذہب کے پاس انسان کے بنیادی مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔

اے کرپٹڈ، تھاروولی مس لیڈ، مس گائیڈڈ Religion۔ جو خدا خود بار ہا اپنی کتاب میں کہہ چکا ہے کہ ان لوگوں نے میرے مذہب کو خراب کیا۔ میرے رستے کو انہوں نے بت پرستی اور شرک سے نجس اور آلودہ کیا۔ بھلا اس خدا کا بطلان اس Corrupt اور Weak فلاسفی سے کیسے ہو سکتا ہے۔ مارکس نے تو کبھی خدا کو تلاش نہیں کیا۔ Not as single one time in his whole life. اگر کاش کہ وہ ایسا کرتا۔ جیسے اقبال کہتا ہے۔

صاحب سرمایہ از نسل خلیل
یعنی آں پیغمبر بے جبرئیل

اگر کاش کہ وہ ایسا کرتا کہ وہ خدا کو دس پندرہ برس تلاش کرتا اور پھر ہمارے پاس آتا اور کہتا کہ میں نے اسے بہت ڈھونڈا ہے۔ بڑے اخلاص سے ڈھونڈا ہے۔

I didnot find God anywhere and i am sorry to say i don't believe it.

ایسا نہیں ہوا، رسل نے کبھی خدا کی تلاش نہیں کی۔ وہ بھی اپنی ایک مروجہ کرسچیئنٹی پہ اعتراض کرتا رہا اور بہت ساری ان سائنٹفک Statement کی وجہ سے اس نے یہ اعلان کیا کہ

Chiristianity is totall in contradiction with the scientific results of the modern times.

اس لیے یہ غیر شعوری مذہب ہے۔ غیر عقلی مذہب ہے۔ تو کسی نے اس کو کہا کہ قرآن نہیں پڑھتے ہو۔ قرآن بھی پڑھ کے دیکھ لو۔ اس نے کہا:

Why should I, all gospel truth is alike.

میں نے کسی بڑے فلاسفر کو اتنی بڑی احمقانہ بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا He pre-supposed رسل نے ایک بات Pre-supposed کر لی کہ قرآن اور بائبل ایک جیسے ہیں۔ آپ میں سے جنہوں نے بائبل اور قرآن کو پڑھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ بائبل اور قرآن میں زمین و آسمان کا بعد ہے۔ تورات اور انجیل میں سے کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس پہ

خداوند کریم نے اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھی ہو۔

خواتین حضرات! اس کی وجہ تھی کہ جب تک پیغمبر آتے رہے، جب تک پیغمبروں کا سلسلہ جاری رہا، کتابوں میں Amendment ہوتی رہی اور معاشرہ ترقی کرتا رہا، انسانی شعور مختلف مدارج سے گزر کر جب ایک مرتبۂ اعتدال تک پہنچا تو کتاب مکمل ہوئی Message پورا ہوگیا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک انسان کا تمدنی شعور مکمل ہوگیا۔ اس سے پہلے کئی لوگ آتے تھے جیسے Jews تھے۔ تو وہ Basically جبلی اقدار کی خاطر پورے مذاہب کو Loss کرتے تھے اور اللہ نے بڑا شدید اعتراض کیا کہ تم تو اپنی ایک غرض کی خاطر آیات بدل دیتے ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہوئے کہ تم کتاب کو صرف اپنے آقاؤں کے لیے تحریف کر دیتے ہو، اپنے مقاصد کے لیے تحریف کر دیتے ہو۔ جب خدا انہیں کہتا کہ یوم سبت کو مچھلی نہ پکڑو، اور ان کے مقاصد یہ ہیں کہ مچھلی پکڑنی ہے تو وہ تاویل گھڑتے ہیں جس پر خدا کہتا ہے کہ ہم نے ان کو آزمانے کی خاطر یا ان سے مذاق کیا۔ اللہ کی حس مذاق بڑی اچھی ہے کہ ہفتے والے دن ہی مچھلیاں اوپر آئیں باقی دن وہ نیچے رہتی تھیں اور خدا نے کہا کہ یہ اللہ سے مذاق کرتے ہیں پھر اللہ بھی ان سے ایسے ہی مذاق کرتا ہے۔ تو ہفتے والے دن سبت والے دن، ممانعت والے دن مچھلیاں اوپر آتی تھیں اب اہل یہود یہ دیکھتے تھے کہ مچھلی پکڑنے کا چانس تو ختم ہوگیا ہے

So they tried to concoct many ways out of it.

انہوں نے چھوٹی چھوٹی نالیاں بنائیں تالاب میں اور پھر اپنے گھروں میں حوض بنائے اور پھر ان میں سے مچھلیاں جو تیر کے ان کے حوض میں آتی تھیں وہ پکڑ کے کھاتے تھے اور کہتے تھے ہم نے تالاب میں سے تو مچھلی پکڑی ہی نہیں ہے۔ تو تمام تاویلات کی بنیاد ان کے جبلی شعور پر تھی حالانکہ خدا نے انہیں مچھلی پکڑنے سے منع کیا تھا کوئی تالاب کی تخصیص نہیں تھی مگر انہوں نے یہ عذر نکالا۔ خدا نے انہیں کہا کہ جب تم بیت المقدس میں داخل ہو تو تم ”وادخلوا الباب سجداً و قولوا حطةٌ نغفر لکم خطیکم“ (البقرۃ: آیت ۵۸) تو گھٹنوں کے بل رینگتے جانا، استغفار کرتے جانا، توبہ کرتے جانا تو انہوں نے صرف ایک نقطہ ڈال دیا بیچ میں حطةٌ کو حنطةٌ کہہ دیا کہ سرین کے بل گھسیٹتے ہوئے جانا۔

And thus they tried to mock God.

پھر وہ اللہ کا اس طرح مذاق کرتے اور آیاتِ الٰہیہ میں تبدیلی کر دیتے تھے اور اپنی Sharpness کو اپنے مقاصد اور خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے شعور اور عقل کو اپنے پست مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے تھے۔

عقل جب اپنے معیار سے گرتی ہے تو صرف نقالی رہ جاتی ہے۔ خواتین و حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کا زمانہ ایسا ہے۔ معاف کیجیے گا، خواتین سے کچھ معذرت کے ساتھ۔ کہ خواتین اور بچے زیادہ اس کے پیچھے ہوں گے کیونکہ انسانی معاشرہ کہیں رک کے سوچتا نہیں ہے اور آپ عقل کو کسی اور طرح سے پہچانیں۔ ہم عقل کو اس کے معیار طلب سے پہچانتے ہیں، ایک انتہائی ذہین آدمی ایک اعلیٰ درجے کا نقاد، ایک بہت بڑا محقق اور ادیب چاہے کسی

بھی رتبہ عالیہ پہ کیوں نہ ہو اگر خواتین وحضرات اس کی زندگی کا مقصد صرف شہرت ہے صرف مال ہے تو آپ جانتے ہیں کیا ہو رہا ہے۔ اس کی تمام عقلی توجیہات، اس کے تمام ذہنی اشارات، اس کی تمام صلاحیتیں صرف ذاتی وجاہت اور عملی فوائد پر مرتکز کر رہی ہیں۔ اور اس عقل کو کبھی خدا دیکھنا نصیب نہیں ہوتا یہ تو اپنے مقاصد عالیہ کو بڑھ ہی نہیں رہی، تو بندہ عقل سے پہچانا جاتا ہے اور عقل اپنی تجسس ملمیہ سے پہچانی جاتی ہے کہ عقل کس چیز کو چاہتی ہے، وجدان کس چیز کو طلب کرتا ہے اور اگر عقل کو خدا کی آرزو نہیں، اس کی تلاش نہیں، اس کی محبت کی طلب نہیں تو یہ تمام عقل کو یاسی بھٹکے ہوئے بندروں کی طرح صرف نقال عقل رہ جاتے ہیں اچھے لفظ بولتے یا سیدھے لفظ بولتے، اجڈ اور گنوار ہو۔ کیسے۔

If the money is the only desire in your mind , if the status is the only desire in your mind.

تو تمام صلاحیتیں مرتکز کریں گے، تمام صلاحیتیں اسی ایک مقصد کو جائیں گی اور انسان کی حیثیت کا اندازہ اس کی علم وعقل ومعرفت کا اندازہ اس کے اس منظر سے ہوگا، اور سوائے اسلام کے اور سوائے اللہ کے کوئی اپنے آپ کو جستجو علم و عرفان قرار نہیں دے سکتا۔ تو خواتین وحضرات! اس وقت تمام اسلام Revolution کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ انقلاب اسلامیہ کے آپ کتنے نعرے سنتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ جو Schizophrenic تھوڑا سا Religion پڑھ جاتا ہے وہ اٹھ کے ایک اسلامی انقلاب کی مصیبت لانے کے چکر میں! اور ان میں سے کسی ایک شخص کو پتا نہیں کہ انقلاب انسانوں کی ہمت سے نہیں بلکہ خدا کی مرضی سے آتا ہے۔ کیا اس اللہ کو آپ انقلاب لا کے دیں گے جو تین سو برس کی فراعنہ مصر کی حکومت کو انقلاب سے نہیں ایک شخص سے الٹا دیتا ہے۔ تین سو برس کی انتہائی مستحکم فراعنہ مصر کی حکومت کو یہودی انقلاب نے نہیں بدلا، نہ اس کو کسی جنگ وجدل نے بدلا، نہ ان کو کسی اندرونی دشمن نے، ایک شخص نے صرف ایک شخص نے اور وہ بھی ایک ایسا شخص جو ان کے دربار جاتے ہوئے بھی ڈرتا تھا۔ وہ موسیٰ جو بار بار اللہ کو کہہ رہے ہیں کہ پروردگار میں تو نہیں جاتا فرعون کے دربار میں۔ میں نے تو ان کا نقصان کیا ہوا ہے۔ میں نے ان کا بندہ قتل کیا ہوا ہے۔ یہ قصاص میں مجھے قتل کر دیں گے۔ اور اللہ کو کہنا پڑتا ہے کہ لا تخف "اے موسیٰ مت ڈر میں جو تیرے ساتھ ہوں۔ تو خواتین وحضرات کسی کے ساتھ اللہ ہوگا تو انقلاب آئے گا۔ کیا اللہ کے بغیر آپ انقلاب لائیں گے۔ کیا یہ تمام جماعتیں۔ یہ تمام بزرگ ایک منٹ کے لیے یہ نہیں سوچتے کہ پہلے ہم یہ تو ڈٹرمن کر لیں کہ خدا ہم میں سے کس کے ساتھ ہے۔ ایک بڑا مشہور قول ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس انقلاب کو نہیں روک سکتی جس کا وقت آ گیا ہو اور وقت کا فیصلہ تو پھر اللہ کرے گا۔ اور اگر ناقص اور کمزور بندے جو خدا کی اطاعت میں چلتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق رکھتے ہیں اور اس کی محبت کا دم بھرتے ہیں جو اپنی کمزوریوں کے ساتھ۔ یہ بین الاجتماعی امت۔ میں آپ کے پندرہ کروڑ مقدسین کی بات نہیں کر رہا اور مقدس کی کون بات کر سکتا ہے، اللہ تو مقدسین پہ بڑا ہی سخت ہے "فلا تزکوا انفسکم" مت اپنے آپ کو پاک باز کہہ" مت اپنے آپ کو پاک باز کہو۔ "ھو اعلم بمن اتقی" (النجم: آیت ۳۲) میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنے متقی ہو۔

خواتین وحضرات مشہور ہے کہ جب کسی کو طعنہ دینا ہو اور اس کو اصلیت دکھانی ہو تو تارلی اسے کہتے ہیں کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں تو پیچھے سے کیا تھا تو اب کیا ہے۔ تو مجھے کیا اپنی بڑائی اور تکبرات بتاتا ہے تو خداوند کریم نے انسان پر

تقویٰ پر طنز کیا جو انجام اسے دکھائے وہ بڑے عجیب و غریب تھے۔ وہ اس کونسل کا طعنہ نہیں دے رہا، وہ اسکو تکبرات کا طعنہ نہیں دے رہا، بلکہ خدا یا اسے کہہ رہا ہے "ھو اعلم بمن اتقی" "میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کتنے متقی ہو۔" میں تو تمہیں اس دن سے جانتا ہوں، جب میں نے تمہیں زمین کے دامن میں رکھا، اور کیچڑ انسان تو بھول گیا، وہ تو یہ کہتا ہے تمہیں بھی نہیں پتا "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکوراً O "(الدھر: آیت ۱) کیا تمہیں پتا نہیں کہ اے انسان تو ایک زمانے میں ایسے رہا کہ تُو کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔ اب تو بہت بڑا متقی بنتا ہے۔ تجھے پتا نہیں کہ تو کس غلاظت سے "صلصال کالفخار" (رحمٰن: آیت ۱۴)، گندے کیچڑ، خواتین و حضرات یہ آپ جاننا چاہتے ہیں کہ جب پانی زمین کا خشک ہوا، زمین کیچڑ بن گئی، پھر دھوپ کی کرنوں سے اوپر کا کیچڑ سیاہ ہو گیا اس کے نیچے جو پلپلا سا گندہ کیچڑ تھا اس میں انسان کی زندگی کے پہلے پہل کی نمود ہوئی۔ وہاں خدا ٹھیک ہی تو کہتا ہے کہ کیا تمہیں پتا نہیں ہے میں تجھے اس وقت سے جانتا ہوں پھر کتنے لاکھ سال اسی لاکھ سال پہلے انسان جب پرائم ایٹ سے جدا ہوا۔ قافلہ زندگی کو پہنچا ہے تو اس کی آنکھیں، دیدے گول تھے، جیسے کسی الو یا طوطے کے۔ اور اس کا سر لمبوترا سا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے اور آج اگر آپ اس کی تصویر دیکھ لیں جو پتھر کی تصویر اس انسان کی ملتی ہے تو آپ خوف سے پاگل تو ہو سکتے ہیں اسے انسان نہیں مان سکتے۔ یہ جتنے بھی آپ نے دیکھے ہوں گے کہ ویسٹرن موویز کے وہ بار بہلوناپ تصورات ہیں یہ دراصل اس بنیادی انسان کا نقشہ ہے جس سے ڈویلپ ہو کر آج آپ اس خوبصورت اور اعلیٰ ترین فکر کو پہنچے ہیں کہ جس کے بارے میں اللہ نے کہا کہ میں نے اس انسان کو بہترین اعتدال اور توازن سے بنایا۔ مگر اس اعتدال اور توازن کو پہنچتے ہوئے ایک ارب بیس لاکھ سال گزرے اور خواتین و حضرات پھر دوسری بار کہتا ہے ایک تو میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں، جب میں نے تمہیں بحیثیت ایک ورنابریٹ اور کارڈیٹ اور ایک ممیلر کے رکھا اور پھر وہ کہتا ہے میں تمہیں اس وقت سے بھی جانتا ہوں جب میں نے تمہیں ماؤں کے پیٹ میں رکھا۔ حضرات گرامی! وہ کہنا یہ چاہتا ہے میں آج تک زندگی میں فیاض اس کو نہیں سمجھا کہ جو مال بانٹتا ہے۔ خواتین و حضرات میں سخی اور فیاض اس کو سمجھتا ہوں جو لوگوں میں عزت بانٹتا ہے۔ "فان العزۃ للہ جمیعاO "(النساء: آیت ۱۳۹) اللہ تعالیٰ کے پاس تمام عزتیں ہیں۔ اور وہ بڑا احمق ہے جو عزت کو اپنی متاع سمجھتا ہے جو اس بات پہ تفاخر کرتا ہے۔ فیاض تو وہ ہے کہ جسے خدا عزت عطا کرے اور وہ ان لوگوں کو عزت بانٹے جن کے پاس عزت نہیں ہے۔ ان غریبوں کو ان ناقص لوگوں کو، ان کمزوروں کو اپنی طرف سے خدا کی عطا کردہ وہ عزت بانٹے۔ اصل میں سخی تو وہ ہے۔ اور ایک نکتہ عالیہ یہی ہے کہ ادھار کی چیزوں پہ انسان کو کوئی ناز نہیں ہونا چاہیے، اپنے پروٹوکول کو اپنا نہیں سمجھنا چاہیے، خدا شناسی میں سب سے بڑی چیز جو ہماری زندگی میں حائل ہوتی ہے، وہ Misplaced ججمنٹ ہے، تمام عقل کا ایک غلط اسٹیمیٹ لگا لینا، اگر آپ یہ کہیں کہ یہ زندگی میری ہے اس کو میں نے بسر کیا ہے، میں نے کمایا ہے، میں نے کھایا ہے، میں نے بچے پالے ہیں، میں نے بیوی پالی ہے

You are very very wrong. its not your job.

آپ کا یہ Job نہیں ہے جسے غلطی سے آپ Assume کر بیٹھے ہیں۔ آپ کا Job وہی ہے جو اوّل انسان کو دیا گیا اور آخری لمحۂ زندگی یعنی مرحلہ قبر تک جائے گا جہاں آپ پہنچیں گے اور میں تو قبر کو ہمیشہ Gateway to the outer galaxies کہتا ہوں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ کا مقدر زمین پہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ Transition میں تو کوئی مقدر نہیں ہوتا۔ وہ یہی عقل ہے جو زمین میں کھانے پینے کو مقدر قرار دیتی ہے۔ ایک ہلکی سی ٹمپرنگ ہے۔ یہ زمین تو ایک چھوٹا سا کیمپ ہے اس میں آپ کی تربیت، اس میں آپ کا آنا، اس میں آپ کی ٹیسٹنگ ایک ٹرانزیشنل تھوڑے سے وقت کے لیے ہے۔ اس وقت میں آپ کی ٹیسٹنگ یہ ہے کہ جو شعوری صلاحیت آپ کو عطا کی گئی جو غور و فکر کی صلاحیت آپ کو عطا کی گئی کیا آپ نے اس کا مقصد جانا پہچانا، کیا آپ اس مقصد تک پہنچ گئے، اپنے غور و فکر سے کہ آپ کیا کرنے آئے تھے اور کیا کر چلے، قبر کے دھانے پہ اس گیٹ وے پہ ایک سوال ہوگا۔ “من ربک” (مسلم، رقم الحدیث) کہ آیئے تشریف لایئے۔

You are welcome

آگے بڑھنے کا پاسپورٹ ساتھ لائے ہو؟ یہ تو بتاؤ اس ساری زندگی میں آپ کا رب کون تھا؟ ہم نے تو جس کام کے لیے بھیجا تھا وہ تو ایک ہلکے پھلکے سوال کے لیے آپ کو زندگی دی تھی، زمین دی تھی، گھر دیا تھا، بیوی بچے دیے تھے۔ خواتین و حضرات! یہ ساری سہولتیں اس لیے عطا کی گئیں کہ اگر آپ قبر کے دہانے پر اس سوال کے جواب میں اللہ سے یہ کہو کہ اے اللہ مجھے تو نے فرصت کب دی۔ میں تو مصروف تھا روٹی کمانے کے لیے، میں تو مصروف تھا بچے پالنے میں، میں تو مصروف تھا ماں باپ کی خدمت میں۔ مجھے آپ نے کب فرصت دی کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب ڈھونڈتا۔ تو رب کعبہ کی قسم ہے کہ آپ کی دلیل کچی ہوئی۔ اگر آپ خدا کو یہ کہتے قبر کے دہانے۔ جب وہ آپ سے یہ پوچھے کہ من ربک کہ آپ کا رب کون ہے اور اگر آپ جواب میں اسے کہیں، میرے سات بہن بھائی تھے، میرے ماں باپ تھے، میں نے خدمت کرنا تھی، میں نے بڑا کام کرنا تھا، میں نے امتحانات دینے تھے، میں تو مشکل میں الجھا رہا میرے پاس تو اتنا ٹائم نہیں تھا کہ میں آپ کے اس سوال کا جواب ڈھونڈتا تو خدا کی قسم ہے کہ آپ سچ کہتے ہیں، مگر خدا یہ کہتا ہے کہ تم جھوٹ کہتے ہو یہ تو پروٹوکول ہے اگر ان میں سے کوئی کام تمہارا ہوتا تو تمہیں جب میں نے کسی گھر پیدا کیا تھا، تمہیں پتا تھا کہ تمہاری ماں کون ہوگی، تمہارا باپ کون ہوگا، تمہیں پتا تھا کہ پانچ سال تک کیسے پلو گے، دس سال تک کیسے پلو گے، پندرہ سال تک، اگر تمہیں چوائس دے دیا جاتا، اگر چوائس تمہیں وہاں مل جاتا کہ اپنی مرضی پر گھر ڈھونڈو تو کسی غریب مسکین کا گھر بھی کوئی بچہ ڈھونڈتا، کوئی ابتلا کا گھر ڈھونڈتا، کوئی فاقے کا گھر ڈھونڈتا اور امریکہ کا بچہ پاکستان کا ملک ڈھونڈتا پھر، ایسا تو کبھی نہ ہوتا، ایسا کبھی بھی نہ ہوتا۔ پروٹوکول میں کوئی دستگاہ نہیں ہے یہ Arrangments ہیں انشاء اللہ تعالیٰ العزیز

Next time, we will get together.

ہمارا سالانہ سیشن گوجر خان میں آ رہا ہے وہ جبر و قدر کے موضوع پر ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ

We will invite you all

اس میں اس پر تفصیلاً روشنی پڑے گی تو خواتین و حضرات اب میرا خیال ہے مغرب کا وقت بہت قریب ہے اذان ہو رہی ہے تو میں بس مختصراً آپ سے یہ کہہ دوں کہ

To me and to my mind, the only top priority of intellectual curiosity is

God and nothing else.

اللہ کے سوا سوچ کی کوئی ترجیح اول نہیں ہے جب آپ ترجیح اول سے نمٹ لیتے ہیں تو یہی عقل آپ کو زندگی کے کام نمٹانے میں بھی کام آتی ہے اور آپ اپنی فراست سے جہاں خدا پہچانتے ہیں وہاں زندگی کے معاملات بھی سنوار لیتے ہیں۔

وما علینا الاا لبلاغ

سوالات وجوابات

جہاد اور توکّل میں فرق اور ارتقاء کی صورتیں!

سوال: کیا ارتقاء کا عمل اب رک چکا ہے۔ اور حضرت آدمؑ جب تشریف لائے اس دنیا میں تو اس وقت اس کی کیا اشکال تھیں؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو جہادی کام ہے وہ اسی توکل پر چھوڑ دیا جائے کہ اللہ کی طرف سے کوئی آواز آئے گی اور جہاد فلسطین اور کشمیر مکمل ہو جائے گا؟

جواب: جناب محترم میں نے صرف Placing of Priorities کی بات کی ہے کسی کو Reject نہیں کیا۔ نہ تو کسی عمل کو Reject کیا اور ظاہر ہے ہمارے نزدیک طریقت جو ہے شریعت کی نیت ہوتی ہے، اعمال کو ترتیب دینا، ان کو اپنی اپنی جگہ دینا، اور جیسے باب ایمان میں جناب سیدنا بخاری نے حدیث نقل کی کہ "(انما الا عمال با لنیات)" اور حضور گرامی مرتبت نے یہ فرمایا کہ جب کسی کام کے بارے میں جاننا ہو کہ وہ کیسا ہے تو اس کام کے کرنے سے پہلے اس کام کی نیت کر لیا کرو۔ باقی پہلے حصے کی طرف کہ ارتقاء کا عمل نہ کبھی رک سکتا ہے نہ رکے گا، مگر ارتقاء کا معیار جو ہے وہ داخلی بھی ہے اور خارجی بھی ہے اور ارتقاء کا معیار قرآنی ہے۔ میں یہاں آپ کو ایک عجیب وغریب بات بتاؤں کہ خارجی معیار کا ارتقاء تو تمام دنیا میں ہر زمانے میں ہوتا رہا، اور اللہ کی یہ آیت گواہ ہے اور تاریخ اس پہ گواہ ہے اور میسوپوٹیمیا کی اور اسلوہیولنز کی اخمی اکیمیٹر کی تمام تاریخ گواہ ہے، موہنجوداڑو کی، کہ قومیں اس وقت تباہ کی گئیں جب وہ اپنی معیشت کی انتہا پر تھیں۔ قومیں اس وقت تباہ نہیں کی گئیں جب وہ غربت وافلاس میں تھیں، تنزل میں تھیں۔ بلکہ جب بابل اور نینوا کے معلق باغات تھے تب تباہ کی گئیں، جب اہرام مصر اپنی انتہا پہ پہنچے تب تباہ کی گئیں تو وہ اس لیے تباہ کی گئیں کہ ہمیشہ معیشت اور معاشی ترقی کی جو انتہا ہے وہ انہیں مورل ابتذال سے آشنا کر گئیں اور جناب والا! ایک عجیب وغریب آپ کو حقیقت بتاؤں جو شاید آپ کو پہلے عجیب لگے اور پھر آپ اس کے لیے تاریخی حقائق ڈھونڈیں گے کہ آج تک کسی انسانی معاشرے نے کوئی مورل قانون تخلیق نہیں کیا، اول وآخر یہ انتہائی عجیب بات ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ آج تک کسی انسانی معاشرے نے کوئی مورل قانون تخلیق نہیں کیا بلکہ جو سب سے پہلا ہمارے پاس انسانی معاشرہ ملتا ہے وہ پریسٹ سوسائٹی کا ہے اور پریسٹ سوسائٹی میں پریسٹ ہمیشہ اپنی مورل گائیڈنس کو کسی بالائی قوت سے یہی اس کا

مبداءِ فیض رہا اور معاشروں میں تمام تر خارجی عوامل، ایلمین انجلشن سے مورل Create ہوتا رہا۔ اب اسے ہم لوگ ایلمین انجلشن کہیں گے مگر صاحب قرآن یہ کہتا ہے کہ میں نے ہی ہر قوم کی ابتدا اور انجام میں اس کو گائیڈ بھیجے اور تمام لاء جو انسان نے تخلیق کیا ہے وہ سہولت کا قانون ہے جتنا بھی انسانی معاشروں نے قانون تخلیق کیے یا قانون سازی کی وہ سہولت تھی Laws of Facility تھے تا کہ معاشرتی، معاشی Friction کو کم کیا جا سکے۔ ان قوانین کا مطلب نہ اخلاق پیدا کرنا تھا، نہ اس کو فروغ دینا تھا بلکہ معیشت کی اور معاشرت کی Frictions کو کم کرنا تھا۔ جیسے آپ کے سرٹیفکیٹ لاز ہیں یا جیسے آپ کے مالی معاونت کو سپورٹ کرنے والے لاز ہیں یہ تمام قوانین جو انسان نے تخلیق کیے اپنی اعلیٰ ترین اجتماعیت کی حالت میں انسان نے پھر بھی کوئی مورل لاء تخلیق نہیں کیا۔ اگر آپ غور کریں تو اس وقت تمام زمانے میں ایک بنیادی Question جو جا رہا ہے۔ ہم چھوٹے چھوٹے Questions کو نظر انداز کر دیں تو سب سے بڑا Question جو پورے انسانی معاشرے میں جاری ہے وہ Choice versus Morality ہے کہ ایک طرف تمام تعلیم، تمام نظریات مغربی جدید انسان کو چوائس آفر کر رہے ہیں کھلے ڈھلے مقاصد اس کو دے رہے ہیں۔ اس کے ذاتی مقاصد اس کو خصوصی شعور عطا کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہر نوجوان بچے کے ذہن میں ایک Question پیدا ہو رہا ہے کہ

Why should we obey the moral law, Who is God,

کیوں کہ مورل لاء Flexible نہیں ہے۔ مورل لاء اتنا Rigid ہے Moral law خدا کا دیا ہوا ہے Over the centuries محیط ہے اور اگر آج کا امریکی معاشرہ، یا برطانوی معاشرہ، یا یورپی یا آپ کا جدید معاشرہ جب چوائس کی ایجوکیشن لے گا تو سب سے پہلے آپ کا بچہ Question کرے گا کہ اگر میں زنا نہ کروں، شراب نہ پیوں، چوری نہ کروں تو

Who is going to punish me and when you tell him that God is the master mechanic of this system, then they have one more basic question who is God?

اور جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو آپ کے پاس جواب نہیں ہوتا اس لیے کہ آپ نے اپنی زندگی میں مورل لاز کو مجبوراً، اخلاقاً، عادتاً، رسماً، رواجاً نبھایا ہے مگر آپ نے کسی مورل لاء کو By Choice اختیار نہیں کیا ہوتا۔ تو نیچرلی یہ آج کے زمانے کا سب سے بڑا Crisis ہے جو ہمارے شرق و غرب دونوں طرف محیط ہے اور جب تک ہم فلسفہ خداوند پر غور نہیں کریں گے اور اللہ کی طرف سپیشل رجعت نہیں کریں گے۔ جو آپ نے بات کی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو مسلمان ہوا جس نے ابتدائے اسلام کی یا جس نے مسلمان گھرانے میں قدم رکھا اس نے پریکٹیکل Issuance پہ ہمیشہ آغاز کیا۔ اس پریکٹیکل Issuance میں نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے، جہاد بھی ہے، زکوٰۃ بھی ہے۔ کوئی شخص Hardly یہ Imagine کر سکتا ہے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو مسلمان ہو اور ان Institutions کا انکار کرے۔ اور میرے خیال کے مطابق ایسا نہ میں کر سکتا ہوں نہ آپ کر سکتے ہیں مگر مقصد یہ ہے کہ کیا آپ نے ہمیشہ کے لیے اپنی پانچویں کلاس میں ہی رہ جانا ہے یا اس سے بھی زیادہ ترقی کرنا ہے۔ ایک اعلیٰ ترین مابعدالطبیعاتی اور ماورائی Religion کو ہم چند ایک پریکٹیکل

اقدامات میں محدود نہیں کر سکتے۔ دیکھیں جب یہ دونوں سسٹم اکٹھے چل رہے تھے نیات اور عمل کا اس وقت۔ ایک سادہ سا صحابی اٹھتا تھا وہ صحابی جو شاید اتنے پست درجہ تعلیم کا مالک تھا کہ حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں عورت کا دانستہ غلام ہوا، جب میں نے اپنے آپ کو ایک عورت کی غلامی میں دیا، ایک وقت کی روٹی کے لیے۔ جب بلالؓ یمن کے گورنر بنائے گئے اور ان کو بھیجا جا رہا تھا۔ رستے میں ان سے کسی نے کہا بلالؓ آج لباس تو تبدیل کر لیتے۔ تو بلالؓ نے جواب دیا تم ہمیں آگہی سکھاتے ہو۔ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب میں ایک عورت کا از خود غلام ہوا، ایک وقت کی روٹی کے لیے۔ پھر مجھے خدا نے وہ تقوٰی اور وہ ایمان عطا فرمایا کہ وہ عورت مجھ سے اتنی متاثر ہوئی کہ وہ میرے نکاح میں آئی۔ اس نے تمام مال واسباب مجھے سونپا۔ میں اپنی اوقات اور اپنی آگہی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں تمہارے کہنے پر اپنے عادات وخصائل تبدیل نہیں کر سکتا تو جناب والا اس سے مراد صرف اتنی تھی۔ جیسے میں نے کہا اگر ایک Instituton کا سربراہ ہی موجود نہیں ہے۔ تو ہم اس Institution سے اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے لہٰذا جب جہاد جزوی اور انفرادی ہوگا تو اس جہاد کو کلی طور پر انڈرسٹینڈ نہیں کر سکتے یوں تو کہنے کو جو بھی ہمارا فوجی اور سپاہی جنگ میں جائے گا اس کی بنیادی تربیت شاید یہ ہوگی کہ آپ نے جہاد کرنا ہے یا کسی کے خلاف ملک کی حفاظت کرنا ہے۔ But پھر Internal Intention پر فیصلہ ہوگا کہ شہید کون ہے اور غازی کون ہے یہ کبھی خارجی کیفیت نہیں ہوتی۔ اور اس لیے میں جو آپ کو آج کی بات بتا رہا تھا۔ میں آپ کو وہ داخلی انٹینشنز مضبوط کرنے کے لیے کہہ رہا تھا کہ اگر مذہب ماننا ہی ہے تو اسے خدا کے لیے مانا جائے۔ اگر آپ نے اپنے شعور کو حاصل کرنا ہے اور رسم ورواج کو نباہنا ہے۔ مجھے انگلینڈ سے ایک ینگ آدمی نے Question کیا کہ

What is so strange about the practices of Islam.

ہماری بھی پریکٹسز ہیں آپ کی بھی پریکٹسز ہیں، ہمیں بھی Vesper اور Mass ملتا ہے، بلکہ ہماری عادات آپ سے بہت اچھی ہیں، ہمیں تو خیرات کرنا بڑا مرغوب لگتا ہے۔ ہم اسے پورے انسانی شعور کے ساتھ نباہتے ہیں۔

What is so special about Islam?

تو میں نے اس سے کہا کہ

I swear my honour کہ There is no difference

عادات ومشاغل کسی بھی قسم کی ہوں۔ ان میں اگر تبت کا ایک لاما پچیس سال سے ہمالیہ کی ترائی میں بیٹھا ہوا ارتکاز کر رہا ہے۔ تو وہ اپنے مقصد کے حصول میں آپ سے ہزار درجے زیادہ مشقت کر رہا ہے۔ آپ اسے کمتر نہیں گن سکتے، ایک جوگی جو پچیس سال سے قبر میں پڑا ہے۔ کوئی مراقبہ قبر کر رہا ہے۔ کوئی سورج بینی، شمع بینی کر رہا ہے تو اس میں اور کسی مسلمان میں فرق ہونا چاہیے۔

The difference is very simple.

میں نے اسے کہا کہ اگر مجھے کسی اور مذہب میں خدا ملتا ہے۔ اگر مجھے بدھ مت میں سے خدا ملتا تو بدھ مت میرے لیے follow کرنا آسان تھا۔ اگر کرسچینٹی سے خدا ملتا

I would prefer it to Islam.

مگر مقصد فیصلہ ہوتا ہے۔ رستے کا تعین یہ ہوتا ہے کہ میں کس چیز کے لیے کیا اختیار کر رہا ہوں۔ مجبوری یہ ہے کہ اللہ نے اپنے آپ کو باقی تمام اپروچز پہ بین کر دیا ہے اور فرمایا: اگر تم مجھے چاہتے ہو اور میری طرف آنا چاہتے ہو تو اب اسلام کے سوا کسی رستے پر میں تمہیں نصیب نہیں ہوں گا۔ ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' (آل عمران: آیت۱۹) اب اللہ کے نزدیک یہ Secret رستے جو ہیں تم نہیں اپناؤ گے۔ اب اگر تم نے اللہ کو پانا ہے تو پھر تم صرف اسلام پہ چل کے آؤ گے۔

There is no mysticism in any other religion.

ہر جگہ جہاں بھی آپ مذہبی Spiritualist پائیں گے، وہ دروغ گوئی کے بہت قریب ہیں۔ جب تک آپ قرآن۔ خدا اور اسلام کو منزل نہیں بنا لیتے آپ کبھی بھی اللہ کی آگہی نہیں پا سکتے اور میں اس کی بڑی واضح سی مثال کرسچین Religion سے دیتا ہوں کہ کرسچین رومن Catholicism میں بہت بڑے Saint ہیں ماشا اللہ تعالٰی بہت بڑے سینٹ اور وہ سینٹ فرانسس آف Excellency کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مراقبہ تثلیث کیا اور مراقبہ تثلیث میں یہ ہے کہ

Condition of the christ is involved into one own slef.

اور کرائسٹ کی کنڈیشن یہ تصور کی گئی کہ انہیں صلیب پہ لٹکایا گیا کوڑے مارے گئے تو سینٹ فرانسس چالیس دن مراقبے میں رہے اور بے شمار لوگوں نے گواہی دی کہ جب وہ باہر نکلے تو ان کی کمر پہ کوڑوں کے نشان تھے اور ان کے گلے میں اسی طرح کے صلیب کے نشان تھے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے گلے میں بقول

The entire Roman's catholic religion.

مگر اگر ہم اس کو تسلیم کر لیں تو سینٹ فرانسس

One of the greatest Saints of all times.

جنہوں نے اتنی زیادہ مراقباتی جدو جہد کی مگر آپ قرآن کو پڑھیں گے تو پھر آپ کو سٹینڈرڈ بالکل غلط نظر آئیں گے۔ پتا یہ لگے گا کہ سینٹ فرانسس کسی استدراج اور کسی شیطانی حادثے کا شکار ہوئے ہیں۔

It is no more God. It has never come from God. Comes that way to anybody the christ was.

کیونکہ قرآن حکیم بالکل صاف الفاظ میں کہتا ہے۔ ''وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہہ لھم'' (النساء: آیت ۱۵۷) نہ اسے قتل کیا گیا نہ اسے صلیب دی گئی۔ اگر ایک شخص کو صلیب دی ہی نہیں گئی تو مراقبہ صلیب کیا ہوگا تو میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعمال کی حیثیت اتنی زیادہ نہیں ہوتی کہ ہم ان کو Over emphasize کریں۔ اعمال اپنی جگہ مسلمہ ہیں اور کوئی بھی فرد واحد امت مسلمہ کا نماز، روزہ، جہاد اور ان چیزوں کی تلقین سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا اور کوئی شخص یہ کریڈٹ نہیں رکھتا کہ جو شریعتیں ایک دفعہ مقرر ہو گئی ہیں ان کو منسوخ کرے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جیسے میں نے عرض کیا

معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میں سجدے میں جھکتا ہوں، جب میں خدا کی نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو مجھے جنت میں ملائکہ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اور حدیث بخاری کہتی ہے کہ دو مسلمان جب ایک اندھیری رات میں گزرے تو ان کے سامنے دو چراغوں کی لویں روشن تھیں جو ان کو مسجد تک پہنچا کے گئیں۔ اسید بن حضیر نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ بادل جھک آئے اور ان میں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں تھیں اور وہ اتنے جھک آئے کہ میرا بچہ گھوڑے کے قریب لیٹا ہوا تھا اس دوران میں گھوڑا ہنہنانے لگا اور میں ڈرا کہ یہ اسے کہیں روند نہ دے تو میں نے تلاوت بند کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسید! یہ ملائکہ تھے جو تیری تلاوت کے وجدان میں نیچے اتر آئے تھے۔ اگر تو تلاوت جاری رکھتا تو یہ بادلوں سے نکل کر تجھ سے مصافحہ کرتے۔ حضرات گرامی! میں تو اس رنج میں مبتلا ہوں کہ آخر انسان Academics سے آگے کب بڑھے گا۔ نیات کے عمل سے وہ کب گزرے گا۔ خود آگہی کے پراسس سے کیسے آگے جائے گا۔ خودشناسی کہاں اور خداشناسی کہاں۔ کیا اسلام کا مقصد صرف ایکڈمکس ہے۔ یا

Islam is also a way to God. And if it is a way to God.

تو پھر اس میں کیوں لوگوں کے Citadel اور Pyramid بناتے ہیں۔ ایک جماعت میں ایک خداشناس بھی نہیں ہوتا۔ لاکھوں آدمی ہوتے ہیں اور ہم کسی جماعت کو رد کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ نہ کسی تبلیغی کو رد کرتے ہیں۔ نہ کسی اہلحدیث کو نہ کسی دیوبندی کو نہ بریلوی کو مگر ایک سوال ہمارے ذہن میں ضرور اٹھتا ہے کہ مجھے دیوبند اور بریلوی اس لیے Join نہیں کرنا کہ مجھے دیوبند اور بریلوی کی اینٹوں سے پیار ہے۔ مجھے تو یہ دیکھنا ہے ان میں سے کون سا سکول آف تھاٹ مجھے میرے مطلوب اور مقصود تک پہنچا سکتا ہے اور میرا مطلوب و مقصود صرف اللہ ہے اور اگر اس پورے پیرامڈ کو میں یہ نہیں کہتا کہ دس لاکھ آدمی خداشناس ہیں۔

But I have a question to ask all these religious people.

کہ نیک بختو! اتنے بڑے سکول آف تھاٹ میں ایک تو پیرامڈ کی ٹاپ پر کوئی خداشناس ہو۔ ایک کو تو دیکھ کے میں کہہ سکوں کہ ہاں اس سکول آف تھاٹ میں بڑی برکت ہے۔ اس میں ایک خداشناس تو موجود ہے یہ کیا بحران اور المیہ ہے اس معاشرے کا کہ وہ لوگ جو اللہ کا نام لے کر اتنا پاورفل کلچر ڈویلپ کر چکے تھے۔

Unlike all the colonial powers in the west.

آپ اسلام کی Colonial پاور کو ذرا دیکھیں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ جہاں بھی مسلمان سیاح، اور گروہ گئے ہیں انہوں نے کوئی کالونیز قائم نہیں کیں۔ آپ انڈونیشیا کو دیکھیے

One of the most leading Muslim Countries.

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے انہیں انڈونیشیا سامنے رکھنا چاہیے۔ جہاں کوئی فوج نہیں اتری، کوئی سپاہی نہیں اترا۔ چند لوگ اور ان کا کلچر کتنا مضبوط تھا۔ آیئے میں آپ کو مثال دوں آج کون سا آدمی ہے جو ویسٹ کو جاتا ہے اور وہاں رہنے کو آمادہ نہیں ہوتا۔ کون سی عورت ہے جو آپ ویسٹ سے بیاہ کے لائے ہیں اور وہ ادھر

ایسٹ میں ٹھہر گئی ہے۔

What is the difference?

The difference is ,they are so much convinced of their cultural superiority. They might change their religion. They might change their aspect of life. But they would not change their pattern of life, you see.

وہ اپنے کلچر میں اتنے مدہوش ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک آپ کے اس کلچرل Denial کو نہیں Accept کرتے۔ وہ جلد از جلد واپس جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہمارے وہ لوگ بھی جو اتنے چندھیا جاتے ہیں اس کلچر کی Brilliance میں کہ جب وہ یورپ میں جاتے ہیں

They don't easily come back.

مردوں میں پھر ایک تعداد موجود ہے۔

But I have hardly seen the women who have gone out and they still like to come back. it is very difficult.

یہ کلچر خارجی کلچر نہیں ہے۔ یہ اعمال سے پیدا نہیں ہوتا۔ یہ کلچر اسلامی نیت اور اخلاص سے پیدا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں اللہ کہتا ہے کہ مومن جب بازار میں بھی چلتا ہے تو اس کے آگے اس کا نور دوڑتا ہے۔

I am only talking about that particular culture.

اور میں اس نیت اور اس عمل کی بات کرتا ہوں جو اعمال کو رونق دے۔ میں اس نیت کی بات کرتا ہوں جو ہمارے اعمال کو نابت قدمی، رونق اور خوبصورتی دیتی ہے۔ جس سے ہمارا عمل واقعی مسلمانوں کا سا عمل لگتا ہے۔ ورنہ یہ ایک جانورانہ تقلید سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ ان شر الدو آب عنداللہ الصم البکم الذین لایعقلون (الانفال: آیت ۲۲)

حضرات گرامی! یہ ایک سوال ہے جو میرے دوست دے گئے ہیں کہ ''اللہ نور السمٰوات والارض'' (النور: آیت ۳۵) یہ پوری آیت Quoted ہے۔ خواتین وحضرات! اس میں خدا نے اپنی مثال دی۔ ابھی اس مثال کو سمجھنے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ ہماری تخلیقی کائنات ہماری بالائی کائنات کس پیٹرن میں موجود ہے۔ خداوند کریم نے اس کی مثال ایک ایسے طاق سے دی ہے جس طاق میں ایک چراغ ہے۔ چراغ کے باہر آئینہ ہے اور آئینے کے باہر روشنی ہے۔ اور یہ Exactly ان ہی Lines پہ چلتے ہوئے ہم فلاسفۂ شرق کو Nine Intelligences، کہتے ہیں اور نو سمتی اشراق عطا کیا ہے کہ خداوند کریم اپنے وجود مطلق میں جب ظاہر ہوا تو اس نے سب سے پہلے اپنے آپ کو Finest Possible نور میں ڈھالا۔ پھر وہ نور آگے بڑھتا ہوا انبیاء، انسان اور شجر وحجر تک پہنچا۔ اس پس منظر میں کئی روایات مولانا روم نے اپنی شاعری میں نقل کی ہیں۔ مگر آج کے زمانے میں اس کی مثال ذرا Different ہے۔ اس وقت جو کائنات کی نئی وضاحتیں آرہی ہیں کہ یہ ابیلانگ ٹائپ آرہی ہیں اور یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ کائنات نہ بیضوی ہے نہ گول ہے۔ بلکہ کائنات پیچھے ہٹتی ہوئی اپنے مرکز کو رجعت کررہی ہے۔ اور ایک سینٹر سے اس کا اخراج موجود ہے۔ اس کی

مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بہت بڑا شخص ایک آرام کرسی پہ بیٹھ جائے اور سوچنا شروع کر دے اور اس کی سوچ ہمہ جہتی ہو اور ہر طرف پھیلنی شروع ہو جائے۔ تو وہ اپنے اردگرد ہزاروں جہان تخلیق کر سکتا ہے۔ مگر سینٹر جو اس کا دماغ ہوگا جہاں وہ بیٹھا ہوا ہوگا اور جہاں سے ادھر ادھر جتنا بھی پھیلاؤ ہوگا وہ فرضی اور غیر معقول ہوگا۔ آپ کے تصور کی کوئی Limit نہیں، کوئی جہت نہیں۔ جدھر چاہو، آپ اسے پھیلا لو۔ خدا اور بندے کی سوچ میں صرف یہی فرق ہے کہ جب بندہ سوچتا ہے تو وہ اپنے ان تصورات کو عمل میں نہیں ڈھال سکتا۔ خدا کی سوچ یہ ہے کہ جب وہ سوچتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ ارادہ کرتا ہے بلکہ وہ قدرت رکھتا ہے اور جب وہ کلام کرتا ہے تو چیزیں ویسے ہی وجود میں آجاتی ہیں تو یوں سمجھئے پروردگار ایک مقام کی نشاندھی کرتا ہے کہ جس مقام پہ پوری تخلیقات کا سینٹر ہے۔ اور اس سینٹر کی مثال وہ یہ دیتا ہے کہ خدا اپنے کام کاج سے قطعاً تھکتا نہیں ہے۔ یہ ایک بے پناہ ذہنی قوت ہے۔ انتہا درجے کی کہ وہ اپنے تمام معاملات کو جیسے سوچتا ہے ویسے پریکٹیکلی ڈھال رہا ہے اور جیسے آئینے کے باہر آ کر اصلی روشنی کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح جب خداوند کریم اپنے مظاہر میں اترتا ہے تو اس کی روشنی کم نہیں ہوتی نہ اس کے نور کی کمی ہوتی ہے بلکہ اس کا اوریجنل سینٹر جتنا مضبوط ہے اتنا ہی رہتا ہے اور طاق کی مثال اگر آپ غور کیجیے تو خدا نے اپنی مثال اس طرح دی ہے کہ ایک طاق میں وہ کائنات کو پوری طرح پھیلا رہا ہے اور ابھی کچھ اور وقت گزرے گا کیونکہ ابھی سائنسز اس مقامات تک نہیں پہنچیں۔ سائنسز ابھی بہت سارے ایسے مقام تک نہیں پہنچیں جہاں قرآن نے وضاحت کی ہے جیسے قرآن حکیم میں سنگل یونیورس کا کوئی آئیڈیا نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے سیون یونیورسز کا آئیڈیا پیش کیا ہے۔ جیسے سات آسمان ہیں وہ ایک کائنات نہیں بلکہ سبع کائناتی تصور ہے جو قرآن دیتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن جب آسمان دنیا کی بات کرتا ہے تو قرآن یہ کہتا ہے کہ ”میں نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا۔ یہ جو ہمارے Lesser Conceptual جو لوگ تھے وہ پہلے سورج کی ایک Constellation کو آسمان قرار دیتے تھے حالانکہ قرآن بالکل واضح ہے کہ ”ولقد زینا السمآء الدنیا بمصابیح“ (الملک: آیت ۵) ”ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا“۔ ایک چراغ سے نہیں سجایا۔ Infact بات یہ ہے کہ یہ چراغ بھی Particular ہے۔ اللہ تعالیٰ چاند اور سورج کو کہیں بھی چراغ نہیں کہتا ہے۔ اب اگر دیکھا جائے تو ہماری اس Galaxial Order میں تو بلین Suns ہیں۔ اور کم از کم 200 بلین چاند ہیں۔ اب جتنے بھی جس حد تک بھی ہمیں آسمان پہ یہ جلنے والے سٹارز نظر آتے ہیں یہ خدا کے کہنے کے مطابق ایک آسمان ہے اور جہاں تک ہمارا علم کہتا ہے یہ سنگل یونیورس ہے۔ جو میں نے کاسموس، اللہ اور کائنات پہ لکھا ہے، اس میں میں نے یہ بڑی وضاحت کی ہے کہ خدا کے نزدیک یہ پوری کائنات ستاروں سے بھری کائنات ہے یعنی یہ ایک سنگل کائنات ہے۔ اور اس کی بالائی کائناتیں کئی قسم کی ہیں۔ No body knows۔ اس کے ساتھ ساتھ خداوند کریم نے نہ صرف یہ کہا کہ ہم نے سات آسمان بنائے ہیں بلکہ فرمایا کہ سات دنیائیں بھی Create کی ہیں۔ ”اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن“ (الطلاق: آیت ۱۲) اللہ تو وہ ہے جس نے سات آسمان تخلیق کیے اور ایسی ہی سات دنیائیں۔ اور یہ نہیں ہے کہ وہ دنیائیں خالی ہیں یا ان میں انسان نہیں ہیں یا بندے نہیں ہیں بلکہ فرمایا ”یتنزل الامر بینھن“ ”ان تمام زمینوں میں ہمارا حکم اترتا ہے۔ ”لتعلموآ ان اللہ علی کل شیء قدیر“ (الطلاق: آیت ۱۲) تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا رب کتنی قدرت والا ہے تو قرآن کی آیات کا وہ

ادراک جو ہمارے پاس ہے، نہایت محدود ہے۔ اور جب ہمارے علم کی وسعتیں بڑھتی ہیں تو ہماری آگہی ذات اور آگہی کائنات بڑھتی ہے۔ ہمیں خدا کی مثالیں عجیب وغریب نظر نہیں آتیں بلکہ بڑی Pertinent نظر آتی ہیں۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ ہمارے پاس جو جنتوں کے تصور ہیں بڑے محدود ہیں مگر قرآن کی ایک آیت ہی جنت کا ایسا تصور تخلیق کرتی ہے کہ جو زمین وآسمان میں کہیں سمایا نہیں جاتا اب اللہ کی جمت کرتے ہوئے دیکھیے اس مثال میں اس نے کہا کہ میری مثال چراغ کی طرح ہے مگر خدا کو خود دیکھیے تو وہ کہتا ہے کہ یہ اتنا بڑا سورج اتنا مہیب اور ہولناک سورج جو ہمارے سر پہ کھڑا ہے۔ جو نو کروڑ میل دور سے ہمیں زندگی عطا کر رہا ہے۔ اس کو خدا کہتا ہے۔ یہ ایک چراغ ہے۔ "وجعل الشمس سراجاً" (نوح: آیت ۱۶) ایک جلتا ہوا چراغ۔ اب جو پروردگار ہے وہ اتنا بڑا رب جو سورج کو ایک دیا کہہ رہا ہے، جو اس قسم کے کروڑہا ارب ہا سورجوں کو دیے کہہ رہا ہے اس کی اپنی عظمت کا کیا پیمانہ ہوگا۔ اور جو جنت اس نے آپ کے لیے بنائی ہوگی، اس کا اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ آج ہم جس کائنات کی دہلیز پہ کھڑے ہیں، اس کے عین وسط کی نشاندہی کرنے والا دور افتادہ ایک ستارہ دریافت ہوا ہے جو ہماری دنیا سے پندرہ ٹریلین لائٹ ایئرز کے فاصلے پر ہے۔ اب پندرہ ٹریلین لائٹ ایئر کے فاصلے پر جا کے ہم کائنات کو برابر تقسیم نہیں کر سکتے۔ ہمیں پتا نہیں کہ کائنات کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے اور یہ ایک کائنات ہے اور اس کے بالا کیا ہے۔ اس کے آگے کیا ہے اور ایک ایک سورج کائنات میں اتنا بڑا ہے کہ آپ کے اٹھارہ ہزار سورج اس میں آجاتے ہیں۔ اب یہ میگا ڈیفرنس ہے۔ کوانٹم تھک گئی ہے۔ Relativity تھک گئی ہے۔ اب آگے کوانٹم اور Relativity کے فلاسفرز نے فیصلہ کیا ہے کہ یار پکی کوئی بات نہیں۔ قطعاً کوئی پکی بات نہیں۔ کوئی پکی بات ہم کر ہی نہیں سکتے وہ کہتے ہیں آپ کوئی آپشن کائنات میں سوچ لو حتیٰ کہ وہ اس حد تک چلے گئے ہیں کہ کائنات میں آپ کوئی تھیسس بنا لو، کوئی نہ کوئی نکل آئے گا۔ تو سوچیے وہ یہ کہنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کائنات بالا میں انسانی ذہن کا ہر وہم، ہر وسوسہ، ہر خواب پورا ہو سکتا ہے اور پھر بھی کائنات آپ کو سمجھ میں نہیں آئے گی۔ تو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ جنت کا حدود اربعہ واضح کرتا ہے فرمایا: زندگی اور موت کے بعد مومنین اس جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ "وجنة عرضها السموت والارض" (آل عمران: آیت ۳۳) جس کی چوڑائی اور لمبائی سات زمینوں اور سات آسمانوں سے بھی زیادہ ہے Can you imagine? کیا آپ تصور کر سکتے ہیں۔ ہماری جنت کا تصور کیلے کے لگے ہوئے باغوں کا ہے اور خداوند کریم نے یہ چیزیں قرآن میں لکھی ہیں۔ مگر جو ہماری حدود ان کو متعین کرتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے کہ جس کے نیچے ایک آدمی سو برس چلتا جائے گا اور وہ ختم نہیں ہوگا۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت میں ایک مکان سے دوسرے مکان کا فاصلہ پانچ سو برس کا ہے۔ تو وہ وہاں کیسے جائیں گے۔ فرمایا براق پر، یعنی ایک مکان سے دوسرے مکان کا فاصلہ 500 لائٹ ایئرز کا ہے۔ تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ جنت

Is the huge most galaxy, inconceivable greater than seven earths and the skies.

اور اس Galaxy میں کتنی جگہ ہے۔ یہ بھی تھوڑی سی بات آپ کو بتا دوں کہ کتنی جگہ ہے اس میں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب جنت میں لوگ داخل کر دیے جائیں گے تو پھر بھی جنت میں جگہ بچ جائے گی اور اللہ

پھر نئے لوگ پیدا کرے گا اور نئی پھر آزمائشیں ہوں گی اور پھر نئے لوگ داخل ہوں گے

Do you understand what he says?

اس زمین پہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا یہ فلسفہ خیال نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ پہلی دنیا نہیں ہے۔ یہ تو ایک مسلسل تخلیقی پراسس ہے جو سات دنیاؤں کا اور وہ کہاں کہاں واقع ہیں، اللہ اس کو بہتر جانتا ہے اور یہ بھی میں آپ کو یقین سے کہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنے مرنے سے پہلے شاید ایک آدھ دنیا کا سگنل دیکھ لو۔ میرا یقین یہ کہتا ہے کہ Sciences اس وقت تک ہیں جب تک قرآن کی یہ دور از کار باتیں پوری نہیں ہو جاتیں۔

Scientist is learning the same thing in hard way, which God has stated to the people with easier way.

تو فرق صرف اتنا ہے کہ خداوند کریم نے جو باتیں لکھ دی ہیں۔ ابھی تو بہت ساری باتیں ایسی ہیں قرآن کریم کی۔ ابھی آپ دیکھیے گا اگلے پانچ سال میں، قرآن کی ایک اور بات پوری ہو جائے گی۔ جس پر کبھی پرویز صاحب نے بڑا شدید اعتراض کیا تھا کہ جانوروں کی بولی (سلیمانؑ) نہیں سمجھتے تھے اب ایسے آلے نکل آئیں گے جو آپ اپنی جیب میں رکھ کر اپنے جانوروں سے کلام کر سکیں گے۔ ہو سکتا ہے صبح سویرے مرغ کی اذان آپ کو لفظ بلفظ سنائی دے۔ وہ کیا کہہ رہا ہے، کیا نہیں کہہ رہا۔ تو ہر بات اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری ہونیوالی ہے، مگر بدقسمتی یہ ہے کہ یہ عصر دجال ہے اور پراگرس ایک Limit تک ہے اور اس کے بعد جیسے اللہ چاہے گا جب قرآن اپنے تمام حالات میں ثابت ہو جائے گا۔

And in the next ten years، آپ کی اطلاع کے لیے ہے کہ لوگ جہازی طریقے سے Travel کرنے کے بجائے شعاعی طریقے سے Travel کریں گے۔ اسی طرح جیسے ملکہ بلقیس کا تخت لایا گیا تھا۔ ابھی میٹل کی ایک چھوٹی سی ڈلی انہوں نے ایک جگہ سے دوسری جگہ ٹرانسفر کر لی ہے۔ اب Fusion اور De fusion بھی ہو چکی ہے اور آپ کو پتا ہے مارکونی نے پہلے پہل ریڈیو ویو Length جو ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک پہنچائی تھی۔ بعد ازاں اس کا نتیجہ آپ کہاں کن ایجادات میں نکلا۔ تم بہت بہتر جانتے ہو مگر میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ خدا اتنی بلند اور اتنی جہت میں پھیلا ہوا ہے کہ یہ کہنا بڑا مشکل ہے۔ اسی لیے خدا نے دوسری جگہ یہ فرمایا کہ تمہارے پاس میری جیسی کوئی شے نہیں، کوئی مثال نہیں ہے۔ یہ مثال میں تمہیں سمجھنے کے لیے دے رہا ہوں۔ یہ میری مثال نہیں ہے۔ لیکن اگر تمہیں بہت اچنبھا ہو۔ تمہیں بہت پریشانی ہو تمہارے ذہن میں بہت سارے سوال آئیں کہ خدا کیسے کائنات چلاتا ہے۔ خدا کائنات میں کیسے ہوتا ہے۔ خدا کائنات میں کہاں بیٹھتا ہے تو میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ پوری کی پوری کائنات پیچھے ہٹتی ہوئی ایک طاق کی طرح ایک نکڑ میں آ جاتی ہے اور اس نکڑ میں، میں بیٹھا سوچتا ہوں اور جیسے جیسے میں سوچتا ہوں چیزیں پھیل رہی ہیں جیسے تمہارا دماغ ایک طاق کی طرح ہے۔ اس میں دماغ کا چراغ جلتا ہے اور اس میں آپ خواب وخیال Built کرتے ہو۔ پتا نہیں کہاں سے کہاں چلے جاتے ہو۔ ڈے ڈریمنگ جسے کہتے ہیں۔ ہول گیدرنگ جسے کہتے ہیں اور دیکھیے ہوتا وہی ہے کہ اتنی بڑی سوچیں ہم امریکہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، انگلینڈ بیٹھے ہوئے ہیں باتیں ہو رہی ہیں، رومانس ہو رہے ہیں،

شادیاں ہو رہی ہیں، کاروبار چل رہے ہیں مگر جب ہم اکتا جاتے ہیں تو ایک جھٹکے سے کہتے ہیں! بس بھئی۔ That's all

And the moment you get up come into the real sense the whole show is lost. And dreams are lost.

اس دن اللہ میاں کہیں گے کل یقیناً ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ پھر جب اتنے سارے خواب دیکھ لے گا، اتنے سارے Dream world کو ختم کرے گا اور اس کی ڈریم ورلڈ Real ہے۔ غلط نہیں ہے۔ اس لیے کہ خدا نے انسان کو پیدا کرتے ہوئے ایک چیز اس سے لے لی، دو چیزیں اپنی دے دیں۔ اللہ قدیر تھا۔ انسان کو اللہ نے مرید کر دیا۔ متکلم کر دیا۔ قدرت دے دی، یہ قدرت اس سے لے لی، اگر ہم قدیر بھی ہوتے۔ ہم عبدالقدیر ضرور ہو سکتے ہیں لیکن قدیر نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم قدیر ہوتے تو ہم اپنی ہر خواہش کو پورا کر سکتے۔ آپ نے سنا ہے جنت میں کیا ہوتا ہے۔ آپ خواہش کریں گے اور چیز آ جائے گی۔ یعنی آپ کی دماغی قوتیں اتنی بڑھ جائیں گی کہ آپ کو اللہ میاں وہ قدرت دے گا جو اس کی اپنے ساتھ مخصوص ہے اور جنت میں یہی ہوگا کہ جو چاہو گے بناؤ گے۔ اگر مونگے کا محل پسند ہے تو مونگے کا محل موجود ہو جائے گا۔ اشیا فطرت میں ایک ہیں، اپنی تخصیص میں ایک ہیں۔ اپنے Origin میں ایک ہیں۔ اپنی Nature میں ایک ہیں اور اسی لیے رسل نے کہا تھا کہ

We only know the relationship of things, we don't know the nature of things.

ہم صرف اشیا کے تعلق کو جانتے ہیں، اشیا کی فطرت کو نہیں جانتے اور رسول گرامی مرتبت کی ایک دعا ہے کہ ”اے اللہ مجھے اشیاء کی فطرت کا علم دے“ دیکھیے اپروچز میں کتنا فرق ہے۔

This is what I am always telling. کہ اگر آپ کو خدا سے وابستگی ہوگی تو آپ اللہ سے اشیاء کی فطرت کا علم مانگیں گے تو یقیناً آپ کی وسعت ذہن، آپ کا ابلاغ، آپ کی قدرت ذہن از حد بڑھے گی اور West is no West, East is no East یہ تو بات اللہ کے بندوں کی ہے، اور اللہ کا بندہ نہ ہونے کی۔

تصوف کی روشنی اور سائیکالوجی کے سائے!

سوال: آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ والی بات کی ہے کہ کون و مکان کی کوئی حد تک نہیں ہوتی۔ جب ہم یہ باتیں سائیکالوجی کے سٹوڈنٹ سے کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے جی

It falls in curriculum of para Psychology Is it so? Sir

جواب: بات یہ ہے صاحب کہ سائیکالوجی کی اپنی حدود ہیں۔ سائیکالوجی کی کبھی بھی Intention خدا شناسی نہیں رہی۔ بہر حال اس کی Intention خود شناسی اور خود آگاہی ضرور ہے۔ اور سائیکالوجی کا مقصد یہ ہے کہ بدتر اور کمزور Self کو بہتر اور کارآمد Self میں ڈھال لینا اور اس کے لیے ماڈرن سائیکالوجی جتنے بھی Complexes جتنے بھی فوبیاز جتنے بھی Superstitions سے لڑتی ہے۔

Psychology likes to provide a good scientific reason for all the deeds.

ہوسکتا ہے آپ جسے جن قرار دے رہے ہیں۔ سایکالوجی اسے ہسٹیریا قرار دے۔ آپ جسے عمل تعویز اور سحر سمجھ رہے ہوں، سایکالوجی اسے Obsession اور Posession کا عمل قرار دے۔

And there we fully agree with psychology, because God is not God of unreasonable incidents. God is a God of Reason.

علم وحکمت اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے اور خداوند کریم نے انسانی درجات کو آسیب پہ نہیں تخلیق کیا۔ اللہ نے علم پر انسان کے درجے تخلیق کیے ہیں۔ (آیت) ”جس کے چاہتا ہوں درجے بلند کرتا ہوں۔ اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے“ مگر حضرات گرامی! سایکالوجی قطعاً آپ کو خدا شناسی کا سبق نہیں دے سکتی اس لیے کہ سایکالوجی Move کرتی ہے۔

From self to the self سایکالوجی Self سے Self کو Move کرتی ہے۔ سایکالوجی نفس کی تعلیم ہے، نفس کی ترغیبات کی تعلیم ہے نفس کی Arrangements کی تعلیم ہے مگر جب Ultimately کہیں لے کے جائے گی تو آپ کو ایک بہتر نفس تک ہی لے کے جائے گی اور یہاں سے تصوف شروع ہوتا ہے ”ولمن خاف مقام ربه جنتن“ (الرحمٰن: آیت ۴۶) ”کہ جو خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس نے اپنے نفس کی مخالفت کی“

Now you see, the difference is understandable between the two

کہ ایک آدمی ترقی کرتا ہے Initiative رکھتا ہے وہ ایک چھوٹے سے افسر سے ترقی کر کے گورنر یا صدر بن جاتا ہے۔ تو سایکالوجی اس کو کامیاب انسان کہے گی۔ اعلیٰ ترین انسان کہے گی اس کی صلاحیتوں کی تعریف کرے گی۔ ہو سکتا ہے وہ خدا کی سائنسز میں اول درجے کا مردود ہو، اس لیے کہ مکروفریب سے، غیبت سے، چالبازیوں سے اس نے اپنی زندگی کے اقتدار کو حاصل کیا اور سایکالوجی اس کو Appreciate کرے گی۔

He has used his skill. He has used his determined actions. He has used this and that and ultimately he reached at very high position.

مگر اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ خدا کے نزدیک ان لوگوں کی حیثیت ہے جو اپنی جبلی اقتدار کو عقل وعلم کے لیے قربان کرتے ہیں، اور پہلی عقلی استعداد اس وقت پیدا ہوئی جب نسل انسان نے جبلت کے خلاف جہاد کیا اور خواتین وحضرات آج بھی یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف بہترین عقل سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اور عقل کے بغیر تلاش کا جو حشر ہوتا ہے وہ آپ کے معاشرے میں بالکل ظاہر ہے کہ ہر آدمی تعویز دھاگا اور جادو سحر کی مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ And nobody realizes کہ جہاں اللہ ہے اور جہاں پروردگار کی یاد موجود ہے اور جہاں خداوند کریم کا آسرا نصیب ہو وہاں کسی قسم کے ظلم وستم کا شائبہ نہیں ہوسکتا۔ مگر خدا نے کہا ”ومن يعش عن ذكر الرحمن نقيض له شيطانا فهو له قرين“ (الزخرف: آیت ۳۶) کہ جو رحمان کے ذکر سے غافل ہوئے ہم ان پر شیطان کو غلبہ دے دیتے ہیں وہ ان کے قریب ہے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیرا سایکالوجی تصوف کے بہت سارے واقعات کو Paranoid Illusion

سمجھتی ہے۔ Illusion Paranoid یا Delusion سمجھتی ہے درحقیقت Illusion Paranoid یا Delusion ہو بھی سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایک بندہ صوفی نہ ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ چونکہ تصوف کے تمام معیارات عقلی ہیں اور تصور کا اعلیٰ ترین معیار اعتدال ہے کیونکہ بہت سارے لوگ صوفیانہ مزاج کے ہوتے ہیں نہ معتدل ہوتے ہیں اور نہ عاقل ہوتے ہیں۔ اس لیے سائیکالوجی کو انہیں جنونی ڈکلیئر کرنے میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے جسے آپ مجذوب سمجھ رہے ہیں وہ واقعتاً سائیکالوجیکلی جنونی ہو۔ اس لیے آپ سائیکالوجی کو Ignore نہیں کر سکتے۔ علم نفس کی وہ مہارت، وہ محنت وہ استعداد جو انہوں نے اسلامی سٹڈی میں Gain کی ہے اس کی بہرحال تعریف کی جانی چاہیے۔ مگر تصوف اس سے ذرا آگے ہے۔

اللہ کا اسم ہی اسم اعظم ہے

سوال: (مفہوم) آپ نے آیت پڑھی ”وعلم آدم الاسماء کلھا“ (البقرۃ: آیت ۳۱) اسماء سے کیا مراد ہے۔ کیا ان سے مراد اسمائے الٰہی ہیں؟

جواب: یہ آخری سوال ہے جو میں ڈیل کروں گا اور بھی سوال ہیں اس کے بعد۔ بہت سارے انسان اس سسکتی ہوئی انسانیت میں اپنے مصائب کے لیے رب کو پکار رہے ہیں۔ اب ایسا ہے کہ میں ماں سے زیادہ بندے سے پیار کرتا ہوں تو پھر یہ کیوں حل نہیں ہو رہے ہیں۔ ہر عمل بے روح کیوں ہے۔ جواب تو آپ نے دے دیا کہ ہر عمل بے روح ہے۔ اس لیے بہت سارے لوگ جو اللہ کو پکارتے ہیں، بہت سارے لوگ اسی وقت بہت سارے اسباب کو بھی پکار رہے ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ تو اگر اللہ کو ایسے پکارے کہ تیرے دل میں اللہ کے سوا اور کوئی نہ ہو تو یہ تیرا اسم اعظم ہے۔ In Fact میں نے اپنی زندگی میں اس شخص کو کبھی پریشان، دردمند اور رسوا نہیں دیکھا جو مصائب میں صرف اللہ کو پکارتا ہے۔ اصل میں ہمارے پاس اللہ ایک Excuse کی طرح ہے۔ ایک ایسا Excuse کہ جب تمام اسباب کی خداوندگی کم ہو جائے، جب ہم تمام خدا دیکھ لیں، اسباب سارے دیکھ لیں اور اس کے بعد اگر ہمارے مسائل حل نہ ہوں تو پھر ہم اللہ کو پکارتے ہیں اور یہ پکارنا جبراً ہوتا ہے۔ سنی سنائی بات ہے کہ چلو جی اب ایک خدا باقی رہ گیا ہے جسے اللہ کہتے ہیں، چلو اس کو بھی Try کر لیتے ہیں۔ آپ اللہ کو پکارتے ہیں اے اللہ تو یہ کام کر جب وہ نہیں کرتا تو کہتے ہیں اللہ تجھے بھی دیکھ لیا۔

In fact, you see, God has always served people as an excuse.God has not been taken as almighty Allah, As one who can realy solve every bit of your problems….

یہ توکل میں کمی اور خدا کے اعتقاد میں کمی کے باعث ہوتا ہے اور آپ کے اندرونی بحران کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں کہ خدا کسی کی نہ سنے۔ وہ ہمیشہ سنتا ہے اور اگر نہیں سنے گا اگر آپ کی بلا بڑی ہے تو میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو اتنا صبر ضرور دے دیگا کہ آپ اس بلا کے نکلنے تک محفوظ رہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا آپ کو آزمائش میں تنہا چھوڑ دے مگر چونکہ وہ دلوں کا حال جانتا ہے ”واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون“ (البقرۃ: آیت ۳۳) ”میں اچھی

طرح جانتا ہوں جو تمہارے دلوں میں ہے اور جو تم چھپاتے ہو" وہ آپ کے دلوں کو جانتا ہے کہ آپ کو اللہ پر کتنا یقین ہے اورارد گرد کے خداؤں پر کتنا بھروسا ہے۔

کیا خداشناسی کا علم مخصوص لوگوں کے لیے ہے؟

سوال: حضرات گرامی ایک بہت طویل سا سوال ہے کہ خداشناسی کے علم پر آج جو نشست ہوئی آیا یہ علم بہت زیادہ پڑھے لکھے یا سمجھدار لوگوں کے لیے ہے یا پھر اس سے عام طالب علم بھی مستفید ہو سکتا ہے۔ اگر یہ علم عام لوگوں کے لیے مشعل راہ کا کام کرسکتا ہے تو پھر اس سلسلے میں جب کیا آپ کسی یونیورسٹی کے قیام کا ارادہ رکھتے ہیں یا اس علم کو صرف چند سو افراد تک محدود کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: حضرات گرامی! یہ بڑا اچھا سوال ہے۔ دراصل مجھ سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ چلو جی آپ نے تھوڑا سا پڑھا لکھا، آپ نے کوشش کی اور آپ خدا تک کسی نہ کسی صورت حال میں دعوتاً یا مقصداً پہنچ گئے تو وہ لوگ کیا کریں گے جو اتنا علم نہیں رکھتے۔ تو حضرات گرامی میں سمجھتا ہوں آج کا انسان خاصا شاطر ہے۔ اپنے آپ کو ذہین سمجھتا ہے تو جو آدمی اپنے آپ کو ذہین، سمجھدار، پڑھا لکھا، انا پرست سمجھے اس کو تو چاہیے کہ خدا کو تلاش کرے اور اگر کوئی ایسے سادہ لوح بھی ہیں جو یہ کام نہیں کرسکتے تو پھر ان کے لیے دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ کوئی خداشناس تلاش کریں۔ تو دونوں صورتوں میں براُت ہے۔ Range of mind is different اور اگر انہیں اپنی Capacity of mind کا اتنا بھرپور احساس نہیں ہے تو پھر وہ ایسے کریں کہ یا خود تلاش کرلیں یا پھر کسی ایسے کو تلاش کرلیں جو پہلے سے حقیقت علم سے واقف ہو۔ باقی جو میری بات ہے Frankly telling you جو کچھ بھی تجربات وحوادث کی شکل میں مجھے ملا ہے، وہ لوٹا رہا ہوں جو اللہ نے دیا ہے، زندگی سے جو سیکھا ہے

I think everybody is capable of knowing God.

میرا اپنا خیال یہ ہے ایک سادہ ترین انسان سے لے کر اعلیٰ ترین ذہانت کے انسان تک سارے لوگ اللہ کو جاننے کے قابل ہیں۔ خدا نے ہمارے کمپیوٹرز میں ایک Inherent صلاحیت رکھی ہے اور یہ صلاحیت کوئی اور کام کرسکے یا نہ کرسکے مگر خدا کو جاننے کا ضرور فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام لوگوں سے قبر میں ایک ہی سوال نہ پوچھا جاتا۔ یعنی جب ایک موچی سے، ایک قصائی سے، ایک پروفیسر سے، ایک دانشور سے، ایک مزدور سے ایک ہی بات اللہ پوچھ رہا ہے کہ من ربک تو ایک ان پڑھ آدمی بھی تو کہہ سکتا ہے نا کہ یا اللہ میں نے تو ساری عمر جوتیاں گانٹھی ہیں میں نے تو کتاب پڑھی ہی نہیں میں کہاں سے تجھے جواب دوں تو پھر وہ سچا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ میاں میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔ مگر خدا کہتا ہے نہیں میرے بندے نے جھوٹ کہا کیونکہ یہ صلاحیت میں نے ہر انسان کو دے رکھی ہے وہ بقدر استطاعت اپنے رب کو پہچان سکتا ہے۔

جلوہ بقدر ظرف نظر دیکھتے رہے
کیا دیکھتے ہم ان کو، مگر دیکھتے رہے

حضرات گرامی! ایک حقیقی بات یہ ہے کہ تین آدمیوں سے یہ قلم اٹھا۔ یعنی سوئے ہوئے، مجنون اور مجذوب سے یہ قلم اٹھالیا جاتا ہے۔ بچے سے یہ قلم اٹھالیا جاتا ہے ورنہ اور کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس پہ شناخت پروردگار بقدر ظرف نہ اٹھے۔ یہ Inherent کوالٹی ہے ہر انسان کے کمپیوٹر میں اللہ تعالیٰ نے کم از کم یہ وعدہ شناخت ضرور رکھا ہے۔ لیکن ایک سادہ سی بات ہے کہ ایک شخص نے مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب آج میں خدا کو مان گیا ہوں بڑا excited میرے پاس آیا۔ تو میں نے کہا کیسے مان گئے ہو۔ تو اس نے مجھے کہا کہ جی میں گھر سے قسم کھا کر نکلا تھا اللہ میاں اگر مجھے سڑک پر پچاس روپے کا نوٹ مل گیا تو تجھے اللہ سمجھوں گا ورنہ نہیں سمجھوں گا۔ وہ مجھے کہنے لگا پروفیسر صاحب قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں جونہی سڑک پر آیا تو پچاس کا نوٹ پڑا تھا۔ میں نے کہا تیرے اللہ کی قیمت پچاس روپے ہے، دیکھ لو۔

But I would say this is a manner of argument in every body.

ہر آدمی نے اللہ کے بارے میں اپنی اپنی Argument رکھی ہوئی ہے۔ یہ ہو گیا تو سمجھوں گا اللہ ہے، یہ ہو گیا تو سمجھوں گا اللہ نہیں ہے And Then اپنے اعتبارات کو Build کرتا ہے مگر Main Argument جو آپ نے دیکھا، حضرت ابراہیمؑ، نمرود کا محاکمہ ہوا، اور نمرود نے کہا اے ابراہیم تو کہتا ہے خدا زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے" قال انا احیی و امیت" (البقرۃ: آیت ۲۵۸) "میں بھی زندہ کرتا ہوں میں بھی مارتا ہوں" اور پھر اس نے ایک بندے کو جسے پھانسی کی سزا ہوئی تھی اسے چھوڑ دیا اور ایک دوسرے بندے کو جو اچھا بھلا بیٹھا تھا اسے قتل کر دیا تو اس نے کہا دیکھا ابراہیم۔ تو ابراہیمؑ نے اسے Argument دی اور وہ Argument یہ تھی کہ خدا ایک چھوٹے سے دربار کا خدا نہیں ہے۔ ایک مملکت کا خدا نہیں ہے۔ بلکہ خدا ایک پوری کائنات کا خدا ہے اور جب تک تو اپنے غلبے کو بیرون کائنات تک مجھے کر کے نہیں دکھائے گا میں اس Argument کو تسلیم نہیں کروں گا اب ابراہیمؑ نے کہا 'قال ابراهيم فان الله ياتي بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب" (البقرۃ: ۲-۲۵۸) "کہ میرا رب تو مشرق سے سورج چڑھاتا ہے تو مغرب سے چڑھا" کافر مبہوت ہوئے۔ تو ابھی دیکھیے خدا کے ثبوت کے لیے جو معجزات پیغمبروں کی زندگی میں آتے ہیں یہ ہر آدمی کا Place of Faith ہے۔ ایک شخص نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تجھے پیغمبر نہیں مانوں گا جب تک چاند دو ٹکڑے نہیں ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے وہ ساعت قریب آ گئی چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور ہزاروں حجتیں جو حضرت موسیٰ پہ ان کی قوم نے رکھیں۔ وہ یہ وضاحت کرتے ہیں کہ ہر آدمی کا

Standard of justification of truth is different

اور اپنی اپنی قدر کے برابر ہے۔ اسی طرح انکار کے دلائل، ایک بہت بڑے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ آف فلاسفی جو اللہ کے بڑے سخت خلاف تھے تو میں نے ان سے پوچھا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ جی ہاں ہے۔ میں نے کہا حضور کیا ہے؟ تو کہنے لگے دیکھو، میرا ایک جوان بھائی تھا مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی خدا نے اسے جوانی میں کیوں اٹھا لیا، پھر رونا بھی شروع ہو گیا خدا ناانصاف نہیں ہو سکتا ہے۔ میرے ساتھ بڑی ضد کی، بڑی ناانصافی کی۔ ایک اور صاحب ملے انہوں نے کہا پروفیسر صاحب میں تو ایمان سے چلا گیا، میں زندگی بھر رو رو کے اپنے بھائی کی زندگی کی دعائیں مانگتا رہا میں حج کو گیا، میں حج کے دوران میں جہاں بھی گیا، ایک ہی دعا مانگی میں نے کہا یا اللہ میرے بھائی کو بڑی طویل زندگی

دے، میں واپس آیا تو وہ مر گیا۔ اس کا میں کیا کروں۔ میرا خدا سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے۔ میں نے کہا بھائی اگر اللہ پہ اس طرح کا اعتقاد ہے تو دو جمع دو بھی بدل کے دیکھو تم جذباتی ہوئے ہو تو یہ چھ ہو جاتے ہیں تمہارا بچہ مر جائے تو دو جمع دو تین ہو جاتے ہیں۔ جب ایک چھوٹی سی Mathematical Preposition تمہارے جذباتی تغیر اور تبدل سے نہیں بدلتی تو اتنی بڑی کائناتی حقیقت کو تم ماں باپ کے مرنے سے بدل دیتے ہو، تمہارا بچہ مر جائے گا تو تم خدا پہ اعتبار چھوڑ دو گے تو God has no such concept اس کو اتنی بڑی کائنات چلانی ہے کہ اس کے پاس ان چھوٹی چھوٹی Sentimental Approaches کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ تو پتا نہیں کیسے اسے خیال آیا کہ میں نے انسانوں سے محبت کرنی ہے، خیال رکھنا ہے، میں نے انسانوں کو گلے لگائے رکھنا ہے اور یہ پکا اپنی کتاب میں بھی لکھ دیا۔ اپنی کتاب میں دیکھو اللہ میاں کیسے اپنے جبر کو اپنے اوپر مسلط کرتا ہے کہ کتاب میں لکھ دیا کہ میں نے اپنے اوپر یہ فرض کر لیا ہے میں ہر حال میں انسان پہ رحم کروں گا۔ ایسی عجیب و غریب سوچ، یہ پروردگار نظر ہی نہیں آتا کیونکہ اتنی بے پناہ قوتوں کے درجات کے باوجود انسانوں کی محبت اور رحمت اپنے اوپر غالب کر لی۔ ’’کتب علی نفسه الرحمة‘‘ اور جب یہ فرض کر لی تو نہ صرف یہ کہ اس رحمت کو Abstract رکھا ایک بے کراں رحمت کو Abstract رکھا بلکہ اس بے کراں رحمت کو مجسم کر دیا ادھر کہا ’’الحمدلله رب العالمین‘‘ (الفاتحہ: آیت ۱) ادھر کہا ’’کتب علی نفسه الرحمة‘‘ (الانعام: آیت۱۲) ادھر کہا ’’وما ارسلنک الا رحمة للعلمین‘‘ آپ غور کریں تو کائنات کی وجہ تخلیق نظر آتی ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے رحمت اپنے اوپر غالب کر لی۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اوپر غالب کیا اور کتاب میں یہ لکھ دیا کہ اس میں کوئی لفاظی کوئی Imagination استعمال نہیں کر رہا، میں سیدھی سی قرآنی آیات کا ترجمہ آپ کو پیش کر رہا ہوں۔ اللہ نے فرمایا ’’الحمدلله رب العالمینَ‘‘ ایک جگہ فرمایا کہ میں نے مخلوقات کی تخلیق سے پہلے یہ لازم کیا کہ ہر حال میں ان پہ رحمت فرماؤں گا ’’کتب علی نفسه الرحمة‘‘ ایک جگہ فرمایا ’’وما ارسلنک الا رحمة للعلمین‘‘ صرف رب اور رحمت کا فرق رہ جاتا تو بندگی کے سوا آج تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات سمجھ نہیں آتے خالق و مخلوق کا فرق تو کہیں نہیں مانا جائے گا مگر خالق و مخلوق کے علاوہ جو واحد وجہ سمجھ آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کی کہ جیسے ہر آدمی کی Appreciation جو ہے کسی بالغ نظر کو Appreciate نہیں کر سکتی۔ میں اگر ایک بڑا اچھا فلاسفر ہوں یا دانشور ہوں یا شاعر ہوں تو ہر آدمی کی تعریف مجھے خوش نہیں کر سکتی۔ اگر ایک ان پڑھ آدمی آ کے واہ واہ شروع کر دے گا تو میں خاصی شرمندگی محسوس کروں گا اور اگر ایک پڑھا لکھا آدمی خاموش رہے گا تو میں کہوں گا جس کو سمجھ آئی تھی اس نے تو تعریف ہی نہیں کی اور جس کو سمجھ ہی نہیں آئی خواہ مخواہ مجھے الجھائے جا رہا ہے۔ تعریف میں تو دراصل خدا کو بھی سب کی تعریف پسند نہیں آتی جب تعریف کے Ranks بھی بنائے گئے تو اسے ایک ہی بندے کی تعریف اپنے لیے پسند آئی اور اس نے اس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا۔ احمد کا مطلب ہی یہی ہے کہ تعریف کرنے والا۔

تو حضرات گرامی یہ ایک سوال ہے کہ علم اور معرفت میں کیا فرق ہے؟ کیا معرفت محض عطائے الٰہی ہے؟ یا کوشش سے ممکن ہے۔ حضرات گرامی علم کا نتیجہ ہی معرفت ہے۔ اگر آپ کا ذہن تجسس اور سوچ رکھتا ہے جاننے کی، سمجھنے کی اور آپ کا شعور Progrresive ہے تو علوم سے گزرتے ہوئے اس کی واحد نیچرل منزل اللہ ہے۔ تمام عقلی جدوجہد، شعور

اور بلاغت فکر و نظر بالآخر اللہ پہ آ کے ختم ہوتی ہے اگر آپ کو علمی جد و جہد سے اللہ نہیں ملا تو آپ کو واپس پلٹ کے یہ دیکھنا ہوگا کہ نقص علمی جد و جہد میں کہاں ہے

Then must be some fault in your understanding and approach.

اور یقین جانئے کہ Reasonable آدمی جو پچھلے دنوں ایک امریکن ایمبیسڈر تھے انہوں نے انڈیا میں کہیں میرا ذکر سنا تو وہ آتے ہی مجھے کہنے لگے

I am a spiritualist for the last 30 years.

I have come to share my spirtual and celestial experiences with you.

میں نے کہا Welcome۔ تو میں نے کہا جی موضوع کیا ہوگا تو کہنے لگے "Spiritual" تو میں نے اسے کہا کہ پیشتر اس کے کہ آپ سے کچھ سیکھوں، میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں کہ Spiritualism means nothing اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں جو کچھ بھی آپ کے پاس ہے اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

Because I know you have no knowledge of God.

تو ظاہر ہے انہوں نے کہا جی آپ pre-guess کر رہے ہیں تو میں نے کہا نہیں

I am not pre-guessing

آپ اس Path پہ ہی نہیں ہیں تو میں نے ان سے پوچھا تم کیا کرتے رہے ہو۔ اس نے مجھے کہا کہ میں مدتوں سے خدا کی تلاش میں ہوں۔ میں خدا کی تلاش میں دس سال رومن کتھولک رہا۔

I did not find God. so I change my religion

پھر میں Jew ہو گیا۔ میں بنیادی طور پہ Jew تھا۔ میں پھر اپنی Judaism کو لوٹ آیا پھر

I stayed there about 10 years . I did not find God.

پھر میں نے Judaism کو چھوڑ دیا پھر میں ہندو ازم کی طرف راغب ہوا اور چونکہ میں انڈیا میں تھا تو میں نے پانچ سال مسلسل جانچا پرکھا۔ ان سب کا مطالعہ کی

I did not find God. پھر میں بدھ ازم کی طرف گیا لیکن مجھے خدا نہیں ملا۔ میں نے کہا خدا نہیں ملا تو spiritualism کیا ہوتا ہے

What do you mean by spiritualism

تو میں نے اس سے question کیا؟

Why did you not try Islam.

I do not know why, but i did not try Islam.

کہتا ہے I did not know why, but I did not try Islam میں نے کہا نہیں

You have to answer this question.

تمہیں دکان چاہیے تھی کہ سودا چاہیے تھا اور اگر تمہیں سودا چاہیے تھا تو تم اسلام کو کیوں Ignore کر گئے۔ باقی مذاہب کو تم نے بڑا پوچھا، بڑا ادھر ادھر گئے، سارا Try کیا تو کہنے لگا کوئی خاص بات نہیں۔ میں نے کہا خاص بات تھی کہ اسلام کے خلاف تمہارے دل سے تعصب نہیں گیا۔ تمہیں خدا کی تلاش نہیں تھی اگر خدا کی تلاش ہوتی اور اگر تمہیں پتا تھا کہ مسلمان بھی یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ ہم سے خدا ملتا ہے تو تم اسلام بھی Try کرتے تو میں نے کہا ذرا پھر دل ٹٹول کے دیکھو تم ابھی اپنی سائیکالوجی آف سیلف ہی سے نہیں نکلے تم نے آگے کیا بڑھنا ہے۔ اللہ کے پاس کون سی Spiritualism تم تلاش کر رہے ہو

But you know he said, I could agree with you , I could agree with you do you suggest me some thing .

میں نے کہا ہاں I could suggest you something الحمدللہ خاصا فرق پڑا اس کو میں جو ابھی آپ سے کہہ رہا ہوں کہ He sent me a message

I think I have reached some where, in the search of God.

اور میں چاہتا ہوں یہاں آ کے میرے اور بڑے دوست ہیں، حلقہ احباب ہے

We are arranging a session for you

تو شاید وہی مجھے Invite کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کا اپنا ایک Clear مقصد ہونا چاہیے کہ You really need God یہ آپ کو ہر روز اپنے آپ سے پوچھنا پڑے گا کہ کیا واقعی آپ کو خدا کی تلاش ہے اور اگر آپ کا دل گواہی دے کہ آپ کو خدا چاہیے تو میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اتنی مشکل دنیا میں اتنی آسان اور قابل حصول شے کوئی نہیں جتنا خدا ہے

The reason is very simple, He has created you for him.

نہ اس نے آپ کو روٹی کے لیے پیدا کیا، نہ پانی کے لیے، نہ بیوی بچوں کے لیے یہ تو ضمنی مقاصد ہیں جب مجھے پیدا ہی اس نے اپنے لیے کیا ہے تو وہ مجھے کیسے انکار کر سکتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی چالیس سال تک مراقبہ ذات میں رہے، چالیس برس کے بعد ہم آہنگی ہوئی کچھ شعور خداوند تک پہنچے تو کہنے لگے کہ چالیس برس میں خدا کی تلاش میں رہا جب میں نے اسے پایا تو پتا چلا کہ وہ مجھ سے پہلے میری تلاش میں تھا۔ اور یہ حقیقت ہے۔ جس کو خدا کی تلاش ہے، جس کو طلب ہے جو اس رستے کو ڈھونڈ رہا ہے خواہ وہ مشرق میں ہے یا مغرب میں ہے، خواہ وہ Antarctic یا Arctic میں ہے جب وہ کھلے دل سے، سچے دل سے اللہ کی آرزو کرتا ہے تو وہ ضرور اسے اپنے تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔ ناموں پہ مت جائیے

You got muslim names and some people have christian names and some peoples have got hindu names.

انسان بنیادی نیچر میں ایک ہے سوائے اس شخص کے جو اپنے آپ کو آدمیت سے مزین کرتا ہے جو اپنی زندگی

کے مقصد کا تعین کرتا ہے جو اللہ کی ہمسائگی کی آرزو کرتا ہے۔ وہ اللہ سے دور نہیں رہ سکتا Not at All اور یہی معرفت ہے۔ اللہ کی طرف پہنچنے کے تین رستے ہیں۔ The first is argument جو ذہن آسیب کے رستے سے ہٹ جائے۔ چھوٹے چھوٹے چمکاروں سے اپنی Argumnet کھو بیٹھے جو کسی صفائی کے کرشموں سے اچھائی اور خیر اور شر کا عمل بھول جائے

You must have a very strong argument.

یہ جو پیغمبر ہوتے ہیں یا اللہ کی دلیل ہوتے ہیں۔ یہ حجت اللہ ہوتے ہیں۔ ایک پیغمبر کا معجزہ اس کا اپنا نہیں ہوتا۔ یا اس کی دلیل ربانی ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسے شخص کی طرح ہے جو غیر معقول میں بھی دلیل رکھتا ہے اور معقول میں بھی دلیل رکھتا ہے۔ ایک شخص کو عقلی دلائل سے واسطہ نہیں ہوتا مگر جب وہ کہتا ہے کہ اے پیغمبر اگر بارش برس جائے تو میں تجھے پیغمبر مانوں گا، تیرے خدا کو خدا مانوں گا تو وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس بارش برسنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ میں Existing Data پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بارش نہیں ہوگی۔

And if i go to man of God, and i tell him.

بارش تو نہیں ہوگی۔ تو اگر برسا دیں تو اللہ کو مانوں گا تو ہمیشہ ڈیٹا خدا کے تصور سے جدوجہد کرتا ہے اور آج کے دن کی سب سے بڑی بدقسمتی Data Intoxication ہے ہر زمانے میں نئے نئے نشے ہوتے ہیں آج کا نشہ ہیروئن نہیں ہے Data Intoxication ہے ہر آدمی کہتا ہے کہ ہمارے پاس Reasoning ہے سائنٹفک Reasoning ہے اور سائنسدان کو دیکھیے کہ قرآن ڈر سے نہیں پڑھتا۔ آپ کو پتا ہے ایک بہت بڑے سائنسدان مجھے اسلام آباد میں ملے انہوں نے کہا پروفیسر صاحب قرآن سے سائنس نہیں ثابت، چھوڑیئے آپ قرآن سے نہ کریں۔ اللہ پر بس ایسے یقین درست نہیں میں نے کہا

Why are you afraid,why are you afraid of looking through the pages of Quran.

اگر تمہارا خدا اتنا کمزور ہے کہ تمہارے سائنسی حقائق کی تردید جو ہے قرآنی آیات کو بدل دے گی تو پھر تمہارا ایسے قرآن اور خدا پر یقین کا کیا مطلب Why do you believe in God then مگر تم قرآن پڑھ کے تو ایک دفعہ کہو نا کہ میرے سائنسی حقائق یہ کہتے ہیں اور تمہارا قرآن یہ کہتا ہے پھر تو کوئی مزہ آئے۔ میں نے کہا قرآن آج کی بات کرتا ہے، قرآن تو قیامت تک کی ترقی اور عظمت اور ابتداء و انتہا کی بات کرتا ہے، قرآن تو قیامت کا نقشہ تمہیں دے رہا ہے "القارعة ماالقارعة" قرآن تو قیامت تک کی بات کرتا ہے۔ اللہ تو نسل انسان کے ہیلرز اور ٹریلرز ایئرز کے انسانی قافلوں کے انسان کی بات کرتا ہے وہ کہتا ہے تم جہاں تک پہنچو، جب آسمان ٹھنڈا ہو جائے، جب ستارے بجھ جائیں گے "اذا الشمس کورت" جب سورج بجھ جائے گا پھر "اذا النجوم انکدرت" ستارے گدلے پڑ جائیں گے یہ وہ پروردگار عالی مقام انسانی ذہن کی ترقی سے غافل ہوگا۔ کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ جس نے دنیا کا انجام لکھ دیا، اس کو یہ پتا نہیں ہوگا کہ یہ Intellectual میرے بارے میں کیا سوچے گا۔ اس کو یہ نہیں پتا کہ فلسفوں میں Existentialism

بھی آئے گی۔ اس کو یہ نہیں پتا ہوگا کہ مارکسزم آئے گا اور میرا انکار کرے گا۔ Semantic آئیں گے اور مجھ میں کیڑے نکالیں گے۔ وہ انسان کے ذہنی پراگرس کا خالق ہے۔ وہ انسانی ذہنی کمپیوٹر کا خالق ہے۔ اس کمپیوٹر کی چھوٹی سی Exhibition آپ کو دینا چاہتا ہوں اس کے Connections جو ہیں 18 x 36 zero ہیں اور اس کے کنکشن کی پریکٹیکل مثال جو اس ذہن کے برین کنکشن ایسے ہیں ایک سادے کاغذ پر دوسرا سادہ کاغذ رکھتے جایئے پندرہ بلین سالوں تک رکھتے جایئے تو ذہن کے کنکشن پورے ہوتے ہیں۔ Do you think جو اتنے پیچیدہ کمپیوٹر کا خالق ہے، اس کو یہ نہیں پتا کہ ستاروں تک کمندیں پھینکنے والے میرے بارے میں کیا سوچیں گے اور اس نے کیا کہنا ہے۔ جایئے انجیل اٹھا کے دیکھیے تورات اٹھا کے دیکھیے آج سے اڑھائی ہزار سال قبل حضرت جبریل امین نے دانیال کو زمین پر تباہی اور ہلاکت کی خبر دی تھی۔ حضرت دانیال نے پوچھا جبریل امین یہ تباہی کب آئے گی۔ جبریل امین نے فرمایا جب انسان اجاڑنے والی مکروہ چیزیں نصب کرے گا اجرام فلکی پر دراندازی کرے گا۔ اب حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات دیکھیے، فرمایا ہوسکتا ہے کہ اللہ دنیا کی عمر آدھا دن اور بڑھا دے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدھا دن کتنا ہوگا۔ کیا پانچ سو برس اور بڑھائی جا رہی ہے۔ غور کیجیے کہ خدا کے لیے یہ کتنا آسان ہے اس کے اختیار اور اقتدار کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ کہ آدھا دن اور بڑھ جائے۔ پانچ سو برس اور بڑھ جائیں، کم از کم بیس جنریشنز اور بڑھ جائیں ان میں سے کئی ٹریلین انسان اور بڑھ جائیں۔

It makes no difference to God. And look at this tiny little human biengs جو اپنے چھوٹے سے کمپیوٹر کے ڈیٹا کی وجہ سے اتنا دندنا رہا ہے کہ براہ راست دامن کبریا پہ لکیریں ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

حضرات گرامی اللہ کا انکار وہی کرتا ہے جس نے کبھی اللہ کو جاننے کی کوشش نہیں کی۔ اور اللہ ہر زمانے میں اپنی دلیل خود مہیا کرتا ہے اور جو دلیل ہوگی اسی کی کاؤنٹر زمانے کی دلیل ہوگی۔ اگر Babylonians، کیلیڈیز کے زمانے میں اگر علم نجوم بہت زبردست تھا اور جادو اور سحر بڑا تھا ”یعلمون الناس السحر ومآ انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت“ (البقرۃ: آیت ۱۰۲) اور ہاروت و ماروت اگر سحر سکھاتے تھے تو وہاں حضرت ادریس علیہ اسلام بھی موجود تھے اور خدا نے کہا کہ انسان کے Possitive اور Negative علوم دونوں اکٹھے چلتے ہیں۔ اور قرآن حکیم میں فرمایا کہ ہم مثبت علم کو رکھ چھوڑتے ہیں اور منفی کو غائب کر دیتے ہیں۔ آپ ذرا غور کیجیے۔ آج کے زمانے میں قاعدہ ذہن انسان کو دیکھیے کہ اس زمانے کے مہذب دور میں علم ہیئت کے ہوتے ہوئے، Astronomy کے ہوتے ہوئے، لوگ آج بھی آسٹرالوجی کے برج گن رہے ہوتے ہیں۔ جو انسانی ذہنی کمزوریوں کے باعث تخلیق ہوتے ہیں، جو منفی

Reasoning سے کام لیتے ہیں، ان کو اللہ نے ترک کر کے بہتر علم کی مدد سے معاشرہ انسان کو آگے بڑھایا اور انسان کا یہ عالم ہے کہ اتنا مہذب ہو کر بھی پھر انہی علوم کو پلٹتا ہے۔

ایک Question یہ ہے جی کہ علم لدنی کیا شے ہے حضرات گرامی! علم تین یا چار Catagories میں ہے۔ ایک کو ہم کہتے ہیں Intelligence جو علم کے Basic Instrument ہیں۔

Intelligence is the instrument. یہ انسان میں جانور میں سب میں موجود ہوتی ہے۔ جب اس کو کتابیں دی جائیں ڈیٹا دیا جائے تو یہ Intellect بن جاتا ہے عقل بن جاتی ہے، ذہانت بن جاتی ہے۔ اس پر آئی کیو کی بنیاد پڑتی ہے۔ Intelligence profession بڑھ جاتی ہیں۔ جب عقل کسی چیز پہ مرتکز ہو جائے اور مسلسل غورخوض کرے جیسے نیوٹن نے کیا، الیگزینڈر فلیمنگ نے کیا تو پھر Intuition نکلتی ہیں عقل کا ارتقاع وجدان میں ہے۔ علوم کے یہ تین درجات تمام انسانوں کے نصیب میں ہیں "ولقد کرمنا بنی ادم" (الاسراء: آیت ۷۰) انسان کو ان تین درجات علم سے کرامت بخشی، مگر جب خدا کے تصور سے علم حاصل کیا جائے۔ اور اللہ کے شوق میں تو اس وقت ایک متجسس روح علم کی چوتھی ریفائنمنٹ تک پہنچتی ہے جسے الہام کہتے ہیں الہام غیر معمولی شے نہیں ہوتا۔ الہام کوئی آسمانوں سے اتری ہوئی شے نہیں ہے یہ اسی ذہن کا اعلیٰ ترین ارتقاع ہے۔ Intuition سے ایک درجہ آگے الہام ہے۔ جو صرف خدا کی معرفت اور اس کے تعلق سے ذہن کو نصیب ہوتا ہے اور اس کا اصول قرآن حکیم میں درج ہے کہ انسانی ذہن پر دو قسم کے خیالات وارد کیے جاتے ہیں "ونفس وما سواھا" ہم نے نفس انسان کو درست کیا، برابر کر دیا۔ "فالھمھا فجورھا و تقوھا" (الشمس: آیت ۷-۸) ہم نے اس پہ فسق وفجور اور تقویٰ کے خیالات الہام کیے پھر جس نے بہتر کو چنا، خیال خیر کو چنا۔ "قدافلح من زکھا" (الشمس: آیت ۹) وہ ذکاوت پا گیا، نفاست پا گیا، وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ گیا "وقد خاب من دسھا" (الشمس: آیت ۱۹) جس نے Negative سائیڈ چنی، وہ خسارے میں رہا تو حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے پچاس ہزار بندے بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے تو پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کون لوگ ہیں فرمایا جو فال نہیں لیں گے۔

Those who do not believe in guesses جو بانٹ نہیں پھینکتے، جو پانسہ ساز نہیں ہیں جو انتہائی Objective and Practical ہیں۔

Those who are sentimental in approach towards God, but very objective in the understanding things around them.

"ویتفکرون فی خلق السموت والارض" (آل عمران: آیت ۱۹۱)۔

حضرات گرامی ایک آخری سوال میرے پاس تین چٹوں کی صورت میں موجود ہے ان میں ایک ہی سوال کیا گیا ہے کہ اسماء کا علم کیا ہے اور اس کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ تو حضرات گرامی چونکہ اس علم کی وضاحت پہلے سے کہیں بھی مرتب

نہیں ہے اور ایک مختصر سی بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے بعد اگر کسی شخص نے اس کی تھوڑی سی Exibition دی ہے تو وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ہیں اور اس کے بعد اس دور حاضر میں Perhaps اس علم پہ کوشش کی ہوگی مگر وہ اس کی سائنٹفک Objectivity ، دریافت نہیں کر سکے، ایسے اصول وضع نہیں کر سکے، جس سے یہ قابل حصول علم بن جائے اور حروف مقطعات کا یہ علم جو ہے ہمیشہ سے عجیب و غریب رہا اور لوگ اس کی آرزو میں مرتے رہے

But they did not find clue to understand the nature of these 14 Asma

چودہ اسماء جو ہیں ان کی وہ نیچر نہیں سمجھ سکے تو بہت مدت کے بعد جب میں اپنی ابتدائی تحقیقات میں مصروف تھا تو میں نے اللہ سے ایک گلہ کیا کہ باقی چیزیں تو چلو Waste ہو جائیں ٹھیک ہیں مگر تو نے قرآن کیوں Waste کیا۔ تو میرا خیال ہے اللہ کو بات کافی چبھی ہوگی ظاہر ہے تو میں نے اس سے کہا بعض چیزیں تو نے ایسی قرآن میں لکھ دی ہیں جو ہمارے سمجھنے کے لیے ہی نہیں ہیں تو پھر تُو تو خود کہتا ہے غور و فکر کرو اور غور و فکر کی ڈیمانڈ کرنے والا اللہ ہمیں ایسی چیزیں دے رہا ہے جن کے بارے میں کچھ موجود ہی نہیں تو میں نے اس سے پوچھا یہ ”الم“ کیا ہے یہ ”حم“ کیا ہے، ”عسق“ کیا ہے جیسے بہت سارے مفسروں، فقہا، اور علمائے حاضر نے بھی لکھا ہے کہ یہ عرب کا تکیہ کلام تھا۔ حروف کلام ہیں کسی نے کہا ”یٰس“ کا مطلب سردار ہے۔ کسی نے کہا ”طٰہٰ“ کا مطلب بھی سردار ہے تو

But frankly telling you, i was not ready to accept this. To me it meant some thing.

اور Clue اس کا انسان کے اس ابتدائی معاشرے میں تھا کہ جب سے انسان نے لینگویج شروع کی تو اس کو لینگویج پڑھائی گئی ”وعلم آدم الاسماء کلھا“ (البقرۃ: آیت ۳۱) اور لازم بات یہ ہے کہ انسان نے سب سے پہلے ان چودہ حروف سے ایجوکیشن شروع کی تو پھر تمام علوم انہی سے اخراج شدہ ہیں اور یہ چودہ حروف اپنے اندر Basic کیٹگری کا علم رکھتے ہیں

Its the knowledge of the basic category

اب Question یہ تھا کہ ان کی صفات کیا ہو سکتی ہیں۔ ان کے حلقے کیا ہو سکتے ہیں، ان کے درجات کیا ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ نے شطرنج دیکھی ہو تو آپ کو پتا ہوگا کہ اس میں سولہ اور زیادہ سے زیادہ بتیس مہرے ہوتے ہیں مگر اس کی جب چالیں کاؤنٹ ہوتی ہیں تو وہ ایک بلین سے بھی زیادہ ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات کی جو Basic وضاحتیں ہیں وہ تو Simple ہو سکتی ہیں مگر جب یہ Interrelated ہوتے ہیں تو پھر یہ تمام علوم کی Basic نفسیات بن جاتے ہیں۔

And every thing is very much understandable, if you have this knowledge.

مثلاً کوئی شخص ہوگا اور وہ

If I know the name. I would know the nature of that man. I know the category, I know the man. where does he stand where he will go, perhaps.

شیخ اکبر کہا کرتے تھے کہ میں ایک شخص پہ نگاہ ڈالتا ہوں اور میثاق سے لے کر برزخ تک اس کے مقامات دیکھ لیتا ہوں یہ شاید بڑا Wide Claim ہے مگر Fact یہ ہے کہ حروف مقطعات ایک قسم کا خلاصہ کائنات ہیں اور ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ ایک

Uncountable source of estimate

ہے۔ یہ سمجھو کہ یہ کسی Basic Computer کی کلید اور کنجی ہے کنجی لگتی جاتی ہے ایک پورا Chapter واشگاف ہو جاتا ہے

But i have been demonstrating this knowledge hundered & thousand of people.

مگر میرا مقصد نہ Exhibition ہے اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں اس سے کوئی فائدہ اٹھاؤں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی basic nature کے متعلق جو بات میرے علم میں آتی ہے

It becomes easy for me to guide them to instruct them & to teach them.

ہر انسان کے اپنے پیٹرن کی اصلاح بھی انہی حروف سے ممکن ہے۔ So after a long time میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمارے سالانہ سیشن کا ایک بہت بڑا موضوع جبر وقدر کا ہے۔ میں اس موقع پر انشاء اللہ حروف مقطعات پہ ایک پورا لیکچر Arrange کروں گا اور آپ کو اس کے اصول بتاؤں گا اس کے Chapter-wise آپ کو عنوان دوں گا پھر آپ کی مرضی ہے کہ آپ کیا سمجھتے ہیں اور کیا نہیں؟

رسول مقبولؐ کی زندگی کے معنوی گوشے

(خطاب واہ فیکٹری)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیراO
(الاسراء آیت ۸۰)
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفونO وسلم علی المرسلینO والحمد للہ رب العلمین O
(الصافات آیت ۱۸۰،۱۸۱،۱۸۲)
اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد وبارک وسلم

خواتین وحضرات! آپ سے اس ملاقات کے لیے جنرل صاحب کا بھی شکر گزار رہوں اور آپ کا بھی اور ان آنے والے تمام لمحات کا بھی شکر گزار رہوں گا جن میں آپ بڑے صبر اور استقامت سے مجھے سنیں گے۔

خواتین وحضرات! زمان ومکان میں کبھی کوئی ایسی ساعت محترم نہیں اتری حتیٰ کہ اس وقت جب رب العالمین نے رحمت عالم کی تجسیم فرمائی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا نام رکھا۔ انسان ایک طویل جبلی قدروں کے دوران سے گزرا۔ ہمارے پاس تاریخ سات اور آٹھ ہزار سال سے پیچھے نہیں جاتی۔ وہ معاشرے، ماحول اور زندگیاں جو انسان نے اپنے تہذیبی دور کے آغاز میں جاری رکھیں، ان کا اجرا کیا۔ وہ سلطنتیں جو قائم ہوئیں، وہ حکومتیں جن کا سکہ انسان کے دل ودماغ پر جاری ہوا، اگر آپ ان کا اور لمحہ موجود کا مطالعہ کریں تو انسانی ذہن کی تاریخ کو صرف دو ادوار میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک وہ دور جب انسان نے پہلے پہل سوچنا شروع کیا وہ Homo Sapiens کہلایا۔ وہ سوچتا ہوا انسان تھا۔ اس کی ترقی میں تجسس تھا مگر ابھی ایک ارب سال کی جانورانہ خصلتیں اس میں سے گئی نہیں تھیں۔ وہ جانوروں سے علیحدہ تو ہو رہا تھا مگر ابھی جانورانہ خصلتیں اس کے وجود اور اس کے نفس کا حصہ تھیں۔ ابھی تعقل کو وہ عروج حاصل نہیں ہوا تھا۔ ابھی عقلی روایات مستحکم نہ ہوئی تھیں۔ خاندان بن رہے تھے مگر مذہب اور اخلاق کے اصول مرتب نہیں ہوئے تھے۔ اللہ بھی کوئی جلدی نہیں کر رہا تھا۔

خواتین وحضرات! جب آپ ایک بچے کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو آپ ایک انتہائی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے انسان ہونے کے حوالے سے یہ کوشش تو نہیں کرتے ہیں کہ ایک نوزائیدہ، نومولود کے ذہن پر بہت ساری کتابوں کا بوجھ

ڈال دیں۔ آپ اس عقل کے بلوغت تک پہنچنے کا انتظار کرتے ہیں۔ جب تک انسان سوچنے کے قابل نہ ہو اور اسے غیر معقول اور معقول میں فرق محسوس نہ ہو، اس کو کوئی فلسفہ خیال نہیں دیا جا سکتا۔ اس کو کوئی قانون نہیں دیا جا سکتا۔ شریعت بھی بالغ کی قدر کرتی ہے اور بلوغت سے ہی شریعت کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت انسان نے اپنا آغاز بھی اپنے ایک جبلی وجود سے کیا اور وہ جبلی وجود جس میں تجسس اور اس کے تعلیمی استغراق نے جاننے، سوچنے، اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی اور وہ بالآخر بستیوں کی آبادی، سلطنتوں اور نظام ہائے زندگی تک پہنچا۔ کبھی آپ میسوپوٹیمیا کی وہ عظیم سلطنتیں دیکھتے ہیں جو آج قصۂ پارینہ ہیں اور کبھی آپ بابل اور نینوا کے معلق باغات کی داستانیں سنتے ہیں کبھی شداد اور فرعون وہامان کے نام سنتے ہیں اور کبھی کبھی پرنس حمورابی جیسے قانون دان کا بھی نام سن لیتے ہیں۔ یہ تمام انسان سیکھنے اور جاننے کی کوشش کر رہے تھے مگر جبلت ابھی حاوی تھی۔ خواتین وحضرات! قرآن سے پہلے بھی قرآن تھا۔ اللہ کہتا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم (المائدۃ: آیت ۳) میں نے دین کو مکمل کیا ہے۔ اس سے پہلے بھی دین تھا جو جستہ جستہ آتا اور رسول کی مدد فرما رہا تھا۔ وہ تمام پیغمبران کریم جو پہلے گزرے تھے آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک شریعت جستہ جستہ، گاہے گاہے، لمحہ لمحہ، نسل درنسل ایک آدھ اصول کی صورت میں منعکس ہو رہی تھی۔ کبھی قانون قصاص اتر رہا تھا، کبھی Ten Commandants آ رہی تھی جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کی گئیں۔ قرآن ان پہلی آیات الٰہیہ کو بھی سمیٹے ہوئے ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کو پہلی مرتبہ نازل نہیں فرمایا بلکہ آج اسے مکمل کیا ہے۔ آج آپ کا دین مکمل کیا ہے۔ پہلے پیمبروں کو بھی جستہ جستہ آیات قرآنی دی گئیں۔ پھر انہوں نے اپنے معاشرے میں اسے نافذ کیا۔ بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ کسی انسانی معاشرے نے اپنے لیے کسی قسم کا کوئی Moral قانون نہیں بنایا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ آج بھی کوئی اخلاقی قانون نہیں بنائے کیونکہ جمہور جبلت کے قریب ہے۔ جمہور عقل سے دور، دانش سے دور جبلتوں کے قریب ہوتی ہے۔ جمہور کا واسطہ زندگی کی ضروریات سے پڑتا ہے۔ جمہور اتنی Romantic نہیں ہوتی، Philosopher نہیں ہوتی ان کو اپنے موجود کا خیال ہوتا ہے اسی لیے تو اقبالؒ کہتا ہے:

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

فکر انسان، اخلاقی اصول اور وہ قوانین جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیے ہیں بقائے حیات اور بقائے معاشرہ کے لیے تھے جن کے سہارے آپ سلامتی سے چلتے ہوئے دور حاضر تک پہنچے ہیں۔ یہ سائنس کے قانون نہ تھے، یہ زندگی کے قانون تھے۔ معاشرے کے قانون تھے۔ جب معاشرہ ایک دوسرے کو قتل کر رہا تھا، جب انسان انسان کے درپے آزار تھا۔ جب مذاہب نسلِ انسان کے لیے مستقل عذاب بن رہے تھے کہ ابدی فنا کے پھیلاؤ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ تو اللہ نے اپنے پیمبر کے ذریعے انہیں سمجھایا۔ انہیں بتایا اور ایک آیت بخشی ولکم فی القصاص حیوۃ یاولی الالباب (البقرۃ: آیت ۱۷۹) اہل عقل غور کرو، قصاص میں زندگی ہے۔ اگر ایک جان کے بدلے تم ایک قبیلہ ضائع کر دو گے۔ ایک معمولی سے نقصان کے بدلے تم ایک پوری انسانیت کا نقصان کر دو گے۔ اس لیے اللہ نے قابیل کو سختی سے درس دیا، وہی درس جواب قانون میں درج ہے کہ جس نے ایک انسان کی زندگی ضائع کی گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کیا اور جس نے

ایک انسان کی زندگی بچائی گویا اس نے معاشرے کو Save کیا، نسل انسانی کی بقاء کی حفاظت کی۔

خواتین وحضرات! ابھی انسان اتنا Mature نہیں ہوا تھا، اتنا بالغ نہیں ہوا تھا باوجود اس کے کہ فلاسفۂ یونان گزر چکے تھے۔ ابھی انسان بار بار جبلتوں کو واپس جاتا تھا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ پیغمبروں کے قوانین کی خلاف ورزی کی گئی، اللہ کی نعمتوں کی خلاف ورزی کی گئی، اللہ کے قانون کے ان امانت داروں کو قتل کیا گیا اور خدائی قانون کو بعض اوقات اپنی ذاتی خواہشات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس لیے پروردگار عالم قوم یہود کو ایک الزام دیتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے بہت ظلم کیا کہ جب ہم نے ان کو تلقین وہدایت ورشد بخشا تو انہوں نے نہ صرف میری آیات میں تحریف کی انہوں نے اللہ کی آیات کو ذاتی منفعت کے لیے استعمال کیا ثم یحرفونه من بعد ماعقلوه (البقرۃ: آیت ۷۵) تم نے ہماری آیات کو جاننے سمجھنے کے باوجود اقتدار، ہوس زر، جذباتی ترفع، اور خواہشات نفس کی خاطر انہیں بیچا۔ مسخ کیا اور اللہ نے پھر ان عالموں کی مثال دی کہ وہ لوگ جو دین خدا کو اس طرح رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو آیات الٰہی کو مسخ کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ جس کی آدھی زبان باہر اور آدھی اندر ہے۔ جیسے اسے ہوا سے سیری نہیں ہوتی ایک دنیادار عالم کی کبھی سیری نہیں ہوتی وہ ہر وقت اپنی خواہش نفس اور خواہش دنیا کی تکمیل کے لیے دین کے مسائل کو نظر انداز کرتا ہے اور انسانوں کے لیے ایک مصیبت اور فکر کا باعث بن جاتا ہے۔

خواتین وحضرات! قوم یہود پر ایک حملہ بار بار کیا گیا۔ ان کے بہت سے گروہوں کو مسخ کیا گیا ''ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لهم کونوا قردة خاسئین''(البقرۃ: آیت ۶۵) کہ یہ بھٹکے ہوئے بندر ہیں۔ خواتین وحضرات! آج بھی آپ یورپی اور اپنی زندگی کا موازنہ کر لیا جو Individuality، جو اخلاقی اور ذہنی انفرادیت مشرق کے لوگوں میں پائی جاتی ہے مغرب میں نہیں پائی جاتی ''فقلنا لهم کونوا قردة خاسئین'' کہ یہ وہ نقال ہیں جن کی مثال ان بندروں کی طرح ہے یہ ایک دوسرے کی کاپی کرنے والے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی مشرق میں بھی، ہمارے معاشرے میں بھی یہ Copying، نقل سازی ایک دوسرے کے رجحانات کی پوری طرح نقل کرنا ان کے پیچھے چلنا اور ہوس اور زمانے کی تقلید کرنا یہ ان میں بھی تھا، یہ آج آپ میں بھی آرہا ہے۔ اور صرف اس وجہ سے آرہا ہے کہ آپ نے اس علم، اس ذہانت اس ترقی کہ جو آپ کے رسول نے آپ کو بخشی تھی اسے مکمل Ignore کردیا۔ خواتین وحضرات! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہمیں ایک عجیب وغریب حقیقت سے شناسائی ہوتی ہے۔ ایک دم انسان عقل مند ہو جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جبلی انسان جو گھٹنے گھٹنے چل رہا تھا وہ یہود ونصاریٰ سے گزر گیا تھا۔ ان کی جبلتی بے اعتدالیوں سے گزر کر اچانک ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ معاشرہ جو وحشت، بربریت، تمرد اور ہلاکت کی علامت تھا، وہ ظالم اور فاسق لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن میں خطاب کیا ہے وہ ذلیل وکافر ایک دم سے اصحاب رسول میں بدل گئے۔ تہذیب کا یہ انقلاب زمانے میں پہلے کبھی آیا نہ بعد میں آیا۔ یہ ایک فرد کی بات نہیں تھی۔ یہ چند حواریوں کی بات نہیں تھی یہ تو ایک پورا معاشرہ تھا۔ اصحاب شجرہ 500 تھے اصحاب بیعت رضوان 5000 ایک پورا معاشرہ، ایک شہر، ایک مملکت اچانک آپ کو عقل ومعرفت سے آشنا نظر آتی ہے۔ دانشور نظر آتی ہے۔ ذہن وفراست کے نئے نئے اصول اپنائے جا رہے ہیں۔ اعلیٰ ترین کردار سازی ہو رہی ہے۔ اب ایسے پتا چلتا کہ جبلت پہ عقل حاوی ہو گئی۔

ایسا لگتا ہے کہ ایک استادِ معظم ایک بہت بڑے علاّم اور ایک بہت بڑے دانشور کی بدولت وہ دورِ جہالت رخصت ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو اگر تم غور کرو تو مجھے اللہ نے ہدیۃً تمہیں بخش دیا۔ کہ میں رحمت ہوں اور اللہ نے اپنی مخلوق پہ رحم کھا کر مجھے ہدیۃً تمہیں بخش دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں زلف و رخسار تو بڑے قیمتی ہوں گے، ان کا سراپا تو بہت خوبصورت تھا اور ہے۔ ان کے چشم ن مبارک سے تو گفتگو ہی نہیں، پیشانی مبارک کی روشنی تو آسمان کی پہنائیوں تک پہنچتی تھی۔ مگر خواتین و حضرات یہ وہ استادِ معظم ہے۔ جیسا زمین پہ پہلے کوئی نہیں گزرا تھا

Extreme patience, high intellectualism

ایسا بلند و بالا اور ذہین تو پہلے گمان تک بھی نہیں کوئی کر سکتا تھا۔ ایک ایک جملے میں کائنات سمٹی ہوئی اور سب سے بڑا علم وہ نہیں ہوتا جو تصور میں رہ جائے۔ خواتین و حضرات یہ بات یاد رکھیے گا علم وہ نہیں ہوتا جو تصور میں رہ جائے، علم وہ نہیں جو Armchair میں بیٹھ کر جس کی Gossiping کی جائے۔ علم وہ نہیں ہے جو صرف کتاب کے اوراق کی زینت بن کے رہ جائے۔ بہترین علم کی علامت صرف ایک ہے کہ وہ اپنے عمل کے قریب ترین ہوتا ہے۔ ہم اسی کو عالم کہتے ہیں۔ ہم اسی کو علم کہتے ہیں کہ جس کا نفوذ ہو اندر سے ہو اور جب وہ خلائق تک پہنچے تو علم اور عمل میں کوئی تضاد نہ رہے۔ جو مخلوق تک پہنچ رہا ہے اور ایسا کامیاب استاد ایسا مکمل عالم زمین و آسمان میں پہلے کوئی نہیں گزرا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ جیسا علم تھا ویسا عمل تھا۔ ایسی گہری ہم آہنگی، ایسا مکمل ملاپ، ایسا وصال علم و عمل پہلے زمین و آسمان میں کبھی نہیں گزرا اور یہی وہ ہدیہ تھا۔ اور یہی وہ رسول تھے جنہوں نے انسانوں کو اس درجہ آگہی بخشی کہ ان کے دل و دماغ ہی بدل گئے۔ حضرت بلالؓ جو ایک صحابی بھی تھے وہ ایک غلام تھے ان کو زندگی کا کچھ پتا نہیں تھا لیکن جب حضرت بلالؓ کو دمشق کا گورنر بنا کے بھیجا گیا، جب ان کو اقتدار بخشا گیا تو انہوں نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے تو کسی نے راستے میں پوچھا کہ بلالؓ آج تو اچھے کپڑے پہن لیتے مگر یہ علم کا انکسار دیکھیے ان کی خود شناسی دیکھیے کہ فرمایا کہ تم مجھے آج تبدیل ہونے کا مشورہ دے رہے ہو۔ کیا میں اس وقت کو نہیں جانتا ہوں جب میں ایک عورت کا از خود غلام ہوا تھا وہ مجھے صرف ایک وقت کی روٹی دے دیا کرے اور پھر اللہ نے ہمیں ہدایت بخشی اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت نے وہ وقت عطا کیا کہ ہمیں یہ فائدہ ہوا کہ میں اسی عورت کا گھر والا ہوا۔ میرا اس کے مال پر تصرف ہوا اب تم ہمیں خود آگاہی سے دور کہاں لے کے جاؤ گے۔ ہمیں خود شناسی سے دور کیسے لے کر جاؤ گے۔

خواتین و حضرات! استاد تو بڑے ہوتے ہیں مگر ایسی خود شناسیاں جو استاد اپنے شاگردوں کو عطا کرتے ہیں وہ بہت کم ہوتے ہیں، بہت کم۔ حضور گرامی مرتبت کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ علم پھر خسارے میں چلا گیا۔ عقل پھر خسارے میں چلی گئی۔ حیرت کی بات ہے اگر پہلے انسانی قدر ذہن کم تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد انسانی قدر تیز تر ہو گئی۔ ذہن کے بہت سارے خلئے اور کھل گئے ہیں۔ کروڑ دو کروڑ خلئے اور کھل گئے مگر ان خلیوں کا انجام آپ دیکھیے کہ وہی بات کہ جبلت کی سرکشی نے ان کی تمام عقل کو ان کے مقاصد ذات کے لیے استعمال کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ ایک سبق، وہ ایک بڑا درس، وہ درس علم، وہ درس اخلاق اور وہ تمام ترفعتیں انسان کے ہاتھ سے چھن گئیں اور آج کا انسان بھی اتنا ہی

وحشت اور بربریت کا حامل ہے جیسے اس زمانے کے کبھی حمورابی تھے جب کبھی Babylon کے قصے سنتے ہیں وہی آج بھی فاسقیں ہیں جنہوں نے ماضی کی تمام داستانیں مات کردی ہیں۔

خواتین وحضرات! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسانی قافلۂ حیات کو اس طرح چلنے کی اجازت دی جائے۔ اگر اسی طرح آگے بڑھنے کی اجازت دی جائے۔ اگر اسی طرح عادوثمود کی روایات کو Repeat کیا جائے گا، اگر اسی طرح نسل انسانی اخلاقی پستیوں اور گہرائیوں میں ڈوب جائے تو پھر آپ اس کا انجام اس کے سوا کیا دیکھیں گے جو پہلے اقوام کا ہو چکا ہے۔ پہلی اقوام بھی بہت بڑی تھیں مگر آقا ورسول کے بعد کم ازکم چند ایک سالوں کے لیے ایک ایسا زمانہ گزرا ایسے انسان پیدا ہوئے، ایسی ایسی خلاقیت تخلیق ہوئی کہ اس سے بہتر معاشرہ، اس سے بہتر انسانوں کا تصور آج تک بھی ہماری کتاب حیات میں نہیں ہے۔ خواتین وحضرات: بڑا فارسی کا پرانا ایک شعر ہے۔ شیخ سعدی نے لکھا:

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب تک مرد کے منہ سے کلام نہیں نکلتا اس کے عیب وہنر چھپے رہتے ہیں اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب اقوال زریں کی کتاب کھولی جاتی ہے تو اس میں سے بڑے بڑے مشہور عالموں اور مفکروں اور مصنفوں کے نام کے ساتھ ایک دو چار دس اقوال زریں درج ہوتے ہیں۔ مگر خواتین وحضرات کبھی آپ نے حدیث پڑھی کبھی آپ نے اقوال رسول پڑھے، ایک ایک جملہ اپنے اندر جہان معنی لیے ہوتا ہے۔ ایک ایک جملے میں اس ذہن کی جھلک نظر آتی ہے جو نہ کبھی ماضی میں گزرا نہ بعد میں گزرا۔ آپ آقا ورسول کے ذہن کا ذرا معیار دیکھیں کہ جنگ کی مثال دی جارہی ہے۔ خیبر کے قلعے کے سامنے اترے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ کیا بری ہے ڈرائے گیوں کی سحر۔ جب تک آپ بہت بلیغ نہ ہوں آپ کو اس چھوٹے سے جملے کی کبھی بھی سمجھ نہیں آئے گی۔ یہ اتنا بلیغ جملہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی فرماتے ہیں کہ کیا بری ہے ڈرائے گیوں کی سحر کہ ایک طرف ہم ہیں جو اللہ کے بندے ہیں اللہ کا نام لے کر آئے ہیں۔ میں جو اللہ کا رسول ہوں اس میں کوئی شک نہیں اور میرے ساتھ اللہ کے بہترین دوست ہیں اور ہم ایک ایسے آدمی کے مقابل اترے ہیں جو ہمارے ساتھ لڑے گا۔ اس کو تو اول وآخر صرف جہنم سے آشنائی ہے۔ اس کی موت اور اس کی زندگی تمام بربادی ہے۔ تو کیا برے لوگ ہوں گے وہ شہر میں جن کے خلاف ہم میدان جنگ میں اتریں گے تو فرمایا کیا بری ہے ڈرائے گیوں کی سحر۔

خواتین وحضرات! ایک ایک جملہ جب یاد خدا کی تلقین فرما رہے تھے تو فرمایا کہ آج، تو چھوٹا سا جملہ آپ دیکھیے کہ حدیث میں فرمایا، ابوہریرہ کی حدیث ہے، کہ کسی مومن میں دو خصلتیں بخل اور بداخلاقی جمع نہیں ہوسکتیں۔ کاش ہم اپنے رسول کو مانتے اور جانتے ہوئے ان دونوں کیفیتوں کے پس منظر کو دیکھتے تو حضور نے فرمایا کہ کسی صاحب ایمان میں دو چیزیں بخل اور بداخلاقی جمع نہیں ہوسکتیں۔ کیا اس معاشرے کو دیکھتے ہوئے ہماری سخاوت اور مہمان نوازی اٹھ گئی، ہمارے اخلاق کے طور طریقے بدل گئے۔ آپ کو پتا ہے کہ عرب کے ان جاہلوں، سرکشوں اور بدکاروں کو اللہ نے کیوں جلا بخشی کیونکہ ان میں یہ صفات تھیں۔ ایک تو جان کی پروا نہیں کیا کرتے تھے اور دوسرے بہت سخی تھے۔ ہمیشہ Generous تھے، بہت دل والے تھے۔ مہمان کے لیے جان قربان کردیتے تھے اور اپنے دروازے ہمیشہ آنے جانے والوں کے لیے

کشادہ رکھتے تھے۔ اسی لیے ان پہلے لوگوں کو ایمان کے لیے چنا گیا کہ وہ بخیل نہیں تھے۔ آج بھی اہل ایمان کو اگر اپنا ایمان پرکھنا ہو، اعمال، نماز اور عبادت سے نہیں۔ یہ تو ضروری کام ہیں جو ہر مسلمان نے کرنے ہوتے ہیں لیکن اگر آپ کو اپنا ایمان پرکھنا ہو تو یہ ضرور جاننے کی کوشش کیجیے گا کہ آپ بخیل تو نہیں؟ آپ بد اخلاق تو نہیں؟ اس لیے کہ اسلام کے اعمال کی بنیاد آپ کے اندرونی ایمان کی عمدگی پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پھر تسلیم کرنے کا کیا فائدہ کہ ان کی ہدایات اور اخلاق کے قرینے آپ کے دل پر نہ اتریں، پھر ایسا نہ ہو کہ ہم پر بھی وہ قانون لاگو ہو جائے۔ قو ادتاً خاسعین کہ یہ ایک دوسرے کی نقالی اور دنیاداری کی طلب میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ بدبختی سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے جدا رہے۔

خواتین وحضرات! اسی موضوع پر نہایت سادہ، آسان اور مکمل بات حضور گرامی مرتبت نے فرمائی ہے کہ سخی اللہ، جنت اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور بخیل اللہ، جنت اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں فرمایا پھر سن لیجیے اپنے رسول کا قول مبارک کہ سخی اللہ، جنت اور لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور بخیل اللہ، جنت اور لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے مگر جب Categorise کرو گے تو عبادت والے بخیل کے لیے رسول اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جاہل سخی بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔

خواتین وحضرات! جب علم عملیت سے دور اور اعمال علمیت سے دور ہو جائیں تو آپ کو کبھی اسلام کی سمجھ آئے گی اور نہ ایمان سمجھ آئے گا۔ اصحاب رسول کا زمانہ توازن اور اعتدال کا زمانہ تھا۔ آج آپ تاریخ عالم اٹھا کے دیکھ لیجیے کہ اتنا معتدل معاشرہ، اتنا معتدل انسان، اتنا معتدل پیمبر اور اتنے معتدل Followers کسی بھی زمانے میں نہیں گزرے۔

خواتین وحضرات! یہ اعتدال اور توازن اعمال سے نصیب نہیں ہوتا۔ اعمال ظاہر ہے نماز آپ نے بھی پڑھنی ہے۔ میں نے بھی پڑھنی ہے۔ روزے رکھنے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے کہا ہے وہ پورا کرنا ہے۔ مگر اس کے بعد آپ کا کام ختم نہیں ہو جاتا، اس کے بعد ہی تو مطابعت رسول شروع ہوتی ہے۔ اس پر اخلاقی نظام بند نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ کچھ Questions ایسے ہیں کہ اللہ کے رسول نے اٹھائے ہیں جو بدنی نہیں ہیں یہ ذہنی ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل سے اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندے پہ کیا حق ہے۔ فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ ذرا اسی جملے کو دیکھ لیجیے۔ آج تک کسی صحابی نے یہ نہیں کہا کہ اللہ ہی خالی جانتا ہے۔ کسی صحابی نے نہیں کہا یہ بات بلاشک وشبہ ہے کہ اللہ ہی سب کچھ جانتا ہے۔ مگر آپ اصحاب رسول کا Response دیکھ لیجیے کہ جب بھی ان سے پوچھا گیا کہ کیا ایسے ہے تو جس صحابی نے بھی جواب دیا اس نے یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اس لیے کہ ہمارے علم کی Information اور Source سوائے اللہ اور اس کے رسول کے اور کوئی بھی نہیں ہے۔ ہم اللہ کو رسول کے توسط سے جانتے ہیں۔ ہم اللہ کو رسول کے وسیلے سے جانتے ہیں۔ اگر رسول نہ ہوتے تو پھر اللہ کو جاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ پھر شاید اللہ کو خود زمین پر اترنا پڑتا۔ اور کئی مرتبہ اللہ نے کہا کہ اگر ہم ان پر ملائکہ اتار دیتے تو پھر ہم حجت تمام نہ کر دیتے۔ رسولوں کے آنے کی سب سے بڑی وجہ رحمت یہ ہے کہ رسول آنے کے بعد اور پیغام پہنچا دینے کے بعد بھی انسان کو موقع دیا جاتا ہے مگر جب ملائکہ اتر جائیں تو پھر انسان کو کوئی دوسرا Chance نہیں دیا جاتا اور

اس کے باوجود کہ ملائکہ اترے، انسانوں نے سرکشی کی اس کے باوجود خدا سامنے تھا۔ اس کے باوجود کہ ملک سامنے تھے۔ جنات سامنے تھے پھر بھی ابوالبشر سے غلطی ہوگئی تو خدا کے سامنے ہونے سے ملائکہ کے سامنے ہونے سے حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اللہ کے رسول آنے کی سب سے بڑی وجہ رحمت یہ ہے کہ ان کے آنے کے بعد بھی انسانوں کی خطا کے Chance رہتے ہیں۔ انسان غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور اللہ ان کو معاف کرتا رہتا ہے۔

خواتین وحضرات! حضرت معاذ سے اللہ کے رسول نے پوچھا اے معاذ تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پہ کیا حق ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرے۔ پھر پوچھا یہ بھی پتا ہے کہ بندوں کا اللہ پہ کیا حق ہے تو معاذ نے کہا یا رسول اللہ ہم تو نہیں جانتے آپ ہی جانتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر کوئی اللہ اور اس کے رسول کو جانے اور اللہ کو وحدہٗ لاشریک جانے تو پھر اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ کرے، آگ نہ دے۔ لیکن بندوں کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے اللہ کو فکری، ذہنی اور قلبی طور پر وحدہٗ لاشریک مانیں۔ مگر خواتین وحضرات! آپ دیکھیے کہ آپ کے معاشرے میں کیا ہوتا ہے۔ میں ایک استاد کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ جو آتا ہے مجھے کہتا ہے کہ میرا رزق کسی نے بند کر دیا ہے، شادیاں بند کر دی ہیں۔ ترقیاں بند کر دی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ دو عالم سے خدا کو رخصت کر دیا گیا ہے اور تمام وہ کام جو اللہ کرتا تھا اب جادوگروں کے سپرد ہو گئے ہیں۔ تعویذ نگاروں کے سپرد ہو گئے ہیں۔ یہ کوئی ایمان نہیں ہے اور رب کعبہ کی قسم اس کو آپ کسی قیمت پر بھی اسلام نہیں کہہ سکتے۔ اللہ کے احکام میں مداخلت اس کے Absoluteness میں مداخلت ہے۔ جس کو اللہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتا۔ اپنے ایمان کو اس قسم کے ناقص اعتبارات سے ضائع نہ کیجیے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک ہے کہ اللہ کی حکومت میں، اس کے افعال میں، اس کی کارکردگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے تو پھر آپ کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اللہ بھی آپ کو کبھی عذاب نہ کرے کبھی دوزخ کی صورت نہ دکھائے۔

خواتین وحضرات! بہت سارے علماء کی آپ نے باتیں سنی ہوں گی۔ بہت سارے علماء ڈراتے ہیں۔ لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر عذاب کی وعید دیتے ہیں۔ علماء کی باتیں سنو تو ایسے لگتا ہے کہ امت مسلمہ میں سے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ ایسے لگتا ہے کہ گنہگاروں کی کوئی بقا باقی نہیں ہے۔ آخر جو انسان اپنے آپ کو جانتا ہے وہ اپنے آپ کو خطا کار کی حیثیت ہی سے جانتا ہے۔ پھر علماء آپ کو وہ حدیث نہیں سنائیں گے جس میں آپ کا فائدہ ہو، عوام کا فائدہ ہو، ایک عام مسلمان کا فائدہ ہو اس لیے کہ انہوں نے تو اپنی تمام تر سیادت کی بنیاد ہی آپ کے اعمال پہ رکھی ہوئی ہے۔ آپ کو اعمال کی باتیں سنا سنا کے انہوں نے مغموم کر دیا ہوا ہے۔

جب آپ اسلام میں داخل ہوتے ہیں تو اسلام کے احکامات اور اعمال لازم ہیں۔ مگر ان اعمال میں آپ سے کوتاہی ہو سکتی ہے مگر کیا پروردگار عالم بھی ان ساری کوتاہیوں کی بنا پر آپ کو صرف جہنم کے عذاب سے روشناس کراتا ہے۔ ذرا حدیث مبارک حضرت انس بن مالکؓ کی سنیے مستند ترین حدیث کہ معاذ بن جبلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سواری پہ بیٹھے تھے ایک تو انس بن مالکؓ اور پھر معاذ بن جبلؓ یعنی دو واسطے بزرگ ترین اصحاب کی روایت سے سنیے۔ آپ نے فرمایا اے معاذؓ حالانکہ پیچھے بیٹھے تھے مگر یہ انداز تخاطب تجاہل عارفانہ ہے کہ پیچھے بیٹھے تھے لیکن ایسے پوچھا جیسے

انہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انداز بہت خوبصورت ہیں بہت ہی خوبصورت۔ بڑے سے بڑا ادیب بھی اس طرز ادا کو نہیں پہنچ سکتا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ فرمایا اے معاذؓ! انہوں نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرمانبردار ہوں کہ میں آپ کے پاس ہی تو ہوں اور آپ کی اطاعت کے لیے میں کوشش بھی کر رہا ہوں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میں آپ کا فرمانبردار ہوں۔ دو مرتبہ پوچھا پھر پوچھا اے معاذؓ فرمایا حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کا فرمانبردار ہوں کہ جو امانت آپ مجھے عطا کریں گے جو لفظ آپ مجھ سے کہیں گے، جو حکم آپ مجھے ارشاد فرمائیں گے، میں ہر حال میں اس کی تقلید و تائید کروں گا اور اسے آگے پہنچاؤں گا۔ یہ جو تخاطب کا دہراؤ ہے کہ پیچھے بیٹھے ہونے کے باوجود دو مرتبہ پوچھا کہ اے معاذؓ جو بات میں اب کہہ رہا ہوں یہ فیصلہ کن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تو کبھی اسے بھول جائے۔ فرمایا جو بندہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں تو اللہ اس پر نارِ جہنم کو حرام کر دے گا۔ بہت سادہ سا Faith تھا۔ ایک کہنے کی بات تھی ایک ذہن نے تسلیم کرنا تھا کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اس کے بندے ہیں تو ایک دم سے سارے اعمال ہی نکل گئے سارے اعمال بیچ میں سے نکل گئے۔ حضرت معاذؓ اتنے خوش ہوئے کہ پھولے نہ سمائے۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لوگوں کو اس کی خبر دوں وہ بڑے خوش ہوں گے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ معاذؓ کو بھی پتا تھا کہ لوگ بڑے خوش ہوں گے۔ لوگ تو ابھی ڈر رہے ہیں۔ لوگ تو بیچ کے لوگوں کی وجہ سے ڈر رہے ہیں۔ لوگ تو علمائے وقت اور فقہائے حرم کی وجہ سے ڈر رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگ تو بڑے خوش ہوں گے یہ بات سن کر ایک ذہنی اور ایک قرینی اعتبار پہ نجات ہے۔ اللہ کی طرف سے یہ خوش خبری اتنی بڑی ہے تو فرمایا اچھا رہنے دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تکیہ کر لیں، ایسا نہ ہو کہ اعمال سرے سے ترک کر دیں۔ ایک نہایت Important بات اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ پھر معاذؓ نے گناہ سے بچنے کے لیے موت سے پہلے اس حدیث کو بیان کیا۔

خواتین و حضرات ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ موت سے پہلے صرف گناہ سے بچنے کے لیے کہ اگر وہ بات جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اور وہ بات جو ذہنی اعتبار اور عقلی اعتبار پہ لاگو ہے اور جس میں کسی اور چیز کا ذکر نہ ہوا اگر میں نے چھپائی اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات لوگوں تک نہ پہنچائی اگر یہ امانت علم و عقل لوگوں تک نہ گئی تو میں گنہگار رہوں گا اور موت سے پہلے گناہ سے بچنے کے لیے حضرت معاذؓ نے یہ بات لوگوں تک پہنچائی۔

خواتین و حضرات! جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت نے جو اخلاق قوانین دیے ان میں بدترین اخلاق کی چیز نفاق ہے۔ نفاق دل کی تقسیم کو کہتے ہیں منافق اس کو کہتے ہیں جس کا دل تقسیم ہو اور جب اس کا دل تقسیم ہو تو دنیا کو دین پر غلبہ حاصل ہو، اس کو نفاق کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ حضرات آج جو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ ہم بات سن رہے ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ سننے کا صرف ایک فائدہ ہے کہ ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ وہ کیا باتیں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتائیں اور وہ کیا باتیں ہیں جن کو ہم اپنے دل میں اتار کر اس فسق و فجور اور نفاق سے بچ جائیں جس سے بدترین جرم کوئی

نہیں۔ اللہ نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ منافق جہنم کے بدترین طبقے میں ہے اور دیکھیے کیا پیغمبر نے کوئی کمی تو نہیں چھوڑ دی۔ آپ کو اس کی واضح طور پر نشانیاں بتلا دیں جب ہم اپنی زندگیوں کو دیکھیں گے اور ان نشانیوں کو پائیں گے تو ہمیں پتا چل جائے گا کہ ہم منافق ہیں یا نہیں ہیں۔ فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے جھوٹی کرے۔

خواتین وحضرات! Scandals are too common amongst us یعنی جب بات کرے Scandalise کرے، جھوٹی کرے، جب وعدہ کرے کبھی پورا نہ کرے یہ تین نشانیاں ہیں منافق کی، جب بات کرے جھوٹی کرے، جب وعدہ کرے کبھی پورا نہ کرے، جب امانت لے تو ہمیشہ خیانت کرے۔

خواتین وحضرات! One should be very careful۔ اب ذرا ضمناً ایک بڑی خوبصورت بات آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتادوں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہم سے کبھی مذاق بھی فرماتے ہیں تو اصولاً آپ نے دیکھا ہوگا کہ مذاق میں مصدقہ بات نہیں ہوتی بلکہ لوگ ایک دوسروں کو خوش کرنے کے لیے بہت ساری باتیں ملا دیتے ہیں۔ تو ابوہریرہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ کبھی آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں، مذاق فرماتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں سچ کے سوا کبھی کچھ نہیں کہتا یعنی میرا مذاق بھی سچائی پہ مبنی ہوتا ہے۔ میں کسی کو خوش کرنے کے لیے بے سروپا بات نہیں کرتا۔ میں کسی کی خوش طبعی کے لیے جھوٹ نہیں بولتا بلکہ میرا مذاق بھی مزاح بھی سچائی پر مشتمل ہوتا ہے۔ فرمایا میں سچ کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتا۔

خواتین وحضرات! ہمارے معاشرے میں ستاروں پہ اعتبار کرنا اور Astrology سیکھنے کی بات بہت عام ہے۔ اس علم کو سیکھنے کی حد تک کوئی برائی نہیں ہے۔ مگر جن لوگوں کو اس علم کی خواہش اور تجسس ہو اور اگر وہ سیکھنا چاہیں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ جہاں اعتبار کی بات ہے اللہ آپ کو ان چیزوں پہ اعتبار کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ ان کو سچ نہ سمجھیں۔ قرآن حکیم نے ان لوگوں کو خراص کہا ہے۔ اٹکل پچو وجو اندازے لگاتے ہیں، تخمینے لگاتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی سچائی نہیں ہوتی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ حدیبیہ میں رات کو پانی پڑ چکا تھا۔ بارش ہو چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کہا تم جانتے ہو کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بعضوں کی صبح ایمان اور بعضوں کی کفر پہ ہوئی ہے یعنی جب بادل برس چکے، پانی پڑ چکا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے نماز ادا فرمائی لوگوں کو قریب سے جھانکا اور ان کے اعتبارات دیکھے تو فرمایا پتا ہے تمہیں اللہ نے مجھے کیا کہا کہ تم میں سے کچھ لوگوں کی صبح ایمان اور کچھ کی کفر پہ ہوئی ہے۔ فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیوں ہوا فرمایا جس نے یہ کہا کہ پانی اللہ کے فضل و رحمت سے پڑا وہ مجھ پہ ایمان لایا اور جس نے یہ کہا کہ یہ بارش مریخ و زہرہ اور قوسین کے اشتراک سے ہوئی یا قران سعد سے ہوئی یا قران نحس سے ہوئی۔ جس نے یہ کہا کہ بارش تاروں اور ستاروں کی گردش سے ہوئی وہ کافر ہوا اور وہ ایمان لایا ستاروں پہ۔ وہ مجھ پہ ایمان نہیں لایا۔

خواتین وحضرات! علم علم ہے۔ جاننا اور سوچنا علم۔ مگر اعتبارات اور کسی چیز کو شریک خداوند ٹھہرانا مختلف ہے۔

یہی وہ Delicacies ہیں، یہی وہ اعتبارات کی Delicacies ہیں کہ ہم معقول کو غیر معقول اور اصلی حاکم کو اس کی حاکمیت سے محروم کرنے کی فروگزاشت کرتے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ ہم سب کا ایمان اللہ پر ہے مجھے پتا ہے کہ ہم اہل اسلام اللہ کو مانتے ہیں۔ مجھے پتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں۔ لیکن اگر ہم واقعی رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کو تسلیم و رضا کی منزل سے مانتے ہیں تو پھر آپ کی یہ بات غور سے سننا پڑے گی کہ اپنا اصلی اعتبار ذات اور عقل و ایمان کبھی ضائع نہ کرو۔ کسی شخص کو کسی شے کو وہ حاکمیت عطا نہ کرو جو اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ بڑی خوبصورت بات ہے۔ یہ تھوڑا سا فرق ہے جو اللہ کے رسول کے سوا آپ کو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ شخص جس کے دل میں ذرا برابر غرور ہے اور گھمنڈ ہے وہ کبھی جنت میں نہیں جائے گا وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ تمرد، سرکشی، انا جس کے دل میں ہے۔ جس کے دل میں غرور ہے۔ عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کبھی جنت میں نہیں جا سکے گا جس کے دل میں غرور ہے۔ اشیاء کا غرور ہے، مکان کا غرور ہے، اولاد کا غرور ہے، کسی شے کا غرور ہے وہ کبھی جنت میں نہیں جائے گا مگر ایک شخص نے بڑا معقول سوال پوچھا ہے یہ سوال وہ ہے جو میں اور آپ بھی پوچھ سکتے تھے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آدمی چاہتا ہے کہ میرا جوتا اچھا ہو۔ میرے کپڑے بہتر ہوں، خوشبو لگا کر پھروں تو کیا یہ بھی غرور اور گھمنڈ میں آئے گا کیا اس کی وجہ سے بھی سزا ملے گی فرمایا ان اللہ جمیل ویحب الجمال (مسلم۔ مسند احمد ترمذی) اللہ جمیل ہے۔ اللہ حسین ہے۔ اللہ خوبصورت ہے۔ اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اچھا لباس اور اچھے جوتے پہننا غرور نہیں ہے، اچھی زندگی گزارنا اور اچھا کھانا کھانا غرور نہیں ہے بلکہ غرور یہ ہے کہ جو چیز آپ میں موجود نہیں ہے اس کو Claim کرنا۔ جو طاقت آپ کی نہیں ہے اس طاقت کو اپنا خیال کرنا، ادھار کی زندگی کو اپنا سمجھنا، ادھار کے اقتدار کو اپنا سمجھنا اور دوسرے لوگوں کو صرف اس لیے سرزنش کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور سچ بات کو اس لیے رد کر دینا کہ وہ آپ کو پسند نہیں ہے۔ اصل غرور یہ ہے۔ اچھا جوتا پہننا اور اچھا لباس پہننا غرور نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ کو ایک حدیث سنائی تھی۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی عصر حاضر کے مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ خطا انسان کے دل میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے۔ جب ہم گناہ کرتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ اب تو بخشش کا کوئی طریقہ نہیں رہا تو اللہ کی طرف سے پلٹ جاتے ہیں اور گناہوں کے ہاتھ اپنی زندگی کو بیچ دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ شیطان ہمارے اندر گناہ کی مایوسی اور یاس کو اتنا بڑھا دیتا ہے کہ ہم اپنی عاقبت کی خوشخبری سے محروم ہو جاتے ہیں یہ حدیث غور سے سننا متفق علیہ بخاری اور مسلم انس بن مالک سنن ابی داؤد ان جامع ترمذی اور نسائی میں متفق علیہ حدیث۔ حضرت ابو ذرؓ نے اسے روایت کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ ایک سفید کپڑا اوڑھے ہوئے سو رہے تھے۔ پھر آیا میں تو آپ سو رہے تھے، پھر میں آیا تو آپ جاگ گئے تھے آپ کو جاگتے دیکھا تو میں آپ کے پاس بیٹھ گیا آپ نے فرمایا غور سے سنیے جو لا الہ الا اللہ کہے پھر اسی اعتقاد پر مر جائے جس نے دل سے اور دماغ سے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر اسی اعتقاد پہ مر جائے تو وہ جنت میں جائے گا۔ تو ابو ذرؓ بڑے تھوڑی سی ذہنی پیچیدگی میں آئے کہ یہ تو کوئی Total سی Statement دی جا رہی ہے اس میں تو کوئی مکافات نہیں ہیں اس میں کوئی Exceptions نہیں ہیں تو فوراً ایک سوال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا، چاہے وہ زنا کرے، چاہے وہ چوری کرے۔ تین بار ایسا ہی فرمایا تو تینوں بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چاہے وہ کرے مگر

چوتھی بار جب ابوذرؓ کو اعتبار ہی نہیں آ رہا تھا جیسے آج کل کے علما کو اعتبار نہیں آتا، یہ چیزیں تو ان کے لیے جائز ہیں۔ آپ لوگوں کو تو یہ خبر سنا ہی نہیں سکتے۔ کسی خطا کار کو تو بخشش کی خبر دینا ہی ان کے نصیب میں نہیں۔ بھئی ہم سے غلطیاں ہو جاتی ہیں، سارے زمانے سے ہوتی ہیں پھر جو گناہ پوشیدہ ہیں ان کی توبہ اللہ نے کہا چھپا کر کرو اور جو گناہ تم ظاہر کرو ان کی توبہ ظاہر میں کرو اور جو گناہ شریعت کی زد میں آ گیا پھر اس کی سزا قبول کرو تا کہ آپ پاک وصاف ہو جاؤ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب چوتھی مرتبہ ابوذرؓ نے کہا چاہے وہ زنا کرے اور چوری کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر چہ ابوذرؓ کی ناک میں خاک لگے تو ابوذرؓ جب یہ حدیث سنایا کرتے تھے تو ہمیشہ یہ ساتھ کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کے ابوذرؓ کی ناک کو خاک لگے یعنی فہمائش فرمائی ناراض ہوئے کہ ابوذرؓ تجھے کیا ہوا ہے جب میں تجھے کہہ چورہا ہوں یا ایسے ہی ہے جیسے میں نے کہا ہے تو تو اتنی حجتیں اتنے سوال کیوں کر رہا ہے وہ سرزنش کا انداز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیکھیے کہ چاہے تیری ناک کو خاک لگے جو میں نے کہا یہی سچ ہے۔

سوالات وجوابات

حضورؐ پر اترنے والی وحی کا اختلاف!

سوال: سرولیم میور نے اپنی کتاب دی لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھا ہے کہ جب آپؐ پر وحی نزول ہوتی تھی تو وہ کہتا ہے وہ وحی نہیں ہوتی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (نعوذ باللہ) مرگی کے دورے پڑتے تھے اور عجیب وغریب آوازیں نکلتی تھیں۔ اس کی تفصیل بیان کریں؟

جواب: دیکھیے اسی طرح پروفیسر میکڈونلڈ نے بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے Psychopathic ہونے کا دعویٰ کیا مگر ایک بات اس کی شہادت Objectively کسی درجے تک پہنچنی چاہیے تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ Objective Sciences میں MRI اور CT Scan کے ذریعے جو کروڑہا مرگی والے انسان ہیں، ان میں سے کسی نے قرآن نہیں سنا اور پروفیسر میکڈونلڈ نے علامہ اقبالؒ کو لکھا کہ Prophet was a psychopath تو اقبالؒ نے اس سے کہا دیکھو

> If he was a psychopath we need such psychopaths

تو تمہاری دنیا کو ایسے بیماروں کی بڑی ضرورت ہے مگر آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ مرگی کا دورہ زندگی میں جب بھی پڑتا ہے وہ Functional inability create کرتا ہے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کی زندگی میں تادمِ آخر Disability کا کوئی حوالہ نہیں ملتا ہے Secondly اگر آپ مرگی کے اصول جانتے ہوں تو یہ Brain اور Veins میں Clotting ہوتی ہے جو Brain کی طرف جا رہے ہوتے ہیں اور Vision میں بڑا فرق پڑتا ہے۔ مرگی کے مریض کو خاص طور پر T.V نہیں دیکھنے دیتے۔ اس کو Light سے بڑا فرق پڑتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری

زندگی روشنی میں رہے۔ آپ نور تھے اور نور میں رہے۔ کسی نے ان کے بارے میں جو مرگی کا الزام رکھا ہے، اگر یہ مرگی کے دورے ہوتے تو Hundred Great Men کی کتاب میں جو دو برٹش برادرز Historians نے مرتب کی، انہیں یہ ضرور لکھنا چاہیے تھا کہ مرگی کا یہ مریض تمام انسانوں میں اعلیٰ ترین قدر و عزت کا مالک ہے۔ اگر یہ مرگی ہوتی تو یقیناً موسیو کارلائل جب Prophet as a Hero کا انتخاب کر رہا تھا تو اس کا اپنا پیغمبر تو عیسیٰ الصلوٰۃ والسلام تھا مگر اس نے کہا کہ کسی فردِ واحد نے انسانی نسلوں اور معاشروں پر اپنی تربیت کا اتنا گہرا اثر نہیں چھوڑا جو مدینے کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑا ہے اور میں جب Heroes کا ذکر کرتا ہوں تو تمام پیغمبروں میں میرے ہیرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ دیکھیے کہ کوئی بے بنیاد کہنا اور کسی پر کوئی اتہام رکھنا آسان ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات یقینی لگتی ہے کہ جس شخص نے یہ اعتراض کیا اس پر ضرور کوئی نہ کوئی دورہ پڑا ہوگا۔

نور اور بشر کی بحث کا پس منظر!

سوال: نور و بشر کیا ہے اور ان کی نوعیت کیا ہے؟ اور دعا کی قبولیت کے لیے وسیلے کے بغیر کیا فرق پڑتا ہے؟

جواب: نور و بشر کے حوالے سے میں آپ سے بات کرتا ہوں لیکن میں اس سے پہلے آپ کو اس کا پس منظر بتاتا ہوں۔ برصغیر میں ہمارے علماء کی گرفت کبھی تاریخ اور علم پر نہیں رہی۔ ان کی ہمیشہ گرفت ٹوٹے پھوٹے واقعات یا اپنے کم علم اساتذہ کے رتبوں پر رہی۔ بلکہ سب سے بڑا عذاب یہ رہا کہ اگر کوئی گلی کوچے کا چھوٹا سا عالم ہوا تو اسے شیخ عرب و عجم بنا دیا گیا۔ کسی کو شیخ الحدیث بنا دیا گیا۔ کسی کو شیخ علم بنا دیا۔ یہ رسمیں برابر جاری رہیں ہم نے تمام چھوٹے موٹے اساتذہ کو عالی مراتب بخش کر اپنے لیے مصیبت کھڑی کر لی یعنی جب ہم عام سے لوگوں کو یا جب شیخ عرب و عجم کے خطاب سے نوازیں گے تو پھر ہم ان سے سوال کرنے کی گستاخی تو نہیں کر سکتے مگر ہوا یہ کہ سترہویں اٹھارویں صدی میں Clergy اور Secularism میں جنگ شروع ہوئی۔ سترہویں اٹھارویں صدی میں مذہب میں اس جنگ کا آغاز Christianity سے ہوا۔ یہ سوال یورپی مسلمانوں میں نہیں تھا۔ بلکہ یورپین میں تھا۔ سوال یہ تھا۔

Whether God is energy or God is matter?

سوال یہ تھا کہ اللہ نور ہے یا مادہ ہے۔ ایک معترض یہ کہتا تھا کہ اگر اللہ نور ہے تو اس سے مادے کا اجراء نقص ہے اور یہ نہیں ہونا چاہیے اور اگر اللہ مادہ ہے تو اس سے نور کا اجراء نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ سوال ملوکیت، سیکولرازم اور مذہب کے موضوعات کے ساتھ ساتھ ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہمارے Academic ماحول میں آیا۔ سترھویں اٹھارھویں صدی میں یہ سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ مذہبی علماء Clergy پریکٹیکل سائنٹسٹوں کے ساتھ اس موضوع پر لڑ رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیونکر یہ سوال کہ اللہ نور ہے یا مادہ اللہ کی طرف جانے کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف موڑ دیا گیا کہ رسول اللہ نور ہیں یا بشر۔ اب آپ دیکھیے کہ اصولاً جب 18th Century میں آئن سٹائن آیا تو اس نے وہ مسئلہ حل کر دیا اور یورپ میں جو نور بشر کا جھگڑا شروع ہوا تھا وہ ختم ہو گیا کیونکہ جب اس نے E=Mc s.quare فارمولا دیا اور Relativity دی کہ Energy Mass کو اگر بہت تیز رفتاری سے 1,86000

Miles per Second کی رفتار سے گزارا جائے تو مادہ نور میں بدل جائے گا۔ اس سے ایک اصول پیدا ہوا کہ تمام مادہ ایک Condensed Energy ہے۔

You have to pass it through with a high speed of 186,000 miles per second.

کی رفتار سے گزارو گے تو یہ مادہ نور میں بدل جائے گا The same is true کوئی وجود، وجود مادہ نہیں ہے۔ تمام وجود نور ہے۔ زمان و مکان میں مادہ نور کی Distant صورت میں ہے اور کسی بھی وقت یہ توانائی میں بدل سکتی ہے۔ یورینیم کی مثال آپ کے سامنے ہے اور اس کی Shape بدل سکتی ہے۔ جب یہ معاملہ Simplest Level پہ سائنس طے کر دیتی ہے تو پھر اس مسئلے کو مذہب کے ناقص ترین علماء کیا Comments کیے جا رہے ہیں۔ حقائق یہ بتاتے ہیں کہ کوئی مادہ نہیں بلکہ تمام انجمدِ نور یا انجمدِ توانائی کی شکل ہے۔ اب آپ دوسری طرف آیئے کہ نور کا الٹ بشر ہے۔ قرآن حکیم میں ”اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور، والذین کفروا اولیئھم الطاغوت یخرجھم من النور الی الظلمت، اولٓئک اصحب النار ھم فیھا خلدون O‘‘ (البقرۃ: آیت ۲۵۷) اب اگر آپ اس سوال کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی مرتبت کے سامنے ایک Natural صورت میں رکھیں ایک تو آپ کتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ استغفر اللہ اب بشر کی جگہ ظلمت جو نور کا واقعتاً الٹ ہے۔ تو پھر آپ کیا سوچتے ہیں۔ کیا یہ سوال کسی قیمت پہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں Discuss کرنا یا پوچھنا جائز ہوگا؟

تکبرات سے بچنے کی سبیل!

سوال: جب ہم چھوٹی چھوٹی نیکیاں کرتے ہیں تو تکبر آ جاتا ہے اور وہ Guilt بن جاتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے کیا کیا جائے؟

جواب: قرآن حکیم نے خیر و شر دونوں کو فتنہ کہا ہے۔ خالی شر کو فتنہ نہیں کہا۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک علم بہتر نہ ہو اس وقت تک آپ کو نیکی سے بھی خبردار رہنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر Human Services ہیں۔ اگر آپ تھوڑا سا Differentiate کریں کہ آپ Human Services کو نیکی کیوں کہتے ہیں۔ آپ انسانی جذبات کو کیوں نیکی کا درجہ دیتے ہیں اور آپ کیوں یہ سمجھتے ہیں کہ اندھے کو سڑک پار لے جانا آپ کو کیوں سارا دن یاد رہتا ہے۔ اور ہر جگہ اس کا کیوں ذکر کرتے ہیں۔ ایک روپیہ کسی کو دے دینا کسی کی مدد کر دینا تو Generally آپ اوراد نیٰ Categorise کر رہے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زکوۃ کے علاوہ بھی مسلمانوں کا مسلمانوں پہ حق ہے اور وہ صدقات ہیں۔ اگر آپ ہر کام کو اس کی حیثیت اور نوعیت سے دیکھیں تو پھر آپ سے بنیادی فرائض میں شامل ہو جاتا ہے۔ مشکل تو یہ ہے کہ ہم ہر کام کو نیکی میں لے جاتے ہیں۔ برصغیر میں مبالغہ اتنا ہے کہ ہم ہر استاد کو قطبِ عالم بنا دیتے ہیں۔ بہر حال اللہ کے کرم اور مہربانی سے ہم مسلمان ہیں اور اللہ نے ہمیں دوزخ سے نجات بخشی ہے۔ ہمیں مبالغے سے بچنا چاہیے اور ان چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر ہرگز اترانا نہیں چاہیے۔ خواتین و حضرات! ہم اس مبالغے کو علم سے رفع کر سکتے ہیں۔ ہمیں یوں سمجھنا

چاہیے کہ ہم فقط اللہ کی توفیق سے یہ کارخیر سرانجام دیتے ہیں۔ ورنہ ہم تو اس قابل ہی نہیں ہیں کہ نیکی کا کوئی تصور ہم سے وابستہ ہو۔ جب ہم اپنی حیثیت کو محسوس کریں گے تو ہمارا ہر کام چھوٹا ہو جائے گا اور ہم متکبر نہیں بنیں گے کیا ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو رات دن جانوروں کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر ہم National Geographics کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو کہ وہ لوگ کہاں کہاں پہنچتے ہیں اور خدا کی مخلوق کے لیے کن سمندروں میں غوطے لگاتے ہیں لیکن دوسری طرف وہ اتنے فاسق ہیں کہ قتل و غارت کی برسات لیے پھرتے ہیں لیکن مسلمان کے نزدیک اس کی بڑی سے بڑی نیکی کا اجر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے کہ خدا اس کی خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور یہ کسی مسلمان کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔

فرقہ بندی کا ذمہ دار کون اور سدباب کیا ہے؟

سوال: مسلمانوں میں فرقہ بندی کا ذمہ دار کون ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: یہ تو مجھے نہیں پتا کہ فرقہ بندی کا کون ذمہ دار ہے۔ لیکن یہ تو ایک تاریخ ہے جو مجھے ابتدائے اسلام سے شروع کرنی پڑے گی جہاں سے Islamic Litrature کی تقسیم شروع ہوئی۔ میں قرآن و حدیث کی ایک بات آپ سے کرنا چاہتا ہوں قرآن میں اللہ نے فرمایا یعنی جن لوگوں نے دین میں فرق کیا اور اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے بہتر معزز اور اعلیٰ و ارفع سمجھا اور ایک گروپ بن گئے اور اپنے مخصوص انداز کے رنگ ڈھنگ ٹوپیوں، مصلوں، مسجدوں اور داڑھیوں سے اپنی شناخت اور پہچان کرانے لگے اور ایک گروپ اور فرقے میں بٹ گئے۔

اے پیغمبر آپؐ ان میں سے نہیں ہو۔ یہ ایک نہایت واضح آیت ہے جس کی روشنی میں ہمیں ایک اچھا Follower ہونے کے لیے صرف ایک ہی Title استعمال کرنا چاہیے اور وہ مسلمان کا ہے کیا ہمارے لیے صرف مسلمان ہی رہنا کافی نہیں ہے؟ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، پہلے اللہ کا کہنا مانو اور میرا کہنا مانو اور اگر تمہارے امراء اور بادشاہ خدا پرست نہ ہوں اور وہ اس قابل نہ رہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ بدکار اور فاسق ہوں تو ہم کم از کم تمام فرقوں سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنے گھروں میں بیٹھ جاؤ اور اس بازار فتنہ و فساد سے الگ ہو جاؤ اس میں تمہاری فلاح اور نجات ہے خواتین و حضرات! قرآن و حدیث میں یہی ایک متفق علیہ بات ہے کہ تم فرقہ وارانہ اختلافات اور فتنوں سے علیحدہ رہو اور تمہارا صرف سادہ سا مسلمان کا تشخص ہو میری دعا ہے کہ اللہ ہمارا اسی پر اختتام فرمائے کیونکہ ہماری نجات اسی میں مضمر ہے۔

سورہ فاتحہ کا قرآنی پس منظر

سورۃ فاتحہ کے بہت سارے نام ہیں۔ اس کا سب سے معقول و مشہور نام سبع مثانی ہے۔ حضورؐ نے اس پر تفاخر کا اظہار کیا کہ مجھے اللہ نے سبع مثانی عطا فرمائی۔ اُم الکتاب کا مطلب ہے کہ اگر خلاصہ کتاب لیا جائے اور پورے قرآن حکیم کے مقاصد کو سمجھا جائے، سوچا جائے، تو وہ سورہ فاتحہ سے بیرون نہیں ہے۔ یوں سمجھئے کہ جب ہم کسی مضمون کا خلاصہ تیار کرتے ہیں تو قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ ہے۔ اس سے متعلق جو ایک واحد کسی ذہن میں اضطراب پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کتاب کا حصہ ہے کہ نہیں ہے؟ بظاہر یہ دعا ہے مگر دعا سے بڑھ کر یہ ایک ذہنی اپروچ ہے۔ سورہ فاتحہ سیکھنے کی اپروچ کو واضح کرتی ہے۔

اب اس میں بڑا عجیب سا سوال یہ ہے کہ سورہ فاتحہ ختم ہوتی ہے تو پہلی آیت شک و شبہہ سے شروع ہوتی ہے ”الم ذلک الکتاب لاریب فیہ“ (البقرۃ ۱:۱-۲) سوال یہ ہے کہ کیا سورۃ فاتحہ پڑھنے والا اس دوسری آیت پر آ سکتا ہے جس سے کہ اہم مغز قرآن شروع ہو رہا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے والا پھر قرآن کو شک و شبہہ کی نگاہ سے دیکھے۔ یا یہ کنفرم کرے کہ ”الم ذلک الکتاب لاریب فیہ“ تو اللہ کا بظاہر طریقہ کار نظر نہیں آتا کہ وہ بزور لوگوں سے توثیق حاصل کرے۔ صاف بات ہے کہ اس پہلی آیت کا مطلب یہ نہیں بنے گا کہ آپ بلا شک و شبہہ اس کتاب پر یقین کریں بلکہ یہ بنے گا کہ آپ کے دل اور دماغ میں اگر کوئی شک ہے تو وہ اس کو نکال دیں۔ اس بیان میں اتنا یقین ہے۔

اب جو واحد تضاد خیال آتا ہے کہ فاتحہ پڑھنے والا یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ قرآن حکیم میں شک و شبہہ ہے کہ نہیں؟ اب اگر زمانہ عصر کے تمام فلاسفہ کو دیکھا جائے تو ایک عجیب سا ہمیں نقشہ نظر آتا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے خدا کے خلاف سو فیصد باتیں کی ہیں یا خدا کو تسلیم نہ کرنے کی باتیں کی ہیں، انہوں نے خدا کے بارے میں سوچا ہی نہیں۔ اگر میرے پاس ایک ذریعہ ہو۔ میں اس پر غور کر رہا ہوں اور اس کوشش میں ہوں کہ خدا کو جاننے کے لیے مجھے کون سا ڈیٹا ضروری ہے؟ اصولاً بطور طالبعلم مجھے تمام مذاہب کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ مجھے سوچنا پڑے گا کہ مذہب جو دعویٰ کر رہا ہے کہ میں خدا کا رستہ ہوں اور میں انسان کے شعور میں خدائی اجاگر کرتا ہوں تو کم سے کم ہمیں تمام مذاہب عالم کا اول و آخر مطالعہ کرنا ہوگا۔ Over All مذہب کے ساتھ مطابقت اس کی نہیں بنتی کیونکہ کوئی بھی عقل مند آدمی ایک چانس اسلام کو ضرور دے گا۔ یہ جو تکمیل مذاہب کا دعویٰ قرآن اور مذہب اسلام کر رہا ہے۔ ایک نیچرل سٹوڈنٹ کو یہ ہوگا۔ چاہے وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہو کہ وہ مذہب کے مزید مطالعے سے نہیں رکے گا۔

اسی طرح جو یہودی ہے جب وہ اپنے آپ کو توریت، تالمود اور اپنے علوم پر اپنے آپ کو بلاک کرتا ہے اور وہ

نہ انجیل نہ قرآن کو مانتا ہے۔ اپنے مذہبی تاج پر قائم ہے۔ اکیڈیمک کی سطح پر انہیں ان چیزوں کا پتا نہیں جو اس کو شارٹ آف انفارمیشن ثابت کرتی ہیں۔ دوسری طرف آپ سائنسدان کو لیجیے۔ بڑے بڑے قابل سائنسدان، جو اعلیٰ ترین سائنسی تحقیقات کرتے ہیں۔ ان سے ایک سوال پوچھنے والا ہوتا ہے کہ تم لوگوں نے 30, 35, 40 برس ایک سائنٹفک موضوع کی ریسرچ پر لگا دیے ہیں۔ تم لوگوں نے یہ کیا کہ شروع سے اسی انسٹرومنٹ سے آگاہی پائی۔ ایف ایس سی بی ایس سی ایم ایس سی کی، جو آپ کو مزید کسی بڑی تحقیق میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں لیکن جب آپ مذہب کے بارے میں ایک رائے دیتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ آپ نے وہی 40,35 سال نہ سہی کوئی سائنسدان یہ تصدیق کر سکتا ہے کہ اس نے 20,15 سال ہی اسی دقیق نظری اور اسی تردد سے مذاہب کے مطالعہ میں گزارے؟ کیا اسی نظر، پیٹرن اور اسی معروضی معیار اور تجزیاتی تعقل سے اس نے مذہب کا مطالعہ کیا؟ پتا لگتا ہے کہ نہیں کیا؟

سائنسدانوں میں دو عمومی خوف پائے جاتے ہیں۔ یہ امر محال سمجھا جاتا ہے کہ مذہب سائنٹفک معروضیت پر پورا اترے گا۔ بھلا کیوں نہ اترے گا؟ اگر آپ پہلے سے متردد اور خوفزدہ ہیں کہ مذہب گھڑا گھڑایا عقیدہ ہے۔ محض کہانی، روایت اور اساطیر الاولین ہے۔ پھر کیسے آپ مذہب کو معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں گے؟ اور آپ کیسے مذہب کے بارے میں مہربان ہوں گے؟

میں ایک آزاد منش انسان کی حیثیت سے سمجھتا ہوں کہ میری تمام تر آزادی میں مذہب حائل ہے اور مذہب سائنسی و معروضی معیار پر پورا ہی نہیں اترتا تو مجھے اس پر کیونکر یقین کر لینا چاہیے؟ میں نے دیکھا کہ سائنسدان جب مذہب کی طرف آتا ہے، تو وہ غیر منصفانہ اعتراض کرتا ہے اور غیر منصفانہ تسلیم کرتا ہے۔ اس لیے کہ اپنے آپ کو معروضی گردانتے ہوئے اور مذہب کو اس معروضیت کے معیار سے ماورا سمجھتے ہوئے اس کے پاس کوئی چارہ نہیں کہ وہ مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے یا مذہب کو تسلیم کرے لیکن مذہب کو ماننے کے لیے اسے اندھا عقیدہ کھڑا کرنا پڑتا ہے جبکہ عرصہ دراز سے زمانے نے یہ دیکھا ہے کہ مذہب کے لیے اندھے عقیدے سے زیادہ خطرناک شے کوئی نہیں۔ وہ جو صاحب مذہب ہے وہ عقل و شعور کو دعوتیں دیتا ہوتا ہے اور صاحبان عقل و شعور اندھا دھند اعتقاد کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ چنانچہ فلاسفر اور سائنسدان دونوں مذہب کے تصور کے ساتھ مناسب انصاف نہیں کر سکے۔

اب مذہب کی طرف سے دیکھتے ہیں۔ مذہب کی طرف سے رسم و رواج یا جو عباداتی رسوم ہیں وہ اہم ہیں۔ بدقسمتی سے آج کے زمانے میں مذہب کو ان تمام Occults کے ساتھ ملا دیا گیا ہے جو زمانے نے اپنی جہالتوں کی وجہ سے مذہب سے فرار حاصل کرتے ہوئے پیدا کیے تھے۔ یہ کتنی مذہب کی توہین ہے کہ جس چیز کو مذہب پوری طرح مسترد کرتا ہے اور جس چیز کے خلاف مذہب زمانے میں آیا ہے آپ اسی چیز کو مذہب قرار دیتے ہیں۔ یہی تضاد آج کل کے زمانے میں روحانیت اور تصوف میں ہے۔

تصوف جو انسان کے خدا کے ساتھ تعلق کا خصوصی علم ہے اس کو انہوں نے عجیب و غریب حیرت افزا واقعات کا مجموعہ بنا کر اور اس کو روحانیت کا نام دے کر ان دونوں کو ایک کر دیا اور یہ داستان چھوڑ دی کہ ہر مذہب میں روحانیت ہو سکتی ہے، ہر مذہب میں تصوف ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے ہے تو دوران زمانہ یا 100 سال سے سسکتی لاچار اور بے آسرا انسانیت کو

کہیں سے کوئی ایسے پائے کا صوفی کیوں نہیں ملا جس نے اس کی کائنات سنوار دی ہوتی۔ اس کے رستے استوار کر دیے ہوتے۔ اس کی حقیقتیں درست کر دی ہوتیں۔ اس کے برعکس ہم نے دیکھا کہ انسان جب تکمیل عقل پر پہنچا یا یوں کہیے، جب عقل اپنی بے پناہ مجبوری کے فشار پر پہنچی، تو ہم نے یہ دیکھا ہے کہ عقل زیادہ Occultist ہوتی جا رہی ہے۔ ایک طرف تو اس نے تحقیق اور جستجو میں کئی بار ذرے ذرے کا جگر چیرا مگر یہ چشم حیراں ہے کہ جس کی حیرانی نہیں جاتی۔

دوسری طرف وہ مذہب کو اپنی زندگی میں محض اس لیے رسم و رواج کے طور پر قائم رکھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی ذات کے خوف کا سامنا نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے سائنٹفک ٹمپر ہونے کے باوجود اپنی بنیاد کے مسائل کا سامنا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ مذہب کو اپنے دل اور دماغ کی داخلی کمزوریوں کی خصوصی فلاسفی کے طور پر زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔

اس صورت میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کو ماننے کے دو رستے ہیں۔ اس میں پہلا رستہ یہ ہے کہ خدا کو مان کر اسے چیک کیا جائے اور ایک رستہ یہ ہے کہ خدا کو نہ مان کر خدا کے اعتبار تک آیا جائے۔ لہٰذا میں کہوں گا کہ چونکہ قرآن عامی اور خصوصی سب کے لیے ہے، تو وہاں جو اصول تعلیم ہیں، وہ تسلیم کے بعد شک و شبہہ کی گنجائش چھوڑتے ہیں مگر جو ایک خاص یا کوئی فرد ہوگا، جیسے ابراہیم تھے، وہ جب اعتبارات شروع کریں گے تو وہ انکار سے اقرار کو آئیں گے۔ تمام اعلیٰ پڑھا لکھا ذہن انکار سے اقرار کو آتا ہے اور یا پہلے سے تسلیم کردہ عقیدے کی نفی کرتا ہے۔ عمومی ذہن اتنا پیچیدہ نہیں ہوتا یا عمومی زندگی میں اس کے پاس اتنا وقت اور اتنا مطالعہ نہیں ہوتا۔ اتنی تعقل اور سوں سوں کرتی علم کے لیے بے چینی نہیں ہوتی۔ اس لیے خدا نے اسے ایک اپروچ دی ہے کہ مجھے مانے اور مجھے آزمائے۔ میرا انکار کرے اور مجھے ڈھونڈے۔ یہ دونوں رویے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

سو الحمد بنیادی اپروچ تھی ہے اور بنیادی اپروچ میں بھی پہلا کلمہ جیسے "الحمد لله رب العالمین" (الفاتحہ: آیت ۱) ہے اس لحاظ سے بڑا ہی اہم ہے کہ یہ تمام انانیت انسان کا توڑ ہے۔ اگر آج کے زمانے میں بہترین انسان بھی اپنی زندگی کا خود وارث ہو جیسے میں اپنا رزق خود کماتا ہوں تو خدا اسے اس پہلی آیت میں ہی بتاتا ہے کہ ربوبیت ایک جنس کو محیط نہیں ہے۔ تو غلطی کرتا ہے، جب اپنے رزق کا اپنے آپ کو وارث قرار دیتا ہے۔ اردگرد کی کائنات دیکھ کر یہ نہیں سوچتا کہ باقی کا رزق کون دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم نہیں دیتے۔ اگر انسان باقی اشیا کو رزق مہیا نہیں کرتا، تو ایک عمومی سوچ یہ بھی سوچنے پر قادر ہے کہ یہ جو اتنی بڑی کائنات ہے، اس میں جمادات ہیں۔ متحرک اشیا اور جاندار ہیں اور بے جان بھی ہیں۔ ہر چیز کا متعلقہ رزق ہے۔ اگر انسان کا رزق اس کے معدے سے منسلک ہے، تو فرشتہ تو نہیں کھاتا۔ فرشتے کا کچھ اور رزق ہوگا۔ جن کا رزق اگر گوبر اور ہڈی ہے، تو وہ انسان کا رزق تو نہیں ہے۔ ان سے بھی بالا آپ اٹھیں، تو سورج کا رزق اٹھارہ ہزار ایٹم ہیں، جو ایک ناپے میں وہاں پھٹتے ہیں۔ اس کو حرارت دیتے ہیں اور اس کی پرت سے حرارت ہوتی ہے۔ زمین پر زندگی اور نشوونما کا باعث بنتی ہے۔ سورج کا رزق کون مہیا کر رہا ہے؟

پھر اس چاند کو دیکھیے جو ایک بجھے ہوئے چراغ کے علاوہ کچھ نہیں۔ جو اندھیرے اور تاریک غاروں پر مشتمل ایک اندھا سیارہ ہے مگر جس کے ریگزار اتنے چمکتے ہیں کہ وہ سورج کی روشنی لے کے پوری کائنات کو منور کرتے ہیں۔ اس بھوکے ننگے فقیر کا رزق سورج کی پڑتی ہوئی قرمزی شعاعوں میں ہے جسے منعکس کر کے وہ دنیا کو خوبصورتی، چاندنی اور

حسن دیتا ہے۔ فرض کیجیے، موت کا رزق زندگی ہو، تو کبھی کبھی موت کا یہ تو حق ہے کہ پیٹ بھر کے کھائے۔ ساری عمر ایک آدمی ادھر اور کبھی ادھر سے اٹھانے کے بجائے کبھی اس کے لیے یہ گنجائش نکلنی چاہیے کہ ہزاروں آدمی بھی اکٹھے کھا لے۔ زندگی اور تمام کائنات کسی نہ کسی رزق پر قائم ہے۔

جہاں وسیلہ ہے وہاں رزق ہے اور وسائل اس کے رزق کو متعین کرتے ہیں۔ اس لیے رزق کی ایک متعین اور محدود تعریف اللہ کو پسند نہیں ہے۔ وہ کائنات میں رب اللعالمین ہے۔ عالمین کتنے ہیں؟ ان کی جہتیں کتنی ہیں؟ ان کی ابعاد کتنی ہیں؟ اس کا فروغ کتنا ہے؟ ان کی تنگیاں کیا ہیں؟ فراخیاں کیا ہیں؟ یہ سب اللہ کے علم میں ہیں۔ کسی چیز کا رزق حرکت ہوتی ہے اور کسی چیز کا جمود ہوتا ہے۔ کسی چیز کا رزق ہوا، تو کسی کا آگ ہے۔ اللہ نے ہر چیز کو اس کا مناسب رزق عطا فرمایا ہوا ہے۔ ربوبیت واحد ایک ایسی کوالٹی ہے، جس کو خداوند کریم بغیر کسی تعصب کے اشو کرتا ہے۔ یہ وہ کوالٹی ہے، جو کافر کا بھی حق سمجھا جاتا ہے اور مومن کا بھی حق سمجھا جاتا ہے۔ بکری کا سمجھا جاتا ہے، تو بھیڑ کا اور بھینس کا بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس معاملے میں پروردگار عالم اکیلا ہے۔ ربوبیت میں وہ منسلک نہیں ہے۔ ربوبیت میں وہ بالکل یقینی ہے۔ اس حیثیت میں کسی قسم کی کوئی شرط نہیں ہے۔ کسی قسم کی عبادت یا تعلق کا مطالبہ نہیں۔ توجہ کی طلب نہیں ہے۔ خدا ربوبیت میں تنہا، اکیلا، لاتعلق اور بے نیاز ہے۔ اس لیے کہ یہ کام وہ بغیر کسی غرض کے کرتا ہے۔ بغیر کسی مطلب، انتقامی حس، کسی بدلے اور بغیر کسی جنت اور جہنم کے کرتا ہے۔ وہ اس کوالٹی کو سب سے منفرد اور ممتاز سمجھتا ہے اور قرآن شروع کرنے میں سب سے پہلے اس نے جس کوالٹی کا ذکر کیا ہے وہ رب العالمین ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دوست کو رزق دیتا ہے، تو اپنے دشمن کو بھی دیتا ہے۔ غیر فکرمند اور فکرمند دونوں کو دیتا ہے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ اللہ ہی ہوسکتا ہے الحمد الله رب العالمین۔

اب آپ دیکھتے ہیں کہ آگے " الرحمن الرحیم " ہے۔ "مالک یوم الدین" ہے۔ یہ اس کے رحمان اور رحیم میں کسی قسم کے تعصبات نہیں ہیں "وکتب علی نفسہ رحمۃ" دنیا اور جہاں کی تخلیقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے اپنے اوپر لازم قرار دے دیا کہ ہم ان پر ضرور رحم فرمائیں گے۔ اس رحم میں ہر چیز شریک ہے۔ خدا وہ ہے کہ جو بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے قیامت کے دن انصاف دلائے گا۔ رحمن اور رحیم میں انصاف ہے۔ خدا اپنے اوپر بھی انصاف لاگو کرتا ہے۔ اس کی مہربانی، مروت اور کریمی انتہا درجے کے رحم پر مشتمل ہے۔ اسی لیے ان دونوں لفظوں کو علیحدہ کر کے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ خدا "رحمن الدنیا و رحیم الاخرۃ" ہے۔ دنیا میں وہ رحمن ہے۔ دنیا سے گزر جانے کے بعد اس کی مخلوق کو اس کے زیادہ رحم کی ضرورت پڑے گی، تو مبالغے کا کلمہ رحیم ہے۔ آخرت میں بلاشبہ اللہ اپنے کرم اور اپنی نوازش سے ایسے لوگوں کو بھی معاف کرے گا، جن کو اپنی بخشش کا کوئی یقین نہیں ہے۔ اگر رحمن الدنیا ایک عنصر ہے، تو اس کا سو گنا رحیم الاخرت ہے۔ جو شخص اللہ کے بارے میں یہ گمان رکھے کہ وہ ظالم یا سخت ہے، اس کو چاہیے کہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھے اور یہ دیکھے کہ اللہ نے قرآن شروع کیا اور اپنے بارے میں تفکر کا عندیہ دیا تو سب سے پہلے یہ کہا میں تمہاری ربوبیت میں کسی قسم کے تعصبات سے کام نہیں لیتا۔

دوسرا یہ کہا میں ہر حال میں تم پر رحم کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد کسی بندے کے لیے کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ

وہ تھامس ہارڈی کی طرح یہ کہے کہ

We are like flies in the hands of God and he kills us for his support.

ہم خدا کے ہاتھوں میں مکھیوں کی مانند ہیں اور ہمیں اپنے شغل کے لیے مارتا رہتا ہے۔ وہ تو تخلیق ہی ہمیں رحم وکرم کے لیے کر رہا ہے۔ اسے ہمیں اپنے شغل میلے کے لیے مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ انسان کی پرکھ اللہ پر ناقص ہے۔ اللہ جو اپنے آپ کو بیان کرتا ہے، وہ صحیح کرتا ہے۔ وہی سچا ہے اور سچائی اسی کے نام سے زندگی اور وجود پاتی ہے۔ ہم تک جتنے سچائی کے تصورات ہیں، یہ ہمارے نہیں ہیں بلکہ ان اقدار سے مرتب ہیں جو اللہ نے سچائی کے ساتھ وابستہ کی ہیں۔

یہ بات یاد رکھیے گا کہ تمام اقدار اقدار نہ ہوتیں، اگر خدا ان کے ساتھ خصوصیات منسوب نہ کرتا۔ یہ جو میں سچ کو سچ مانتا ہوں۔ خلاق کو خلاق اور کرم کو کرم گردانتا ہوں اور رحم کو رحم تسلیم کرتا ہوں تو یہ کس کے طفیل اور بخشے ہوئے تصور کے تحت ہے؟ دورِ حاضر تو یہ ہے کہ اگر آپ چند لوگوں کو بھی بیماریوں سے، کینسر سے نجات چاہیے تو کہتے ہیں کہ ان کو گولی مار دو، قتل کر دو۔ ظاہر ہے قابل علاج جو نہیں ہیں۔ اگر انسان پر رحم وکرم کے عناصر چھوڑ دیے جاتے تو انسان کی اپنی توجیہات بہت ہی مختلف ہوتیں جو ہمارے پاس کانسپٹ ہیں۔ جنہیں ہم دائمی اقدار کہتے ہیں۔ Cosmic اور امرٹیشنل ویلیوز کہتے ہیں، یہ ساری کی ساری مذہب سے جاری ہوئی ہیں۔

آگے ہے مالک یوم الدین، دین کہتے ہیں، پورا پورا دینا۔ پورا پورا دینے میں انصاف ہوتا ہے۔ ایک وہ ہوتا ہے کہ خدا اپنی طرف سے کیا ڈالتا ہے یعنی انصاف تو پورا پورا ہوگا۔ ایک ایک لمحہ' ایک ایک وقت' ایک ایک گھڑی اور ایک ایک فعل کا۔ دین سے مراد یہ ہے کہ اگر تمہاری کوئی خوبی جو زمین کی تہوں میں چھپی ہوئی ہے، اس دن اللہ تعالیٰ تمہیں نکال کے دے گا اور دکھائے گا کہ تمہارے تصور کی کوئی نیکی بھی میں نے ضائع نہیں کی۔ اسی لیے فرمایا ''فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ'' (الزلزال: آیت ۷-۸) کہ ذرہ ذرہ تمہارے خیر کا جمع کرتا ہوں اور ذرہ ذرہ تمہارے شر کا جمع کرتا ہوں چنانچہ بنی نوع انسان کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے۔

انسان اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ تمام دنیا میں ہر آدمی خدا سے جو انکار کر رہا ہے، لامحالہ اپنے افعال کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ اس کو یہ حق نہیں بنتا کہ وہ کہے کہ اللہ نے میری قسمت اور میرے نصیب میں لکھا تھا۔ اس سے پوچھیں، جب تو اللہ کو مانتا ہی نہیں۔ اگر اللہ کو مانتا ہوتا تو پھر جواز اس بات کا رہتا کہ میں تو تجھے مانتا ہوں، تو نے میرا نصیب ہی ایسا لکھا ہے مگر جو یہ مانتا ہی نہیں ہے کہ اللہ نے اس کا نصیب لکھا ہے، اس کا کیا حق ہے یہ کہنا کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھ دیا ہے؟ ایک سیکولر کا کیا حق ہے، جو خدا کو ایک زوال پذیر قدر، قصہ پارینہ اور صحرا میں بیٹھے مسافروں کی گپ شپ سمجھتا ہے۔ اس کا کیا حق ہے یہ کہنا کہ اللہ نے میرے مقدر میں یہ لکھا ہے؟

یا اس کا حق تو بنتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی کا ہر لمحہ خدا نے بنایا ہے جو اپنی موت وحیات کا مالک اپنے پروردگار کو سمجھتا ہے۔ وہ اگر کہے کہ اللہ تو نے میرے مقدر میں خرابی لکھی یا اچھائی لکھ دی ہے تو اس کا حق بنتا ہے مگر کسی نہ ماننے والے احمق سکالر کا حق نہیں بنتا کہ وہ کہے کہ اللہ نے میرے مقدر میں کیا لکھ دیا ہے۔ وہ ہمارے لوگوں کے ساتھ صرف بحث کے لیے یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔ جبر وقدر کی تمام بحثیں اسی لیے ناقص ہیں کہ بالعموم یہ

باتیں وہ زیر بحث لاتے ہیں، جو خدا میں یقین اور اعتماد نہیں رکھتے اور دوسروں کو کنفیوز کرنے کے لیے یہ بحث کرتے ہیں۔

اب اللہ نے فرمایا ایاک نعبد و ایاک نستعین اگر کوئی خدا کو مانتا ہے تو اس کو یہ پتا ہونا چاہیے کہ یہی اصلی عقیدہ ہے۔ اگر اتنا بڑا مددگار کائنات کا آپ کے پاس موجود ہے۔ اتنا مہربان موجود ہے۔ یعنی رب رحمٰن و رحیم اور حساب والا وہ ہے اور آپ کسی اور سے مدد مانگو تو اس سے بڑی نادانی کوئی ہو سکتی ہے؟ جو اپنے معاشرے کو دیکھیے تو آپ کو پتا لگے گا کہ الحمد سے انحراف کتنا عام ہے۔ اس اپروچ سے انحراف اس قدر ہے کہ آدمی ذرا ذرا سی بات پر کہتا ہے کہ تعویذ نے میرا یہ بند کر دیا۔ تعویذ نے میرا وہ بند کر دیا۔ تعویذ نے میرا سانس بند کر دیا۔ یہ تعویذ میری موت کے لیے ہے۔ یہ میری زندگی کے لیے ہے۔ جادو ہو رہے ہیں۔ سحر ہو رہے ہیں۔ عامل بیٹھے ہوئے ہیں یعنی وہ طلسم ہوشربا میں خواجہ عمرو عیار کے پہنچنے سے پہلے ساری کی ساری نگری افراسیاب جادوگر کے ہاتھوں میں آئی ہوئی ہے۔ یہ کوئی مذاق ہے؟ آپ خدا میں کیا اور کس حد تک یقین رکھتے ہیں؟ آپ کو پتا ہی نہیں اللہ میاں کیا الحمد میں کہہ رہا ہے کہ ربوبیت میری ہے۔ رحمت میری ہے۔ انصاف میرا ہے۔

ان تین قدروں سے نکل کر جب ان کا مالک کسی اور کو سمجھ لیتے ہیں۔ جب اپنا رزق بند کرنے اور کشادہ کرنے والا انسان بنا لیتے ہیں حالات و واقعات کو ایسا قرار دیتے ہیں یا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ رحمت و کرم آپ کو لوگوں سے نصیب ہو گی اور خوشامد اور لوگوں کی صفت پذیری میں آپ زندگیاں گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح جب آپ انصاف کے لیے کسی غیر مخلوق اور غیر خدا سے رجوع کرتے ہیں تو پھر آپ کا اعتقاد شروع ہی سے ناقص ہو جاتا ہے اور آپ خدا میں ایمان نہیں رکھتے۔

اھدنا الصراط المستقیم یہ آیت دیکھیے۔ تمام وساوس اور خطرات اور تمام عدم توازن کے تصورات کے مقابلے میں اب خدا آپ کو ایک اپروچ دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ دیکھیں، ہم نے رستہ ڈھونڈنا ہے اور رستہ بھی ایک ایسے سراب میں سے ڈھونڈنا ہے کہ جس کی انتہا کوئی نہیں ہے۔ ایسے صحرا میں جس میں آگے جانے والے پاؤں کا کوئی نشان نہیں ہے۔ اس صحرا میں کوئی نخلستان نہیں ہے اور کوئی چشمہ نہیں ہے۔ اس لق و دق صحرا میں ایک غریب الوطن اجڑا ہوا مسافر رستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ پھر آپ اس رستے کے ڈھونڈنے میں کتنے خوف زدہ ہیں۔ کتنے پریشان ہیں۔ ایک ناسٹلجیا اور ایک درد ہے جو آپ کے سینے میں اٹھتا ہے۔ وہ درد کس چیز کا ہوتا ہے؟ کاش میرا کوئی گائیڈ ہوتا۔ کوئی میری رہنمائی کرتا۔ کاش صحرائے تخیل سے مجھے کوئی رستہ دکھا دیتا۔

اللہ کہتا ہے، ضروری تو نہیں، سب کو پیر مل جائے۔ سب کو فقیر مل جائے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ ہر جگہ اللہ کا کوئی بندہ بیٹھا ہوا مشعل راہ دکھا رہا ہو۔ خدا کہتا ہے، میں تو ہوں نا۔ میں جو ہوں اھدنا الصراط المستقیم تم سب لوگوں کا حق ہے کہ مجھ سے صراط مستقیم مانگو۔ کیوں؟ اس لیے کہ تمہیں صراط مستقیم دکھانے والا کوئی نہیں بلکہ “ان ربی علی صراط مستقیم” (ہود: آیت ۵۶) تمہارا رب ہے ہی سیدھے رستے پر اور اس نے سیدھے سیدھے رستے کا تعین کیا۔ اسی نے سیدھے رستے کے نشان منزل بنائے ہیں۔ اسی نے اس میں نخلستان اگائے ہیں۔ یہی آپ کو ایک سے دوسرے پیغمبر تک پہنچا رہا ہے۔ یہی زمانوں کی اقدار کو الٹ پلٹ کر رہا ہے اور ہر زمانے کی بے چینی اور اضطراب اور ہر زمانے کے شکوک کے

مطابق آپ کو پیغمبری دے رہا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی زمانے میں بڑا مسئلہ دیکھتا ہے تو پیغمبری اس مسئلے سے معروضی طور پر متعلق ہوتی ہے۔ جو شخص بھی اس وقت اس زمانے میں نزول فرمائے گا یا جس شخص نے بھی اس زمانے میں ہدایت اور علم کی تعلیم دینی ہے اس شخص کو اسی مسئلے کے مطابق پیغمبری کے اوصاف عطا ہوئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا "واتبعوا ماتتلوا الشیطین علی ملک سلیمان، وما کفر سلیمان ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر" کہ سلیمان نے کفر نہیں کیا مگر جو اس زمانے کے لوگ تھے، وہ شیاطین کی مدد سے جادو، تعویز، سحر کے معاملات میں الجھ کر خدا کا انکار کرتے تھے۔

اللہ نے دوبارہ تاکید کر کے کہا کہ " وما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت "(البقرۃ :۲-۱۰۲) کہ ہم نے ہاروت و ماروت کو سحر سکھانے کے لیے نہیں بھیجا تھا، بلکہ وہ دراصل لوگوں کے ایمان کے لیے ایک فتنہ اور آزمائش بن گئے تھے۔ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ خدا کے لیے ہماری طرف مت آؤ۔ ہمارا علم مت سیکھو۔ کیونکہ یہ سحر، یہ جادو، یہ تعویذ کاری تمہیں خدا کے اعتبارات سے ناقص کر دے گی اور تم کفر کا ارتکاب کرو گے۔ فرشتے کسی کو بھی سحر سکھانے سے پہلے یہ جملہ تواتر سے بولتے تھے "وما یعلمان من احد حتی یقولا انما نحن فتنۃ فلا تکفر" (البقرۃ:۲-۱۰۲) اے لوگو! ان تعلیمات کی طرف تعویذوں اور جادو کی طرف نہ جاؤ۔ بے اعتباری کو نہ جاؤ۔ خدا کی حکمت عالیہ میں تصرف کوئی شخص کوئی بندہ نہیں رکھتا۔ جو کوئی بھی شخص ایسی کوشش کرے گا، وہ جھوٹا اور کافر ہو گا۔ اس لیے تم ان چیزوں کی طرف نہ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم کفر کا ارتکاب کر بیٹھو۔

وہ سکھاتے کیا تھے؟ "ویتعلمون منھما مایفرقون بین المرء و زوجہ" شوہر اور بیوی کے درمیان فرق ڈالنا، تعویذوں سے۔ تعویذ حب، تعویذ بغض، تعویذ کار، تعویذ کارکردگی، یہ تمام کے تمام تعویذات اس وقت جادوگر جاری کیا کرتے تھے کہ میاں بیوی میں فرق کیسے ڈالتے ہیں۔ محبتوں میں لوگوں کو قید کیسے کرتے ہیں۔ نفرتیں کیسی ابھاری جاتی ہیں۔ یہ سب تعویذ کرنے والوں کے کام اور شوق ہوتے ہیں۔ یہ کفر ہے اور خداوند کریم ایک علمی ہدایت اشو کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ تعویذ کا کیا اثر ہے اور تعویذ ماننے اور نہ ماننے کا کیا اثر ہے، تو پروردگار عالم فرماتے ہیں "ویتعلمون مایضرھم ولا ینفعھم" (البقرۃ: ۲-۱۰۲) تم ایسی بات کیوں سیکھتے اور پڑھتے ہو، جس کا فائدہ ہے نہ نقصان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے، جو اعتبار کرے گا، اسے نقصان ہونا شروع ہو جائے گا۔ جو اعتبار نہ کرے گا اس کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔

یہ تمام وہم اور وسوسہ کے علوم اس زمانے میں اتنے ترقی پذیر تھے۔ خاص کر ہم بنوقد نصر کا زمانہ دیکھتے ہیں کہ وہاں اعلیٰ ترین تعلیمات شمسی اور جدول شمسی بننا شروع ہوا۔ سب سے پہلے اسی زمانے میں سورج گرہن، چاند گرہن کے تواتر کا آغاز ہوا۔ اور یہ جسے آسٹرالوجی کہتے ہیں، جو آسٹرونومی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی، اسی زمانے میں اسے اتنا بڑا علم کہا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں بڑی کہاوتیں مشہور تھیں۔ مگر اسی زمانے میں حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا کہ پیغمبر کو یہ علم شناخت منزل کے لیے عطا ہوا۔ پھر جس کی لائن اس سے مل گئی، وہ تو ٹھیک ہے اور باقی تمام مردوذ ٹکل پچو والے اور خراص ہیں۔ خراص کہتے ہیں، جو محض اندازے لگاتے ہیں۔ اسی لیے دوسری حدیث ناطق ہوئی کہ جس شخص نے یہ کہا کہ یہ جو

بارش ہے، کسی سیارے ستارے کی وجہ سے برسی ہے، اس نے کفر کا ارتکاب کیا اور جس نے یہ کہا کہ بادل ہمارا اللہ برساتا ہے اور اللہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اس کا ایمان سلامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں ستاروں کی پرستش بڑی ہوتی تھی۔ بتوں کے لوگ نام رکھ کر ان کو دیویاں بنا کر دیتے تھے اور ان سب کی خدا کے نام پر پرستش ہوتی تھی۔ شرک اس کو کہتے ہیں، جب اللہ کی مطلق طاقتوں میں کسی کو شریک کر لیا جائے۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ کفارِ مکہ کافر نہیں، مشرک تھے۔ انہوں نے خدا کے معاملات کو بانٹ کر بہت سارے دیوتا پیدا کیے ہوئے تھے۔ جیسے ہبل ہے۔ ہبل کوئی نیا دیوتا نہیں تھا۔ ہبل اپالو کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جو شام اور یونان سے نکلتی ہوئی ادھر آئی اور یہاں آ کے اپالو کے بجائے ہبل ہو گئی۔ اسی طرح یونان کی شہوات کی دیوی وینس ہے، یونان میں آ کے وہ Aphrodite تھی۔ روم میں وہ وینس ہو گئی۔ عرب میں آ کے اشتعار کہلائی۔ اشتعار کی پرستش ملکہ سبا کے ملک میں ہوتی تھی۔ سورج اور اشتعار کا اکٹھا ساتھ ہے۔ اپالو اور ڈیانا' اپالو اور وینس کی پرستش ہوتی تھی۔ سو تمام تر بت پرستی ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح منسلک ہے، جس طرح ہمارے ہاں سلسلہ ہائے نسب ہیں۔ جس طرح اولادِ آدم اپنے نسب سے منسلک ہے، اسی طرح پتھر پتھر سے اور بت بت سے منسلک ہے۔ یہاں کے، انڈیا کے بت نئے نہیں ہیں۔ اگر آپ ایک اجنبی کو واقعہ میں دیکھیں تو یونان کا کیوپڈ اندھا دیوتا ہے، جو محبت کا دیوتا ہے اور اس کے پاس سونے کی کمان ہے۔ ہندوستان کا جو دیوتا مدن اور منوہر ہے، وہ بھی اسی شکل کا ہے۔ اندھا ہے اور اس کے ہاتھ میں پھولوں کی کمان ہے۔ سو یہ ہو بہو وہ دیوتا ہیں، جو ایک جگہ سے سفر کر کے شوقیہ اگلی طرف چلے گئے۔

اسی طرح جب مصر سے گزرتے ہوئے بنو اسرائیل نے دیکھا کہ لوگوں نے بڑے خوبصورت بت بنا کے چاندی اور سونے کے اپنے مندروں میں سجا رکھے ہیں۔ اس بے وقوف قوم نے، جو آج اپنے آپ کو سب سے سمجھدار سمجھتی ہے، حضرت موسیٰ سے کہا کہ کیوں نہ ہم بھی اپنے خدا کا ایک بت بنا کر اسے قریب سے پوجا کریں۔ چنانچہ یہ رسم و رواج بت پرستی بھی ایک چھوت کے مرض کی طرح ایک سے دوسرے کو لگتی چلی جاتی ہے۔ اس کے سمبل، علامات، تاریخ سازی ایک ہوتی ہے۔ خداوند کریم نے اسی لیے اس میں بڑی تخصیص کی ہے اور سورہ فاتحہ اس اپروچ کو ظاہر کرتی ہے کہ نیکی اور بدی، مدد کا، عبادت کا، ''لا معبود الا اللہ لا مقصود الا اللہ'' اللہ کے سوا زندگی کا کوئی مقصود نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مقصود نہیں ہے۔ یہی خدا رب کریم اپنے آپ کو اس معنی میں بالکل اکیلا رکھتا ہے۔

اگرچہ ہمارے پاس اس بات کی شہادت موجود ہے کہ سجدۂ تعظیمی آدم کو فرشتوں نے کیا مگر تعظیمی سجدے اور عبادت کے سجدے میں بہت بڑا فرق ہے۔ تعظیم کے سجدے میں متحرک محبت ہوتی ہے جبکہ عبادت کے سجدے میں اخلاص اور اس میں کسی قسم کے دوسرے الہ کا شریک نہ ہونا ہوتا ہے۔ اسی لیے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا بنیادی کلمہ جدلیاتی کلمہ ہے۔ یہ سادہ کلمہ نہیں ہے۔ اس میں الا اللہ تک پہنچنے سے پہلے آپ کو لا الہ کہنا پڑتا ہے اور لا الہ کہنے سے پہلے آپ کو کسی بھی غیر خدا کو مسترد کرنا پڑتا ہے۔ بظاہر یہ سادہ سا کلمہ لگتا ہے مگر عمر اس میں غور و خوض کرتے ہوئے بسر ہو جاتی ہے تب کہیں جا کر خدا سے آپ نکلتے ہیں اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تک پہنچتے ہیں۔ مجھے ایک لڑکے نے سوال کیا کہ اللہ کو میں کیسے پاؤں؟ تو میری مجلس سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے انہیں محمد رسول اللہؐ کی وجہ سے پہچانا۔ اس نے آگے سے طنزاً کہا، میں اگر اللہ کو

نہ مانوں گا تو اس کی دی ہوئی رسالت کو کہاں سے مانوں گا۔

تو بنیادی بات یہ ہے کہ آپ اس اللہ پر کتنا اعتبار اور کتنا ایمان رکھتے ہیں؟ آج کل مذہب کی سب سے بڑی خامی یہ ہوگئی ہے کہ مذہب ایک سر کٹے بدن کی طرح ہے جس میں خدا کی محبت، خلوص، طلب اور اس کی ہم آہنگی کی خواہش قطعاً موجود نہیں ہے۔ صرف لوگ رسم و رواج میں عبادات کو مذہب کا خاصہ سمجھتے ہیں۔ اسی میں ایک گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔ اس سے میتھوڈسٹ Methodist مولوی پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کی مرضی کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ جب اس کے دل میں اللہ کا انس نہیں ہوگا تو وہ بندوں کے لیے کہاں سے انس پیدا کرے گا۔ اگر بیم و رجا اور خوف سے اور اس کی دوری کے خیال سے اس کا دل خدا کی محبت میں نہ دھڑکے گا تو وہ لوگوں کو کہاں سے احساسِ قربت دے گا؟ اس وجہ سے مذہب زبوں حال ہو رہا ہے اور سخت گیر اور انتہائی متعصب لوگ تخلیق ہو رہے ہیں۔ بجائے ان نرم خو، اعلیٰ ترین اخلاق کے حامل لوگوں کے، جن میں سے ایک شخص بھی کہیں جاتا تھا تو ایک ملک کو اپنے مسلک پر لے آتا تھا۔ آج تک انڈونیشیا اور ماریشس میں کوئی فوج نہیں اتری۔ مگر وہاں مسلمان دیکھ کے ایک دفعہ حیرت تو ہوتی ہے کہ ان کے پاس کون آیا تھا۔ وہ صاحبِ کردار لوگ، وہ اللہ کو ماننے والے لوگ جدھر بھی گزر گئے، ان کا کلچر ہر کلچر سے اعلیٰ ہوگیا۔ ان کی عادات ہر عادت سے بہتر قرار پائی۔ ان کے مشاغل ہر مشغلے سے بہتر ٹھہرے۔ اس لیے کہ خدا نے ان کو تعلیم کا سرٹیفکیٹ دیا ہوا تھا۔ ''رضی اللّٰہ عنہم و رضوا عنہ'' (البینۃ: آیت ۸) اللہ ان سے راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے انہیں تعلیم کا اختیار دے رکھا تھا۔ یہ تبلیغ کے بے مقصد اجتماع نہیں تھے۔ اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ صحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم (الاحکام للآمدی) کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جدھر جائیں گے، لوگ ان سے ہدایت پائیں گے۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین میں انہی لوگوں کے مسلک کی نشاندہی ہے اور اسی کو اللہ نے آگے جاری کیا ہے۔ وہ لوگ اس طرح عبادت کرتے ہیں کہ عبادت میں کسی غیر کا خلل نہیں آنے دیتے۔ اللہ کہتا ہے کہ وہ لوگ جو مجھ سے اس طرح مدد مانگتے ہیں کہ کسی غیر کو صاحبِ مدد نہیں سمجھتے، یہ میرے رسول اور یہ میرے اصحاب تھے۔ آخری آیات انہی لوگوں میں تفریق کرتی ہیں۔ دکھا ان لوگوں کا رستہ، ''اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم'' جن پر تو نے انعام کیا، کرم فرمایا۔ جنہوں نے تیرے پیغام کو صحیح سمجھا اور بڑے پیغام کو آگے صحیح پھیلایا۔ جن لوگوں نے راہ راست سے کسی قسم کی ادھر ادھر کی گردش قبول نہیں کی۔ جن کو شیطان اغوا نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن میں صرف عباداتی تسلسل مراد نہیں ہے، ذہنی تسلسل مراد ہے۔ اپروچ کا تسلسل مراد ہے اور نہ کہ ان لوگوں کا رستہ، جو منافقت، بے ایمانی، شرک، کفر، ہر چیز کا شکار ہیں۔

مجھے ابھی جو تھوڑا سا واسطہ لوگوں سے پڑا۔ ان کے معاملات اور ان کی سیاست سے، تو میں بڑی حیرت سے یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو خیر کے عمل کی پہچان ہی ختم ہوگئی ہے۔ یہ ان لوگوں میں نہیں آتے ''اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم'' رسول اللہؐ کی حدیثِ مبارک ہے کہ جہنمی وہ نہیں ہے، جو چھوٹے موٹے غلط کاموں میں ملوث ہے بلکہ جہنمی کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ خیر اور شر کے کاموں میں تمیز نہیں کرتا۔

سوالات و جوابات

خدا ایک وہم ہے یا حقیقت؟

سوال: میں محبتِ رسول کو تو تب مانوں کہ خدا کو مانوں۔ آپ کے پاس خدا کے ہونے کی کوئی پختہ دلیل کیا ہے؟

جواب: بڑا معقول سوال ہے کہ میری تمام زندگی اسی سوال کے حل میں گزری ہے اور میں یقین کرنے سے پہلے بے یقین تھا۔ میری خواہش تھی کہ میں کسی مفروضہ یقین کو اپنا اعتبار نہ دوں۔ میں فطرتاً باغی تھا۔ میں سوچتا تھا کہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ میں اگر عاقل ہوں، ذہین و فطین ہوں، دانشور ہوں تو کیا اللہ مجھ سے کم ہے۔ اگر میرے پاس انکار کے لیے دلائل موجود ہیں تو کیا خدا کے پاس اپنے اثبات کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ یقیناً ہے۔ مگر میرے محترم جنہوں نے یہ سوال کیا کہ علم ایک Continuity ہے۔ اگر آپ یہ سوال کرتے ہوئے اس درجہ علم پہ فائز ہوں، جہاں ایک مقتدی ہوتا ہے تو آپ کو اس سوال کا جواب نہ دیا جاسکتا ہے اور نہ مل سکتا ہے۔ اگر آپ محقق ہوں، متجسس ہوں، جاننے کی آرزو ہے غور و فکر آپ کا تکیہ ہے تو پھر یقیناً آپ اس دلیل تک ضرور پہنچو گے، جو اللہ نے اپنے لیے عطا کر رکھی ہے۔ مختصراً میں آپ کو جواب دے سکتا ہوں کہ میں نے اپنی تازہ ترین کتاب مقدمۃ القرآن میں صرف خدا کی دلیل واحد کو جمع کیا ہوا ہے۔ اگر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد آپ کو خدا پر کسی دلیل کی، مزید گنجائش ہو تو میں پھر حاضر خدمت ہوں گا۔ کیونکہ یہ ایک طویل Chapter ہے، لمبی ریسرچ ہے اور یہ ایک کتاب کی شکل میں ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا مذہب وہم ہے، وسوسہ ہے یا حقیقت۔ کیا مذہب ضرورتِ انسان ہے یا ہمارا Escape، کیا مذہب افیون ہے، ہمیں کارکردگی سے غافل کرتا ہے۔ یا واقعی کوئی خدا ہے کہ نہیں ہے۔ علم کیا ہے اور عالم کون، عقل کیا ہے اور عاقل کون۔ میں آپ سے ایک جنرل سوال پوچھتا ہوں کہ ہماری زندگی کا دارومدار اگر ہماری اسی زندگی کے ستر اسی سال پہ ہو اور خدا نہ ہو اور ہمیں یہی ستر سال کی زندگی بسر کرنی ہو تو پھر ہم خدا کو کیوں مانیں؟ اپنی زندگیوں پر پابندی کیوں لگائیں؟ ہم اپنے آپ کو محدود کیوں کریں؟ نیکی کا کوئی تصور، کوئی فلسفی، کوئی دانشور، مجھے یہ بتا دے کہ اگر اللہ نہیں ہے تو میں کسی بھی Cultural Aspect سے دی ہوئی Advice کیوں مانوں، میں Traffic کا کیوں احترام کروں۔ مجھے موقع ملے گا۔ میں بتیاں توڑ کر نکل جاؤں گا۔ مجھے ضرورت پڑے گی میں شراب پیوں گا۔ مجھے ضرورت پڑے گی میں کوئی اور خطرناک اور فضول حرکتیں کرتا پھروں گا۔ جب تک میں پکڑا نہیں جاتا۔ یہی میری مرضی ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے لیے احتسابی قوت کوئی موجود ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ کوئی بالائی قوت موجود ہے جو میری نگران ہے، کوئی Alien Master ایسا موجود ہے جو ہمیں ہمہ وقت نگرانی میں رکھے ہوئے ہے جس کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ وہ زندگی اور موت دیتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ قیامت کا مالک ہے اور جنت اور جہنم بھی تقسیم کرتا ہے تو پھر مجھے سوچنا پڑتا ہے کہ کیا مفروضہ یا حقیقت ہے جسے آپ خدا

کا نام دیتے ہیں، جو آپ اور میری آزادی کا دشمن بھی ہے مگر میرا پالن ہار بھی ہے جو اس نظام ہستی کو چلا رہا ہے وہی خدا ہے۔ میں عقل کی تمام توانائیاں بھی صرف کر دوں، تب بھی اس کے وجود اس کی گرفت اور اس کی رحمت سے انکار نہیں کر سکتا۔ مجھے ان داعیان عقل و دانش سے سخت گلا ہے جنہوں نے جانتے بوجھتے انسانی تجسس کے بنیادی سوال کو بھول بھلیوں میں الجھا دیا اسی تناظر سے مجھے Jason فلاسفر نہیں لگے، وٹ کانسٹائن، وائٹ ہیڈ، ہیگل، برگساں اور کانٹ کوئی بڑے کہ انہوں نے جانتے بوجھتے بنیادی سوال کو Diversion میں ڈال دیا ہے یہاں پگڈنڈیوں پر چل پڑتے ہیں جہاں جا کے انسان کبھی واپس نہیں آ سکا۔ خواتین و حضرات رحمٰن اور رحیم اور رحمۃ اللعالمین میں زیادہ جدائی نہیں ہو سکتی۔ رحمت کے جو مظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے، یہ زمانہ آخر کی حدیثیں ہیں قیامت کا دن ہے۔ حشر کا سامان ہے۔ نفسانفسی کا عالم ہے۔ ماں بچے میں جدائی ہے۔ زندگی ویران سانسیں چڑھی ہوئی ہیں جیسے کوئی سکرات میں ہو، ہر آدمی عجلت میں ہے مگر وہ اس وقت حضور یزداں میں عرض کر رہے ہیں 'بار بار رو رہے ہیں'۔ منت سماجت فرما رہے ہیں۔ "امتی یارب امتی" (ابن کثیر ج ۴ ص ۵۹) یا اللہ میرے لوگوں کو، میری امت کو عذاب نہ دینا۔ اللہ نے کہا اے محمدؐ جا میں تیری امت کو ضرور بخش دونگا۔ فرمایا پروردگار نے حدیث قدسی ہے کہ میں نے دیکھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنی امت کے لیے بڑے آزردہ خاطر ہیں۔ آپ کو بڑا افسوس ہوتا ہے۔ اب دیکھیے پندرہ سو برس آپ میرا افسوس کرتے ہیں۔ زمانہ آخر کے ایک ایماندار کا آپ افسوس کر رہے ہیں ایک امتی کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسوس فرما رہے ہیں تو فرمایا اللہ نے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ تو اپنی امت کی خاطر بڑا آزردہ خاطر ہے تو میں نے بھی عہد کر لیا ہے کہ تیری طبیعت میں آزردگی چھوڑوں گا نہیں۔ میں تجھے پریشان نہیں کروں گا۔ میں یقیناً تیری امت پر مکمل مغفرت اور رحم کی نظر کروں گا تو قیامت کے دن حضور گرامی مرتبت اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں، سفارش پر قائم ہیں۔ مقام محمود پر قائم ہیں۔ اذن ملا ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، پروردگار عالم وہ وعدہ یاد کر کہ تو نے کہا تھا کہ اے پیغمبر میں تیری امت کی وجہ سے تجھے آزردہ نہیں چھوڑوں گا تو میری امت تو بہت ساری نظر آتی ہے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جا اور جو تجھے اپنا لگے اسے نکال لا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملائکہ کے ساتھ جاتے ہیں اور امت کے بہت سارے لوگ رہائی پاتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ہوتے ہیں پھر رحمت جوش میں آتی ہے۔ فرمایا اے پروردگار میں دیکھتا ہوں کہ ابھی بھی کچھ میرے لوگ جہنم میں باقی ہیں۔ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا بھی وعدہ ہے کہ اگر نظر آتے ہیں تو نکال لو۔ پھر جاتے ہیں پھر کچھ لوگ لے کر آ جاتے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہی غم 'وہی دھڑکا' وہی امت، وہی ہم وہی تم۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ میں فرق!

سوال: آپ نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ مجھے ساری زندگی لوگ عذاب خدا سے ڈراتے رہے۔ آپ نے آج بڑی عجیب سی باتیں کی ہیں۔ آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ نے دو گناہوں کا ذکر کیا ہے کہ بڑے گناہوں سے بچو چھوٹے تو کرو گے ہی۔ یہ بڑے اور چھوٹے گناہ کیا ہیں؟

جواب: یہ قرآن حکیم میں لفظ لم سے ظاہر ہے۔ چھوٹے گناہ وہ ہیں جو Temporary, Casual Cursory اور جانے والے ہیں یعنی خطا ہوئی' تو توبہ ہوئی۔ آپ آگے نکل گئے۔ گناہ پیچھے رہ گئے مگر جب آپ Repeat کرتے ہیں اور احساس زیاں بھی جاتا رہتا ہے وہ گناہ بڑے ہیں۔ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا "والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنو بهم ومن یغفرالذنوب الا الله و لم یصروا علی مافعلوا وهم یعلمونO" (آل عمران: آیت ۱۳۵) کسی چیز پر اصرار نہ کرو تو اصرار والے گناہ چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی۔

خدا کے عرفان کے لیے مدت کا تعین!

سوال: آپ نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ خدا کو جاننے کے لیے وقت نکالیں۔ اگر ایک بنیادی ڈگری لینی ہو تو اس میں بھی کم از کم دو سال لگ جاتے ہیں۔ خدا کو جاننے کے لیے کتنا وقت نکالیں؟

جواب: میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ دنیاوی Ph.D کے لیے تو آپ 30 سال وقف کر دیتے ہیں اور اتنی بڑی کائناتی حقیقت کے لیے تین سال بھی نہیں دیتے۔ یہ مجھ پر سوال کرنے کے بجائے اپنے آپ سے سوال کریں کہ ایک دنیاوی روزگار اور ترقی کے لیے آپ تیس سال لگاتے ہیں اور کائنات کی سب سے بڑی حقیقت، عزت اور عظمت کے مالک رب کے لیے آپ کبھی ایک سال بھی پورا نہیں نکالتے کہ توجہ سے قرآن ہی پڑھ لیں، حدیث پڑھ لیں اس کے بارے میں تھوڑا بہت جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے کہ یہی وجہ ابتلائے زمانہ کی ہے۔ یہی وجہ زوال علم و عرفان کی ہے۔ چلو پچیس سال نہیں کم از کم دو تین سال ہی اگر تم اپنے خدا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی تفہیم کے لیے وقف کر دو تو انشاءاللہ تعالیٰ العزیز تم فکری طور پر بہتر اور پختہ ہو سکتے ہو۔

وسیلے کی کیا حقیقت ہے؟

سوال: وسیلہ کیا چیز ہے؟

جواب: خواتین حضرات! ایک تو میں نے اس وسیلہ کے موضوع پر پورا لیکچر دیا ہوا ہے اور دوسرا وسیلے کے متعلق لوگوں کے تصورات بہت ہی مختلف ہیں۔ جب آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ کے حضور سے غیاب میں رکھا گیا تو تمام کائنات وسیلہ ہی کیونکہ اللہ کی علیحدگی سے پہلے چونکہ سب جنت میں اکٹھے تھے، براہ راست ایک۔ مکاشفہ تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھنا چاہتا تھا، پسند کرتا تھا تو جب اللہ غیاب میں گیا تو اس نے اپنے اور مخلوق کے تعارف کے لیے وسیلہ تخلیق کیا۔ جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے قرآن حکیم میں کہا کہ میں نے انسانوں کو تخلیق کرنے سے پہلے اس میں قوتیں اور وسائل رکھے کیونکہ انسان ان کے بغیر مادی زندگی نہیں گزار سکتا تھا علاوہ ازیں اللہ نے انسان کے لیے جب سے اپنی تعلیم اور رشد و ہدایت کے سلسلے کو قائم کرنا شروع کیا تو اس نے پیغمبر کے وجود مسعود کو بحیثیت وسیلہ بنایا تھا تاکہ یہ اللہ کی تعلیم کے وسائل بن جائیں اور لوگ ان کے ذریعے مجھ تک پہنچیں۔ اسی طرح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باری آئی تو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! اگر لوگ تیرے پاس آئیں اور میری بخشش طلب کریں تو تُو بھی ان کی بخشش کی دعا مانگے تو ہم معاف کرنے والے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب تمام Institutions تخلیق کیے گئے تو ان میں سے ہر Institution کی سربراہی کسی نہ کسی کے حوالے کی گئی تو اس کا داروغہ مقرر رہوا۔ جنت تخلیق کی گئی تو رضوان کو اس کا حاکم مقرر کیا گیا۔ عرش Create ہوا تو اس کے لیے آٹھ فرشتے مقرر کیے گئے۔ جہاں بھی کوئی آسمانی Institution قائم ہوا تو کسی نہ کسی کو اس کی نگرانی عطا کی گئی انہیں سربراہی اور حکومت بخشی۔ موت پر ملک الموت عزرائیل کو مقرر کیا گیا۔ Message پر جبریل امین کو مقرر کیا گیا۔ رزق پر میکائیل کو مقرر کیا گیا۔ اور قیامت کے دن صور پھونکنے کے لیے اسرافیل کو مقرر کیا گیا۔ اسی طرح خواتین وحضرات جب زمین وآسمان میں رحمت کا Institution قائم ہوا تو رحمت کی سربراہی رحمۃ العالمین کے سپرد کی گئی۔ رحمۃ العالمین کا Institution جب Further تقسیم کیا گیا تو اس میں تین Institution پیدا ہوئے: مقامِ شفاعت، مقامِ وسیلہ اور مقامِ محمود اور یہ تینوں کے تینوں ادارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے۔ بخاری کی حدیث ہے اور یہ حدیث بالکل واضح ہے، اس میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا گیا فرمایا اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔ اب ایک معمولی سی عقل کی بات ہے اللہ عطا کرنے والا تو آپ کے سامنے ہی نہیں ہے۔ کہاں سے لینا ہے۔ یہ تو اس نے کہ دیا کہ دوں گا۔ مگر کہاں سے لوگے جب تک آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جانتے، جب تک ان سے عرض نہیں کرتے ہو، جب تک ان کو وسیلہ نہیں بناؤ گے۔ آپ کو تو اس Institution کا پتا ہی نہیں لگے گا۔ میں امریکہ میں گھوم رہا تھا اور بڑی کوشش کر رہا تھا کہ پتا کروں کہ دفتر کہاں ہے۔ ایک سیکٹر سے دوسرے سیکٹر تک جانے میں بہت مشکل تھی۔ لیکن متعلقہ سے ہوتا ہوا میں آخر کار مطلوبہ سیکٹر یا اپنی منزل مقصود تک پہنچ گیا تھا۔ اسی طرح ہمیں Institution کے Sub Institution کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک مرکز کو جانے والے تمام متعلقہ راستوں کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک منزل مقصود تک پہنچنا محال ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے حضورِ گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کا ایک فرد بنو کلب کے بھیڑوں کے بالوں کے برابر میری امت کی شفاعت کرے گا اور اصحابِ رسول نے فرمایا کہ ان سے مراد حضرت اویس قرنی کی شخصیت تھی اب میں اپنی بات اس بات پر ختم کروں گا کہ ہم اللہ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کائنات کیوں بنائی کیا کائنات کھیل کود کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے جن اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔ اور یہ مت کہو کہ دنیا میں نے غلط نہیں بنائی ہے۔ اب پتا یہ چلا کہ مقصد کائنات صرف تخلیق کائنات نہیں تھا۔ مقصد یعنی تخلیق کائنات کچھ اور تھا۔ اصول یہ بنا کہ اللہ کے خیال میں آیا کہ میں مخلوق تخلیق کروں کیونکہ اللہ تنہا تھا لہٰذا اللہ نے اپنی پہچان اور تعارف کے لیے اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔ جب مخلوق کو تعارف کے لیے پیدا کرنے کا خیال آیا تو پھر ان کے ٹھہرنے کی جگہ کا خیال آیا تو زمین بنی، جب زمین بننے کا خیال آیا تو اس کے ماحول کا خیال آیا، پھر اس Constellation کو ترتیب دینے کا خیال آیا جو زمین کو Support بھی دے گی اور زندگی اس کی معاونت کرے گی۔ یہ دو کام ہو گئے تو خیال تھا کہ تخلیقِ کائنات ختم ہو جائے گی۔ بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوا کیونکہ آپ سورج کو بھی دیکھ لو سورج بھی تو خلا میں اسی طرح لٹک رہا ہے جیسے زمین تھی تو زمین کو کششِ ثقل کے دائروں سے Constellation میں قید کر لیا اور بڑی مضبوطی سے تھام لیا مگر اس

Constellation کو تھامنے کے لیے Upper Galaxies کا نظام قائم کیا حتیٰ کہ سورج بائیس کروڑ سال پہلے Upper Glaxies کو قطع کرتا ہے Solar Apex کہلایا۔ پھر جب اس Galaxy کو بنایا ہوگا تو یقیناً اس کے چھوٹے چھوٹے Balance کرتے ہوئے پوری کائنات تخلیق ہوتی گئی اگر بنیادی طور پر دیکھا جائے تو زمین کی مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ ساری مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ اس لیے اللہ اپنی مخلوق کو خود ہی غیر معمولی اوصاف عطا کرتا ہے۔ جس کو خدا سے زیادہ آگاہی اور زیادہ محبت ہوگی اللہ اس کو اپنی فیاضیوں اور عنایتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔ پھر اللہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ دیکھو میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ میری تعریف کا حق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کو ہے تو پھر آپ دیکھیے کہ دنیا میں اللہ نے کہا کہ چونکہ احمد نے میری آسمانوں پہ صحیح حق تعریف ادا کیا تو صلے میں، میں نے مخلوق کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف پہ آمادہ کیا۔ جب تعریف پہ آمادہ کیا تو آئینے کے اس رنگ کو اجاگر کرنے کے لیے میں نے زنگ بھی پیدا کیا اور اس کی مخالفت میں کفر بھی پیدا کیا۔ اندھیرے بھی پیدا کیے، ابوجہل بھی پیدا کیے اور میں نے رسالت کے مقام کو اور Maximum جیسے Contrast، Coatradiction اور مفاہمتوں سے اس کو سنوارا اور پوری کائنات کا مقصد اگر Literally، Mentally، اور Factually دیکھا جائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ کی کیا ممکنہ تعریف ہو سکتی ہے۔ نہ میں Romantic ہوں، مگر لگتا ہے کہ اس پوری کائنات کی تخلیق میں اللہ کا وجود ہے اور ربِ کعبہ کی قسم ہے کہ جب سے کائنات اور اس کی تمام متعلقات تخلیق ہوئی ہیں، کوئی چیز بھی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ کسی نبی کی کتاب آپ اٹھا کر دیکھ لیں صحائفِ عیسیٰ، موسیٰ اٹھا کے دیکھ لیں نغمہ ہائے سلیمان اٹھا کے دیکھ لیں، نغماتِ داؤد اٹھا کے دیکھ لیں صحائفِ شش دیکھ لیں اور ساری مخلوق کا ذکر دیکھ لیں۔ کسی نبی نے خدائے واحد کا اس طرح ذکر نہیں کیا۔ اس کی اہمیت اس طرح اجاگر نہیں کی اور اسے اپنا بھرپور خلوص اور نیاز نہیں بخشا جیسا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ نے پیش کیا۔ اور یہ تاریخی حقیقت ہے عمرانی حقیقت ہے اور یہ اسلامی حقیقت ہے بلکہ ابھی آپ کے پاس وہ سارے ذخائر موجود ہیں۔ اگر اللہ ہے تو اللہ یقیناً ہے۔ تو وہ اپنے بندے سے زیادہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ سے زیادہ کسی پہ مہربان نہیں ہو سکتا اور یقیناً اس کی مہربانی کے توسط سے ہمارے نصیب بھی جاگ سکتے ہیں کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے ناتے سے ہمیں ایک بات کا فخر ضرور حاصل ہے کہ ہمارا رسول وہ رسول ہے جسے اپنے سے زیادہ اپنی امت کی فکر ہے۔ جسے اپنے سے زیادہ اپنے لوگوں کا غم تھا۔ ایسا پیغمبر بھی زمانے میں نہیں گزرا پیغمبر حالانکہ عیسیٰ الصلوۃ والسلام نے کہا۔ موسیٰ نے کہا۔ اس نے بہت انہیں سمجھایا یہ ماننے والے نہیں ہیں۔ "اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین O" (البقرۃ: آیت ٦٧) ان جاہلین کی ان افعال سے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ نے کہا یا اللہ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ جب تک میں زندہ تھا جو تو نے پیغام دیا میں نے ان تک پہنچا دیا۔ اب میں ان میں نہیں ہوں اب میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول اللہ نے اپنی امت سے بھی واسطہ نہیں توڑا بلکہ جب ایک مرتبہ بخشش کے لیے گئے اور امت رہا ہوئی۔ دوسری مرتبہ گئے اور امت رہا ہوئی۔ تیسری مرتبہ گئے تو امت کو رہائی نصیب ہوئی تو چوتھی مرتبہ پھر گئے اور کہا کہ اے میرے پروردگار تو نے تو میری ساری امت

کی رہائی کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں تو اب بھی اپنے کچھ امتی جہنم میں دیکھتا ہوں اور اللہ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے جو تجھ سے وعدہ کیا پورا کیا اب یہ تیرے امتی نہیں ہیں۔ اب جہنم میں صرف وہی لوگ باقی ہیں جنہیں کتاب نے روک رکھا ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے مجھے سرے سے رب تسلیم ہی نہیں کیا اگر چہ ان کے نام مسلمانوں والے تھے مگر انہوں نے کبھی خدا کو خدا نہیں مانا اور تجھے رسول نہیں مانا۔ اب صرف وہ لوگ جہنم میں باقی ہیں جنہیں کتاب نے علیحدہ رکھا ہے۔

اسلام اور سائنس

اگر آپ مجھ سے یہ سوال کریں کہ دنیا کس درجہ سائنسی اکتشافات تک پہنچے گی اور پوری نسل انسان کہاں تک ترقی پذیر ہوگی؟ کون سی ایسی ایجادات یا کون سی ایسی منفرد تخلیقات ہیں، جہاں تک حضرت انسان پہنچے گا، تو میں قرآن وحدیث سے اس کا آسان اور مکمل جواب دے سکتا ہوں۔ اس لیے کہ بنیادی طور پر سائنسز اور مذہب میں ایک بہت بڑا فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ سائنسز حصول علم کے لیے کسی شخص اور کسی کردار کا تعین نہیں کرتیں۔ یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ فزکس کا ایم ایس سی کرنے کے لیے کوئی مخصوص کردار چاہیے یا یہ دیکھا گیا ہو کہ میڈیکل سائنسز میں پہلے ایک بندے کا روزہ دار رہنا، سچ بولنا اور اس کا متقی اور پرہیزگار رہنا ضروری ہے۔ تمام سائنسز Amoral اور Secular ہیں۔ Amoralist اس کو کہتے ہیں، جو نہ Immoral ہو اور نہ Moral ہو۔ اس کے برعکس نسل انسان میں شعور اخلاق، زندگی کا قرینہ، معیشت، معاشرت اور معاشرے کو آگے بڑھانے کا سب سے پہلے عمل مذہب نے شروع کیا۔ اسی کے توسط سے غار کا انسان ایسکلیٹر تک آ پہنچا۔

جوں جوں انسان کو اپنے آپ سے شعور آگہی نصیب ہوئی اس کا ڈیٹا بڑھتا گیا۔ اس کے تکبرات ذات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ انسان کی ایک بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے آپ کو تنہا سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ مجھے پروردگار عالم نے پوری کائنات میں یکتا و تنہا اور مالک و مختار پیدا کیا۔ میری حکومت ذرے ذرے پر محیط ہے۔ وہ اپنے سوا کسی دوسری ذات کا تصور نہیں کرسکتا۔ مجموعی طور پر تمام انسان خود پسند ہیں۔ نرگسیت کا شکار ہیں۔ لیکن اللہ فرماتا ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ انسان تنہا نہیں ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ دنیا پہلی ہے اور نہ آخری ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ تم تنہا نہیں ہو۔ میرے کارخانہ قدرت میں تم جیسی اور دنیائیں بھی ہیں۔ تم جیسے اور لوگ بھی ہیں۔ اللہ یہ کہہ رہا ہے ”ھو الله الذی خلق سبع سموات و من الارض مثلھن“ (الطلاق: آیت ۱۲) اللہ تو وہ ہے، جس نے سات آسمان پیدا کیے اور اسی طرح کی سات زمینیں بھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے سات زمینیں پیدا ہونے کے بعد بھی ان میں انسان نہ ہو۔ کیا یہ ضروری ہے؟ اس خطرے کو بالکل ختم کرنے کے لیے ساتھ ہی اللہ نے فرمایا و یتنزل الامر بینھن ان تمام زمینوں پر ہمارا امر اترتا ہے۔ یعنی قرآن اترتا ہے لتعلمو تاکہ تم جان سکو ان الله علی کل شیء قدیر کہ ہم کتنی بڑی قدرت والے ہیں۔ تم کتنے مختصر احاطہ عقل میں ہو اور اس مختصر سے احاطہ عقلی سے تم اپنے آپ کو کتنا بڑھا چڑھا کر خیال کرتے ہو؟

دنیا کو ہمیشہ مبالغہ آمیزی سے تباہی ملتی ہے۔ اس وقت جب حضرت انسان نے اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش

کیا۔ جوابدہی کا احساس کھو دیا اور وہ ڈیٹا کھو دیا، جو واضح طور پر کسی حسابی، مادی یا فلکیاتی ڈیٹا سے نہیں ملتا تھا اور وہ ڈیٹا، جو پانچ حواس سے آگے جا کر اتنا ریفائن ہو جاتا ہے، جسے آپ سائنس دان ہی سمجھ سکتے ہیں کہ بہت ساری ایسی چیزیں، جنہیں نظر نہیں دیکھتی، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے اثرات دیکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ نظر نہیں آتا تھا، تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ لوگ خدا پر غور و فکر نہ کرتے؟

ایک بنیادی سوال، جو ہر انسان کو اپنی زندگی میں پیش آتا ہے، یہ ہے کہ میں آزاد ہوں یا میں غلام ہوں؟ مجھے یہ سوال اپنے آپ سے کرنا ہے کہ مجھے اپنی زندگی غلامی سے یا آزادی سے گزارنی ہے؟ اگر انسان کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور اگر وہ آزاد ہے تو یہ تمام احساسات جو آپ اس وقت رکھتے ہیں، وطنیت اور دین سے وابستگی اور اخلاقیات کے جذبے، یہ تمام مذاق ہو کے رہ جاتے ہیں۔ تشکیک ہمیں بتاتی ہے کہ پھر آپ کی آزادی میں حائل کوئی اخلاقی، غیر اخلاقی، مادی، غیر مادی کوئی تصور ہوگا، تو وہ آپ کا خبط اور بیماری بن سکتی ہے، آپ کی صحت نہیں بن سکتی۔ مگر کیا انسان یہ چاہے گا نہیں کہ ایک حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے اسے یہ پتا تو لگے کہ میں آزاد ہوں، تو کیوں ہوں؟ میں غلام ہوں تو کیوں ہوں؟

ایک اصولی بات ہے کہ اگر اللہ ہے، تو ہم آزاد نہیں ہیں۔ تو کیا انسانی آزادی کا سب سے بڑا دشمن اللہ نہ ٹھہرے گا؟ میں جو اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہوں، اپنے ملک، اپنے طریقہ کار اور اپنی فکر سے دنیا کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ میں جو اپنے مفاد کو عزیز تر رکھتا ہوں، کیا میرے نزدیک میری جوابدہی میں سب سے بڑی مخالفت اللہ نہ کرے گا؟ میں پھر اس اللہ کو دوست کیسے سمجھ سکتا ہوں؟ یہ بڑا ضروری سوال ہے کہ کیا میں یہ سوچوں گا کہ اگر مجھے اپنی آزادی کو ترک کرنا ہے تو کسی ایسی حقیقت کے لیے ترک کروں، جو ہو۔ ایسی حقیقت کے لیے ترک نہ کروں، جو میرے خیال اور میری دنیا میں کچھ اثر نہیں رکھتی۔

کون سا خدا ہے جو میرے جھوٹ بولتے وقت مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتا؟ وہ کون سا خدا ہے جو مکر و فریب میں مجھے منع نہیں کرتا ہے، جو آپ کی زندگی میں ہمہ تن جاری و ساری ہے اور منافقانہ طرز خیال کی طرح ہے، جو کبھی آپ کے نفس میں حائل نہیں ہوتا؟ وہ کون خدا ہے؟ جسے آپ مانتے ہو، اور یہ کون سا خدا ہے، جو حقیقی وجود رکھتا ہے؟ اگر آپ واقعی کسی خدا پر یقین رکھتے ہیں تو خدا آپ سے جہالت کی توقع کیسے رکھ سکتا ہے؟ اندھے عقیدے سے زیادہ اندھی کوئی چیز نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ جس اللہ کو آپ ماننے والے ہیں، جس سے آپ سوال کرنے سے گھبراتے ہیں، جس کے بارے میں سوچنے سے آپ کو خوف آتا ہے، جس کا تصور آپ کے لیے خوف و دہشت کی علامت بن جاتا ہے، کیا وہ اللہ بھی آپ سے یہی چاہتا ہے؟ یہ سوال تو بڑی دور کی بات ہے۔ اس کے لیے جو جستجو کرے گا، ڈھونڈے گا، تلاش کرے گا، آپ دیکھیے تو سہی، وہ تمام یورپ کے فلاسفر، جو خدا کے خلاف ہانکتے دیکھے گئے ہیں، آپ کے پاس ان میں سے کسی ایک ایسے فلسفی کی شہادت ہے کہ اس نے بیس سال خدا کو تلاش کیا ہو۔ جیسے اس نے کسی حسابی فارمولے کو کیا ہے؟ جیسے اس نے اپنے کسی فزیکل وجود کو کیا ہے اور اس کے بعد وہ آپ کے پاس آیا ہو اور شہادت دی ہو کہ میں نے بہت تلاش کی، بہت ڈھونڈا

مگر افسوس جتنی ریسرچ الیگزینڈر فلیمنگ نے ایک کلچر پر لگائی اور پنسلین ایجاد کی، جتنی کہ ڈبل ہیلک پر واٹسن نے لگا دی ہے۔ اتنی محنت کسی انسان نے خدا ڈھونڈنے پر نہیں لگائی۔ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ یہ کتنی بڑی حقیقت ہے کہ ایک چھوٹی سی گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کے لیے پچیس تیس سال گزر جاتے ہیں اور اللہ کی تلاش میں ہم ایک احمقانہ تصور اور ایک معمولی سے ان پڑھ آدمی کی کریڈیبلٹی پر یقین رکھتے ہوئے ابتدائی فیصلے کر کے یا اس کے خلاف اعتراض کرتے ہیں یا اس کے حق میں بیانات دیتے ہیں۔

یہ ایک لازمی بات جو اللہ میاں انسان کو سکھاتا ہے کہ دیکھو! میں نے تم سے پہلے قوموں کو اس لیے تباہ کیا اور میں نے اہل کفر کو اس لیے برا نہیں سمجھا کہ وہ میرا انکار کر رہے تھے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں نے انسان کو امانتِ عقل و شعور دے کر اس کے ساتھ اسے ایک ہلکا سا چوائس بھی دیا اور کہا کہ میں زمین یا آسمانوں پر تیرے اس وقت تک رزق خیال کی بندش نہیں کروں گا، جب تک تم اپنی عقل و شعور کو مکمل طور پر استعمال کرنے کے بعد انا ھدیناہ السبیل پورے شعوری فکر کے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کرتے اما شاکراً و اما کفوراً چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کر دو۔

یہ اللہ کیا زبردستی آپ سے ایمان چاہتا ہے؟ اس کی تو بنیاد ہی اس عطا و بخشش اور اس عقل و شعور پر ہے جس کی وجہ سے آپ کے تکبراتِ ذات اور تکبرات انسان میں اضافہ ہے اور آپ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم بڑی محترم مخلوق ہیں۔ ہم Homo sapiens باقی لوگوں سے کتنے مختلف ہیں۔ ہم باقی جانوروں سے اس لیے وصال، تعلق، رشتے اور ناتے پسند نہیں کرتے کہ ہم ان سے مختلف ہیں اور مختلف صرف عقل و شعور کے حوالے سے ہیں۔ یہ عقل و شعور اللہ کے نزدیک اس کی عطا و بخشش کے صرف ایک بنیادی مقصد کے لیے ہے کہ انا ھدینا السبیل اما شاکرا و اما کفورا چاہو تو مجھے مانو، چاہو تو میرا انکار کر دو۔ اللہ اہل کفر کو بار بار ایک طعنہ دیتا ہے کہ اگر تم سوچنے سمجھنے والے ہوتے اور اگر تم غور و فکر والے ہوتے تو تم کبھی میرا انکار نہ کرتے۔

آج کا سائنسدان سب سے زیادہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ جو حقائق کی Sense اس میں ہے، جس سائنسی نہج اور جس نقطۂ نظر سے وہ اپنا ڈیٹا پرکھتا ہے، اگر خدانخواستہ کتاب حکیم پر یہ جائزہ لگا دیا جائے یا یہی معیار لگا دیے جائیں تو شاید ان معیارات پر قرآن پورا نہ اترے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ قرآن کو اس ڈیٹا اور معیار پر پرکھے اور اس پر سائنسی رویہ استعمال کیے بغیر آپ قرآن پڑھ کر اوٹ پٹانگ ایمان رکھ لیتے ہو مگر یہ جرأت خیال نہیں کہ اللہ کا کتنا بڑا دعویٰ ہے جو عقل و شعور کو بار بار استعمال کرنے کی دعوت دے رہا ہے تو میں تھوڑی سی کوشش کر کے اسی عقل و شعور سے کام لے کر جس سے میں فزکس میں پی ایچ ڈی کرتا ہوں یا ایک اعلیٰ ترین جینٹک سائنس کو کوالیفائی کرتا ہوں، اسی انسٹرومنٹ کے ساتھ میں ذرا قرآن پڑھ کے کیوں نہ دیکھوں، مگر ایسا نہیں ہوتا۔

اب ذرا قرآن کی سن لیجیے۔ مذہب اوپر سے ایک ایسے دعوے کے ساتھ آتا ہے، جس دعوے سے وہ انسان کا اعصابی نظام لرزا دیتا ہے۔ سائنس اور مذہب میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ سائنس میں آپ کو کریکٹر ڈیولپ نہیں کرنا پڑتا۔ آپ کے جذبات سائنسی نتائج میں شامل نہیں ہوتے۔ دو جمع دو چار ہی رہیں گے۔ چاہے آپ جذباتی ہوں، غصیلے یا متفکر ہوں۔ چاہے بیوی سے لڑ کر آئے ہوں یا طلاق یافتہ ہوں۔ چاہے آپ کسی قسم کی اداسی کے شکار ہوں، دو جمع دو پانچ

نہیں ہو سکتے۔ شاید آج کل ہو سکتے ہوں، نئے فارمولوں کے تحت مگر میں عمومیت کی بات کرتا ہوں کہ دو جمع دو آپ کے جذباتی احساس سے نہیں بدلیں گے لیکن جب بھی آپ خدا کی سائنسز کو جائیں گے، یا تی نفیس سائنس اور ٹیکنالوجی ہے کہ سائنسز انسانی جذبات کو سائنس کو سائنس نہیں کہہ سکی۔

دوسری طرف جو اصحاب فکر خدا ہیں، ان کو یہ پتا ہے کہ تمام احساسات انتہائی نفیس سائنسی قوانین کے تحت ہیں۔ اسی لیے اسلامی مذہب کے کسی ماہر یا کسی صوفی کو پتا ہے کہ میرا ذرہ سا احساس کمتری، میری ریڈنگ بدل دے گا۔ میرا ذرا سا غصہ اللہ کے بارے میں میرے احساس اور ریڈنگ کو تبدیل کر دے گا۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ سائنس اور مذہب کے تفوق میں، ان کے مابعدالطبیعات میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جونہی آپ کی شخصیت کی کوئی جہت تبدیل ہوتی ہے، آپ کے اللہ اور تصوف کے بارے میں نظریات اور توجیہات تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ذرا سا آپ کا شخصی انہاک، انوالومنٹ، ذرا سی کمتر افزائش آپ کے نتائج خراب کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس سائنس میں ایسا نہیں ہوتا۔ چاہے آپ اخلاق میں بدترین کردار کے مالک ہوں، اس کے باوجود آپ سائنس میں پی ایچ ڈی ہو سکتے ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں آکر ایک ایسی نفاست مذہب میں آتی ہے کہ سائنس دان زیادہ سے زیادہ وجدانی درجے پر پہنچتا ہے۔ اس میں پہلا مرحلہ جبلت کا ہے۔ دوسرا تعقل اور تیسرا وجدان کا ہے۔ جبلت کے معاملے میں انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ جب ہم اس درجہ حیوانیت سے آگے بڑھتے ہیں، پڑھتے لکھتے ہیں۔ دانشورانہ اقدامات سوچتے اور غور و فکر کرتے ہیں اور اپنی اس ذہانت کو ہم ڈیٹا مہیا کرتے ہیں تو ہم ایک داخلی Intellect تعمیر کرتے ہیں جسے آپ تعقل کہتے ہیں، غور و فکر اس سے ہے۔

غور و فکر ہمیشہ کسی نہ کسی ڈیٹا پر استوار ہوتی ہے اور عقل اور آپ کا یہ حساس ترین کمپیوٹر اس سوال کا جواب دینے سے بالکل انکار کر دیتا ہے جس کا ڈیٹا اس کے پاس نہیں ہوتا۔ میں ایک شخص سے پوچھتا ہوں کہ جنگ پلاسی کس سن میں لڑی گئی۔ وہ مجھے آسانی سے جواب دے گا کہ میں نے جنگ پلاسی پڑھی ہے، مجھے سن کا پتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہن اس بات کا جواب نہیں دیتا جس کا ڈیٹا آپ اسے مہیا نہیں کرتے۔ اگر اس کا ڈیٹا بیس بہت وسیع تر ہو تو یہ باہمی مربوط سیلولر لائف کے توسط سے اسی ڈیٹا کے ذریعے آپ کو جوابات مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر جس چیز کا ڈیٹا نہیں، اس کا جواب کہاں سے آئے گا، Logical Pisitivists نے سب سے بڑا اعتراض خدا کی ذات پر یہی کیا تھا کہ جس اللہ کا کوئی ڈیٹا موجود نہیں تو وہ Nonsense ہے۔ جس کا سنس ڈیٹا ہی کوئی نہیں ہے وہ نان سنس ہے۔

عصر جدید میں کم از کم پانچ بڑے علوم کی شاخوں نے جو اللہ پر اعتراض کیے، وہ سارے اس کے انکار پر مبنی ہیں مگر ان میں سب سے بڑا جو اعتراض آیا وہ Positivists کا تھا کہ اللہ کا کوئی ڈیٹا موجود نہیں لیکن ان کی نظر 365 صفحے کی کتاب پر نہیں گئی۔ اتنا بڑا قرآن حکیم جس کے ایک ایک صفحے پر یہ اعلان ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ میرا ہے۔ ''انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون'' (الحجر: آیت ۹) کہ ہم نے اس کو نازل کیا اور اس کا ایک ایک لفظ ہم نے گن گن کر دیا۔ اس لیے کہ قرآن اور دوسری کتابوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اس کی زبان اور اس کا معیار انسان کے خاتمے تک ہے۔ اب یہ ضروری بات تھی کہ ایسی کوئی کتاب زمانوں کے اثرات سے آزاد ہوتی۔ اس کتاب کی زبان زمانوں کے اثرات سے آزاد ہوتی۔ پندرھویں صدی کی Chaucer کی انگلش ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ زبان کیسے بدلتی ہے اور کتنی بدلتی ہے۔ یہ

انگریزی کی ماں ہے۔ بیسویں اکیسویں صدی میں اتنی انگریزی بدل جائے گی کہ آج سے پانچ سو برس پہلے کی انگریزی بھی آپ کو قطعاً سمجھ نہیں آئے گی، حیرت کی بات تو ہے۔

مگر کیا بات ہے قرآن حکیم 15 سو برس پہلے کی زبان میں ہے۔ کمال کی بات ہے کہ جسے اس وقت کا عربی دان شخص سمجھتا تھا، اسے آج کا ان پڑھ بھی سمجھتا ہے۔ یا اس کتاب کی زبان کا ایک عظیم ترین معجزہ ہے کہ آج عربی بھی اسی سطح پر تجریدی ہو گئی ہے مگر قرآن کی زبان سمجھتے ہوئے کبھی کسی کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ کیا دعویٰ ہے اللہ کا کہ ہم نے اس کو ذہن انسان کے لیے سہل کر دیا۔ آپ کا بچہ بوڑھا ہر آدمی قرآن کو پڑھتے ہوئے ایسے لگے گا کہ یہ میرے دل کی بات ہے میرا سائیکک شعور مجھے بتائے گا کہ میں پندرہ سو برس سے یہ آیات سنتا چلا آ رہا ہوں اور یہ میرے لیے بڑی سہل ہیں۔

اس کے علاوہ بھی اللہ میاں نے بہت بڑے بڑے دعوے کیے ہیں۔ اگر آپ کو دشواری ہے۔ خدا پر غصہ ہے۔ آپ کی آزادی کا وہ حریف ہے تو کوئی نہ کوئی دعویٰ تو آپ کو توڑنا ہی پڑے گا۔ اللہ میاں کو دیکھیں کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے عجیب و غریب بات کہہ گیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کوئی نیچرل سائنسز، سپر سائنسز اور سائیکالوجی کے ماہرین ہوں گے۔ دنیا بڑی آگے چلی گئی۔ دعوے کے ساتھ چلی گئی۔ دنیا نے ایسے علوم میں معرفت حاصل کر لی، جو سو برس پہلے ناپید تھے۔ اس کے باوجود خداوند کریم یہ فرماتے ہیں الم ذالک الکتب لا ریب فیہ آپ نے کبھی غور کیا کہ اتنی بڑی کتاب کو اتنا منفی بیان سے شروع کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

کتاب شروع کرنے سے پہلے دو طریقے ہیں مثبت Response دو یا منفی بیان دے دو۔ مثبت ادعا یہ ہے کہ ”ذالک بان اللہ نزل الکتاب بالحق“ (البقرۃ: آیت ۱۷۶) یہ وہ کتاب ہے جسے میں نے سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اللہ نے ایسے نہیں کیا۔ حضرت انسان کے شکوک و شبہات، اس کی تحقیق، اس کی جستجو، اس کے ذہن میں اٹھتی ہوئی وہ تمام تمنائیں، خیال و فریب، جن سے مل جل کر ایک ایسا مشکک آرڈر پیدا ہوتا ہے کہ انسان کہتا ہے، میں نہیں مانتا تیری قدرت کو۔

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکر جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

میں تیری اس بات کو نہیں مانتا۔ میں تجھے خدا ہی نہیں مانتا۔ خدا اسے یہ نہیں کہتا کہ نہ مان۔ اسے کہتا ہے کہ اے جاہل مطلق! اے کم عقل فریب ذات میں الجھے ہوئے Intellectual الم ذلک الکتب لا ریب فیہ۔ یہ وہ کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ تو نکال لو۔ اور اگر آپ بغیر تحقیق و جستجو قرآن پڑھیں گے تو آپ اللہ پر کوئی احسان نہیں فرما رہے۔ اس لیے کہ اللہ میاں نے پہلے انسانوں کی قسمیں بنائیں۔ اس کے بعد انسانوں میں سے جانوروں کی قسمیں بنائیں پھر جانوروں میں سے بدترین جانوروں کی قسمیں بنائیں اور فرمایا ”ان شر الدوآب عنداللہ الصم البکم الذین لا یعقلونO“ (الانفال: ۸-۲۲) کہ بدترین جانور انسانوں میں وہ ہیں، جو غور و فکر نہیں کرتے۔ اندھے اور بہروں کی طرح میری آیات پر گرتے ہیں۔

یہ آج کے آدمی کا خوف ہے۔ آج کا آدمی اعتقاد اور دین چاہتا ہے۔ اس کو اللہ پر اندھا اعتقاد ہے کہ کہیں تو

بھاگ کے جاؤں گا۔ کوئی جھونپڑا ہو، جس میں گھس سکوں۔ وہ اللہ کو نہیں جانتا۔ اللہ کے خیال سے انس رکھتا ہے۔ یہ اس کی فراریت ہے۔ یہ اللہ اس کا اصلی اللہ نہیں ہے۔ بڑی بڑی سفارشیں لڑائیں، کام کیے، کام نہیں بنا تو اس نے کہا، باقی ذرائع تو دیکھے۔ سنا ہے کوئی اللہ بھی ہے۔ چلو ادھر چلے چلتے ہیں پھر دو چار دن تہجدیں پڑھیں۔ الٹے سیدھے ہوئے۔ توبہ کی، جب کام نہیں ہوا تو کہا کہ اللہ بھی دیکھ لیا۔ یعنی یہ از غیر متغیر اسباب میں سے اللہ بھی فرار اور چھٹکارے کا ایک ذریعہ ہے جو ہر انسان نے اپنے لیے بنا رکھا ہے۔ اس کی عملی قلبی، ذہنی انوالومنٹ اللہ کے ساتھ نہیں ہے۔

ادھر اللہ میاں یہ فرما رہے ہیں کہ دیکھو ’’لیھلک من ھلک عن بینة‘‘ جو ہلاک ہوا، وہ دلیل سے ہلاک ہوا ’’ویحیی من حی عن بینة‘‘ (الانفال: آیت ۴۲) جو زندہ ہوا وہ دلیل سے زندہ ہوا۔ ’’ان اللہ سمیع علیم‘‘ اللہ تو سوچنے سمجھنے والا ہے۔ اللہ ڈرانے والا نہیں ہے، اللہ میاں نے کائنات صرف اس لیے بنائی تھی کہ وہ چاہتا تھا، اس کائنات کی تخلیق کی کوئی داد دے۔ اس کی خلاقیت کوئی سراہے۔ اب آپ غور کیجیے کہ وہ آدمی کیا داد دے گا، جو ان پڑھ دیہاتی بیٹھا ہوا ہے۔

ایک دفعہ میں چکوال ایک مشاعرے میں چلا گیا۔ آنے والے اصحاب میں سے ایک دو بکریاں بھی ساتھ لے کر آ گئے۔ اب وہ اچھل اچھل کر داد بھی دے رہے تھے۔ فارسی میں ایک مصرع ہے کہ

تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس

کہ جاننے والے کی چپ اور نہ جاننے والے کا شور و غل یہ دونوں چیزیں کسی تعلیمی ادراک کے لیے موزوں ہوتی ہیں۔

خداوند کریم اگر ان پڑھ، اندھے اعتقاد والے سے داد چاہ رہا ہوتا پھر تو اس کے کارخانۂ قدرت میں صرف معجزات ہی ہوتے مگر ایسا تو نہیں ہوا۔ وہ تو یہ چاہ رہا تھا کہ کنت کنزا مخفیا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں اکیلا ہی تو تھا۔ تنہا وارث کائنات تھا۔ نت نئی چیزیں تخلیق کر رہا تھا۔ نئے نئے افسانے تراش رہا تھا۔ کیا کیا داستانیں بنا رہا تھا اور میرا یہ خیال تھا کہ کوئی تو ہو، جو میرے اس افسانے کی داد دے۔ ان کائناتوں کی داد دے۔ یہ جو میں سات کائناتیں بنا کے بیٹھا ہوں۔ کوانٹم اور اور اضافیت کے پیٹرن اور سپر ملٹی ڈائی مینشنل کائناتیں بنا کے بیٹھا ہوں۔ ان کی مجھے بھی تو کوئی داد دے۔ تو اس نے کہا کنت کنزا مخفیا میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ فاحببت مجھے اس بات کی چاہت ہوئی کہ کوئی مجھے داد دے۔ کوئی مجھے اپنے مالک کائنات اور اپنے کائنات کے رب کی طرح پہچانے۔ ان اعرف میرا تعارف حاصل کرے ’’فخلقت الخلق لیعرفونی‘‘ تو میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔

آج کل لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا ملتا نہیں۔ میں بتاتا ہوں کہ وہ شاید آسان ترین حقیقت ہے، جسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میں نے آج تک اللہ سے زیادہ قریب تر کوئی ایسی حقیقت نہیں دیکھی، جسے آپ ذرا سے رویے سے پا سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ کو کوئی تہجدیں کثرت سے نہیں پڑھنا پڑتیں۔ آپ کو کوئی مشقتیں نہیں کرنا پڑتیں۔ چلۂ معکوس نہیں، مراقبۂ قبر نہیں۔ یعنی الٹا بالکل نہیں لٹکنا پڑتا۔ اس کے دو چار نقاط ہیں اور وہ بڑے سادہ سے ہیں۔ زین للناس حب الشھوت میں نے آپ سارے لوگوں کو کچھ چیزوں کی رونق بخشی ہے۔ من النسآء عورتوں سے والبنین اولاد سے

والقناطیر المقنطرة ساز و سامان سے من الذھب والفضة سونے چاندی سے والخیل المسومة والانعام والحرث گھوڑے گاڑیوں سے ذالک متاع الحیوة الدنیا ایک اچھی گاڑی ٹویوٹا کرولا، جو ہماری زندگی کے خواب ہیں، دو چار اچھے صوفے سیٹ قناطیر المقنطرة بچوں کی اچھی تعلیم اور پھر اچھا گھر، اچھی بیوی بچے۔ کہتا ہے کہ ذالک متاع الحیوة الدنیا یہ ساری متاع دنیا ہیں۔ اگر آپ ان کو ترجیح دو گے تو یہ ترجیح تمہاری غلطی ہوگی، کیوں؟ کیونکہ تمہارا لفظی اعتقاد عملی اعتقاد نہیں ہے۔

تم یہ کہتے ہو کہ خدا ملے مگر ان چیزوں کے بعد پہلے اچھے ماں باپ مل جائیں، پھر اچھی بیوی یا خاوند مل جائے۔ پھر اچھے بچے مل جائیں۔ پھر زندگی کے لیے ایک خوبصورت اچھا سا گھر مل جائے۔ اس گھر میں بڑے خوبصورت صوفے لگے ہوں۔ پھر ایک شاندار کار بھی ہو۔ یہ سلسلہ خواہشات انسان "وما الحیوة الدنیا الا لعب و لھو" (الانعام: آیت ۳۲) "قل متاع الدنیا قلیل" (النساء: آیت ۷۷) وما الحیوة الدنیا الا متاع الغرور" (الحدید: آیت ۲۰) یہ Vanity Fair میں جاتا ہے۔ اس میں یہ خیال رکھتے رکھتے تک امانی خیال بڑھتے بڑھتے ایک صحرائے سراب تخیل بن جاتے ہیں، جس میں سے انسان کبھی باہر نہیں نکلتا۔ خدا آپ کو کبھی بھی نہیں مل سکتا۔

اللہ نے بڑی سادہ سی شرط رکھی ہے۔ وہ کہتا ہے، یار! خود سوچ کر بتاؤ کہ کیا پرائم منسٹر چپڑاسی کی کرسی پر آ کر بیٹھے۔ میں تخلیق کار ہوں۔ میں کائنات کا خالق ہوں۔ اگر تم مجھے چاہتے ہو، تو ذہن کو ایک ہلکا سا فوربرین دے دو۔ یہیں سے سارے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ فوربرین ہی آپ کے تمام خیالات پر حکومت کرتا ہے۔ اعمال کو کنٹرول کرتا ہے۔ صرف ایک ڈکٹیشن دے دو، صرف ایک سادہ سی ڈکٹیشن کہ میری ایک ہی ترجیح اول میرے ذہن کے تجسس کی ہے اور وہ صرف خدا ہے۔ اللہ میاں باقی ساری غلطیاں کروں گا، مگر میں ایک ذہنی غلطی کبھی نہیں کروں گا کہ میری زندگی کی ترجیح اول صرف اور صرف تو ہے اور اس کے بعد باقی ترجیحات کو مرتب کرتا چلا جاؤں گا۔

آج اگر اللہ ہماری مدد نہیں کر رہا ہے۔ اگر اس نے ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے۔ اگر اللہ مسلمان پر توجہ نہیں دے رہا۔ خدا کی قسم معجزے تو گر رہا ہیں۔ یہ تو آپ کے پاؤں سے پھوٹے اور آپ کے ذہن سے نکلے ہیں۔ آپ کی انگلیوں سے تو سنت رسولؐ کا چشمہ پھوٹا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کی ترجیحات درست نہیں ہیں۔ انفرادی لوگوں کی ترجیحات درست نہیں ہیں۔ ہم زیادہ توجہ کم ترجیحات کو دیتے ہیں اور کم ترجیح، ترجیح اول کو دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا المیہ امت مسلمہ کو درپیش ہے کہ ہم مذہب کی پرستش کر رہے ہیں۔ رسم و رواج اور مکاتب فکر کی پرستش کر رہے ہیں مگر وہ اللہ جو بنیاد ہے اس پر توجہ ہی نہیں دے رہے۔ آپ کو پتا ہے مذہب کس کے لیے ہے؟ آپ کو علوم ہے کہ مذہب میں شریعتیں بدلتی رہیں۔ شریعت موسوی اور شریعت عیسوی اور تھی۔ شریعت شعیب اور نوح اور تھی۔ شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہے مگر ایک بنیادی مقصد آدمؑ سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جو مشترک رہا۔ کبھی مذہب سے نہیں گیا۔ وہ شناخت پروردگار ہے۔ خداوند کی آگہی پانا ہے۔ ہر مذہب پیدا ہی اس لیے ہوا کہ جب کسی انسان کے دل میں شعوری کسک اپنے مالک کی اٹھے۔ جب ایک صحرائے بسیط میں تنہا مسافر اپنے اردگرد کسی رستے کا نشان نہ پائے اور جبراً اپنے قلب سے آزردگی کے ساتھ ناسٹلجیہ کے تحت آسمان کو دیکھے تو توقع کرے اور دعا کرے کہ کوئی تو یہاں میرا مالک، میرا کریم، میرا

مہربان ہو جو مجھے رستہ دکھادے تو تب اللہ کی خواہش سینے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ پروردگارِ عالم آپ کی دہلیز پر آپ کا منتظر کھڑا ہوتا ہے۔ آپ کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔

آغاز و انجام میں ہر آدمی خدا کی آگہی اور خدا کی محبت پا سکتا ہے اور یہ اس نے اگر نہ رکھی ہوتی، تو کبھی آپ سے نہ کہتا کہ اگر تم مجھے پانا چاہتے ہو تو تم سے صرف دو چیزیں طلب کرتا ہوں ''لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبو ن'' (البقرۃ: آیت ۱۰۴) چھوٹی چھوٹی محبتیں میرے لیے ترک کر دو۔ مجھے بڑی محبت دو، مجھے اپنی زندگی کی بنیادی طلب بناؤ۔ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ میں ہی تمہارا خالق ہوں۔ میں ہی تمہیں فتح و نصرت سے آشنا کرنے والا ہوں۔ مجھے ترجیح دے کے پھر دوسری چیزوں کو ترجیح نہ دو۔ باقی ساری چیزیں میں نے تمہیں دی ہیں۔ کمتر کو کمتر سمجھو اور ناپ کو ناپ سمجھو۔ اگر تم نے مجھے چاہنا اور مجھے پانا ہے تو پہلے وہ تمام محبتیں میرے لیے ترک کر دو جو تمہیں میرے سوا ہیں۔

اور دوسری اپروچ کی بات ہے۔ خوف اور دہشت سے نہیں، ڈر کے نہیں بلکہ خدا نے فرمایا ''فاذا قضیتم مناسککم'' جب تم کام کاج ختم کر چکو تو پھر فاذکروا اللہ کذکرکم ابآئکم او اشد ذکراً'' (البقرۃ: آیت ۲۰۰) تو مجھے ایسے یاد کرو، جیسے آباؤ اجداد کو کرتے ہو، او اشد ذکرا ذرا زیادہ کرو تا کہ مجھے پتا چلے کہ تم ہر تعلق سے زیادہ میرا تعلق چاہتے ہو۔

پھر اللہ کہتا ہے کہ جب سے میں نے ''ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض و اذ انتم اجنۃ فی بطو ن امھاتکم'' (النجم: آیت ۳۲) تمہاری ماؤں کے بطن میں تمہیں رکھا، اس وقت سے تمہیں جانتا ہوں۔ میرے سامنے مقدس کبھی بھی نہ بنو ''فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی'' (النجم: آیت ۳۲) میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنے متقی ہو؟ ہاں! میں نے کمپیوٹر میں یہ درج کیا ہوا ہے کہ اگر تم میں شعور رکھا تو خطا بھی رکھی یعنی خطا کو سیکھنے کا پیٹرن بنایا۔ خطا، گناہ یا غلطی جہاں ایک طرف انسان میں پچھتاوے کا احساس دیتی ہے، اس کی سزا لکھی جاتی ہے، دوسری طرف ہر خطا کے پیٹرن میں سیکھنا اللہ نے لکھا ہے۔ اگر آگ سے ہاتھ جلتا بھی ہے تو اس کے بعد آپ کا تجربہ یہ کہتا ہے کہ آئندہ کبھی ننگا ہاتھ آگ میں نہیں ڈالیں گے یعنی وہ ایک طرف سیکھنا بھی ہے تو خطا کو اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی انسان کے انجام کی خبر نہیں دی بلکہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ توبہ کرنے والا ذہن کبھی گنہگار نہیں ہوتا۔ جس نے توبہ کی، وہ گنہگار نہیں ہے وہ مغفرت کا طلب کرنے والا ہے۔

اسی طرح خداوند کریم نے فرمایا کہ ''الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم'' (النجم: ۳۲) جس نے بڑے بڑے گناہوں سے احتراز کیا یا پرہیز کیا، چھوٹے چھوٹوں پر تو وہ ٹھہرے گا ہی نہیں۔ کیا مزے کی بات ہے۔ لمم کہتے ہیں، چھوٹے چھوٹے وقفے یا عرصے کو۔ لاطینی فلسفے میں Sphinx کی ایک میز ہوتی تھی۔ اس میز میں اس نے بڑی جادوگری اور سحر کی بھول بھلیاں بنا رکھی تھی۔ اس میں ہیرو جاتا، وہ اندر جا کے گم ہو جاتا، باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ جب وہ باہر نکلنے لگتا تو قتا طور جو بیٹھا ہوا جن تھا، اسے کھا پی جاتا۔ بے شمار ہیرو آئے اور وہ اس میز میں کھو گئے۔ آخراً تھیسئیس ہیرو اس میں گھسا تو وہ بے چارہ بڑا پریشان تھا۔ رستے میں اسے ایک چھوٹی سی لڑکی ملی۔ اس نے کہا کہ دھاگے کی ساتھ ریل لے جا اور شروع میں اسے باندھ دینا۔ جب میز کے سنٹر میں تو پہنچ جائے، تو دھاگا لپیٹنا شروع کر دینا۔ پس تو آرام سے

واپس آ جائے گا۔ ایک بہت بڑا مسئلہ جو صدیوں سے لوگوں کی تباہی و بربادی کا باعث بنا رہا ایک ننھی سی لڑکی نے اسے سلجھا دیا۔

واپسی کا راستہ ہمیشہ عزیز ہونا چاہیے اور مسلمان کی واپسی کا راستہ صرف اور صرف اللہ ہے۔ توبہ رجوع ہے واپس پلٹنے کا رستہ ہے۔ یہ ہر بھول بھلیوں سے انسان کو نکال کر لے جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے کہا کہ مسلمان کا یہ حال ہے جب جوان ہوتے ہیں تو بڑے سرکش، تند و تیز، انکار کرنے والے اور بڑے جارحانہ عزائم والے ہوتے ہیں۔ کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔ مشرق و مغرب کو پامال کر دیتے ہیں۔ مگر جب ذرا دھوپ ڈھلتی ہے، عمر ذرا گھٹنے مڑنے لگتی ہی پھر ان کو اللہ کا خیال آتا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آتا ہے۔ پھر یہ مدینے کی گلیاں ڈھونڈنے کے چکر میں ہوتے ہیں۔ بچوں کو مدبرانہ سبق دے رہے ہوتے ہیں۔ اقبال نے بڑے خوبصورت شعر میں کہا کہ یہ مسلمان اس پرندے کی طرح ہے جو صبح سویرے دانا دنکا چگنے بہت دور نکل جاتا ہے۔ جب شام پڑتی ہے تو پھر اسے اپنا گھونسلا یاد آتا ہے۔

چوں آں مرغ کہ در صحرائے ہر شام
کشاید ہر دو فکر آشیانہ

سوالات و جوابات

قیامت کیسے آئے گی؟

سوال: قرآن میں اللہ کہتا ہے کہ میں نے ساتھ زمینیں اور سات آسمان بنائے ہیں۔ کیا ان سات زمینوں اور آسمانوں میں قیامت ایک ہی وقت میں آئے گی؟

جواب: ہاں صاحب خیال یہ کہتا ہے کہ جیسے سات زمینوں میں ہو سکتا ہے قیامت جو ہے Relative time میں ایک ہی ہو۔ ایک اس طرح ہو کہ At a time جیسے کسی اور یونیورس اور ہماری یونیورس کے اوقات میں بڑا فرق ہے لیکن عین ممکن ہے یہ اسی طرح وقوع پذیر ہو۔ میں آپ کو اس معجزے کی مثال دیتا ہوں۔ "اقتربت الساعۃ وانشق القمر" (القمر: آیت ۱) وہ ساعت قریب آئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ تو پتا یہ لگتا ہے کہ ساعت یہ تھی کہ انگشت مبارک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑی ہوئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا مگر ایسے زمین پہ ہوا۔ مگر اس سے پہلے It might have taken about five to ten lac years. کہ جب دو ستاروں کے برابر کشش چاند پہ پڑ رہی ہوگی اور آثار بن رہے ہوں گے کہ دونوں اس Level of position میں آ گئے کہ دونوں نے اسے اپنی طرف کھینچا بھرپور کشش کے ساتھ اور ادھر اس کا دیکھیے آیت کہہ رہی ہے کہ وہ ساعت قریب آئی ادھر وہ ساعت قریب آئی۔ ادھر یہ انگشت مبارک کھڑی ہوئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ تو بالائے کائنات کے اصول اور ہمارے اپنے ذاتی اصول بڑے Different ہیں بلکہ اگر آپ اپنی زمین کو دیکھیں

This is most unnatural existence in the universe.

یہ زمین ہے اگر کائنات کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو Most Unnatural ہے اور ہمارے نقطۂ نظر سے دیکھو تو کائنات ہمیں ایک Immence حد تک ایک ظالمانہ اور سرکشانہ رجحانات کی حامل نظر آتی ہے جو ہمیں زندگی کا کوئی چانس نہیں دیتی مگر جس نے بھی یہ دنیا بنائی ہے اگر ایک لاکھ میل سورج دور لے جاتا تو ہم فریز ہو جاتے یا ایک لاکھ میل ہمارے قریب آجاتا تو ہم جل جاتے۔ قدرتی بات ہے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ یہ زمین جو ہے ایک مستقر ہے۔

“ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین” (البقرۃ: آیت ۳۶) اس پہ ہم نے کچھ عرصہ ٹھہر کے کچھ مقاصد کی تکمیل کرنی ہے۔ اور پھر اسی دور کا حصہ ہو جاتا ہے جو بلین آف ایئرز سے جاری ہے۔ اور بلین آف ایئرز تک آگے بڑھے گا۔ قیامت اور ٹائمنگ Relative ہیں۔ اگر آپ قرآن حکیم کو اور فلاسفۂ مغرب کو دیکھیں تو بڑا اختلاف ہے خدا کے نزدیک تمام ٹائم ہے اور ہمارے دنیا کے جتنے بھی فلسفۂ خیال ہیں ٹائم کو Infinite مانتے ہیں لیکن قرآن حکیم میں آپ کہیں بھی وقت کا ذکر Infinite کے معنوں میں دیکھتے ہیں “الی اجل مسمی” (ہود: آیت ۳) اور اس کو ایک بنیاد بنا کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام ہو سکتا ہے یہ ضروری بھی نہیں ہے۔ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی یونیورس گزر چکی ہیں۔ اس لیے کہ ابھی تک جو اس یونیورس کی زندگی متعین ہوئی ہے پندرہ بلین ایئرز ہے۔ پندرہ بلین ایئرز اور ابھی Latest تھیسز کے مطابق، اس یونیورس سے ببل یونیورسز ایشو ہو رہی ہیں۔ ببل یونیورسز اب جو سائنسدانوں کا آخری تھیسز ہے وہ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اس یونیورس کے علاوہ اور یونیورسز ہیں اور ان کا نام انہوں نے ببل یونیورسز رکھا ہے۔ اب پندرہ ارب سال ہماری اس دنیا کی 14 پوائنٹ Some-thing کی عمر ہماری زمین کی عمر چھ ارب سال ہے۔ یا 5.4 Maximum، بلین ایئرز ہے۔ لامحالہ اگر ہم پیچھے ہٹ کے دیکھتے ہیں تو کم از کم تین دنیاؤں کی جگہ بنتی ہے۔ میرے نزدیک یہ انٹرنل پراسیسنگ ہے۔ اس میں کبھی قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت آتی جاتی رہے گی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا “کل من علیھا فان” (الرحمٰن: آیت ۲۶) اور قرآن ایک کوڈ ہے لوح محفوظ سے اترا ہے مگر لوح محفوظ میں قرآن کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے کیونکہ ہمیں جو حدیث ملتی ہے اس میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآن لوح محفوظ پہ درج تھا پھر لوح محفوظ سے قرآن کو اتارا گیا تو Conduct of law تو قرآن ہے۔ ساری کائناتوں اور ساری زندگیوں پہ Code of conduct قرآن ہے۔ ٹائمنگ اپنی اپنی ہو سکتی ہے۔

I cant be very sure, I am not God

خدا کی پہچان فراق میں ہے

سوال: ہم اللہ سے محبت کیسے کریں؟ اس کا مناسب ترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

جواب: میں نے عرض کیا تھا بیچ میں رک گیا باتیں اللہ کی ایسی طویل و عریض ہوتی ہیں کہ ادھر سے ادھر چلا جاتا ہوں تو میں آپ سے کہہ رہا تھا سب سے پہلے Argument ہوتا ہے۔ دوسرا Step اس Argument کو Maintain کرتا ہے اور قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پہلے کتاب پڑھو قرآن پڑھو قرآن پڑھنے سے اوامر اور نواہی سے واقفیت حاصل ہو جائے گی آپ جان جائیں گے کہ اللہ کو کیا پسند اور کیا ناپسند ہے۔

And since you are loving God نیچرلی آپ کو خدا کی مرضی پسند ہے تو آپ وہ کام Avoid کریں گے۔ جو مجھ سے انگلینڈ میں ایک لڑکے نے پوچھا کہ یہاں مجبوراً کبھی کبھی سور کھانا پڑتا ہے تو آپ کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا کھالو۔ کہنے لگا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں نے کہا کھالو بھائی کوئی حرج نہیں، کہنے لگا اللہ نے منع نہیں کیا ہوا۔ میں نے کہا اللہ سے محبت ہے تو نہ کھاؤ۔ اصولاً دیکھا جائے تو ہمیں پہلے انس اور خیال کو Determine کرنا پڑتا ہے کہ What do we seek. اگر آپ یہ کہو کہ مجھے مذہب چاہیے تو میں تو مذہب کا متلاشی ہوں۔ میں تو ایسی کوئی پابندی پسند نہیں کرتا۔ اگر خدا نہ ہوتا میں نے آپ کو شروع سے ہی کہا تھا کہ میرا یہ Basic Question ہے کہ میں آزاد ہوں کہ میں غلام ہوں اور میری آزادی میں تو حائل ہی اللہ ہے Why should I believe some-body. جو میری آزادیاں Curtail کرتا ہے۔ مجبوراً سوچ سمجھ کے میرے پاس کوئی چارہ نہیں رہا میں نے اللہ کو مان لیا چلو اللہ کو مان لیا اب ماننے کے بعد بھی ایک چوائس رہ جاتی ہے۔ میں اس کی طرف جاؤں کہ اس سے پرہیز کروں تو اس کی طرف جانے کے عمل کی میں وضاحت کروں اور جانے کا عمل صرف ایک ہے اور خداوند کریم کہتا ہے سارے خوف سے وحشت سے نہیں، میں صرف محبت والا ہوں اور مجھ سے محبت کرنی ہے تو کرو، اور اگر ڈرنا ہے تو کسی اور اللہ کو مان لو ”فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اباءکم“ (البقرۃ: آیت ۲۰۰) مجھے اس طرح یاد کرو جیسے Belongings کو کرتے ہو، آباء کو کرتے ہو، اولاد کو کرتے ہو محبوبوں کو کرتے ہو اب بتایئے یہ یاد کیسی ہوتی ہے۔ کیا یہ نفرت اور خوف کی یاد ہوتی ہے۔ پھر تو میں کہوں گا کہ اللہ کہتا ہے کہ مجھے ڈر کے یاد کرو لیکن اگر خدا یہ چاہتا ہے کہ جیسے تم اپنے عزیز ترین لوگوں سے محبت کرتے ہو، اس سے بھی بڑھ کر مجھے ذرا زیادہ یاد کرو۔ دیکھو یہاں ذرا زیادہ سختی ہے کہ جب تک تم ہر محبت کو میری محبت پہ فوقیت نہیں دو گے میں نہیں ملوں گا روٹھا ہوا اللہ ہے میں نہیں ملوں گا ”لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون“ (آل عمران: آیت ۹۲) تم برات حاصل نہیں کر سکتے، میں تمہیں نہیں مل سکتا جب تک کہ تم میرے لیے اپنی تمام محبتوں کو قربان نہ کر دو۔ اب بتایئے یہاں تو جیلسی کے معاملات ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ سے ہم کیسے محبت کریں How۔ کہتا ہے ویسے ہی جیسے آپ لوگوں کا زندگی میں خیال ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے نہ ہو۔ اگر محبوب سامنے نہیں ہوتا اسے کیسے یاد کرتے ہو، وہ تو چھت پہ، کھڑکی میں، بازار میں، گلی کوچوں میں اور ہر جگہ یاد آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خداوند کریم کہتا ہے کہ مجھے بالکل اسی طرح یاد کرو ”فاذکرو اللہ قیاما وقعودا و علی جنوبکم“ (النساء: آیت ۱۰۳) کھڑے کرو، بیٹھے کرو، کروٹوں کے بل کرو، چلتے پھرتے کرو۔ میں تو تمہاری یاد چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ یاد کے بغیر محبت کا کوئی امتحان نہیں ہے، کوئی یقین نہیں ہے۔ اگر آپ کو دیکھنا ہو کہ دس آدمیوں میں سے آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے تو آپ دس کو جدا کر دو جو زیادہ یاد آئے گا اسی سے محبت ہوگی۔ اب چونکہ خدا سامنے نہیں ہے اور خدا کی پہچان ہی فراق میں ہوتی ہے۔ اس لیے خدا کہتا ہے کہ سامنے ہوں یا غائب مجھے یاد کرو تو بڑی بات ہے ”اتل ما اوحی الیک من الکتاب“ کتاب پڑھو، قرآن شریف پڑھو، ”واقم الصلوۃ“ نماز قائم کرو ”ان الصلوۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر“ یہ تمہیں فحش اور منکر سے روک دے گی ”ولذکر اللّٰہ اکبر“ (العنکبوت: آیت ۴۵) مگر میری یاد تو بہت بڑی بات ہے، بہت بڑی بات! یہ حسین ہے، خوبصورت ہے ”اِنّ اللہ جمیل یحب الجمال“ اللہ خوبصورت ہے، وہ کہتا ہے یار کس چھوٹی موٹی خوبصورتی کے پیچھے بھاگ رہے ہو۔

جو ہم دیکھتے ہیں یہ Sanctioned Beauty ہیں۔ حواس خمسہ میں قید ہوا آپ آنکھ سے آگے نہیں دیکھ رہے، ہاتھ سے آگے نہیں ناپ کر رہے، حواس خمسہ سے آگے بڑھو گے تو آپ کو Refined Beauty کا احساس ہوگا۔ اگر کسی شعر کا وزن خراب ہو Rhyme اور میٹر خراب ہو تو کسی سٹینڈرڈ کی وجہ سے پتا لگتا ہے یا ذہن میں کوئی قدر ہوتی ہے جس سے پتا لگتا ہے کہ خیال کیسا ہے جس کو ذوق یا شعور کہتے ہیں۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی ذوق اور شوق کا اظہار لفظوں کی ادائیگی اور طرز ادا کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

کھلتا کسی پہ کیوں میرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

تو خداوند کریم آپ کو اس معمولی ذوق کی استطاعت سے آگے Ultimate refined beauty تک بڑھاتا ہے۔

You have to be continued where lies the real touch of beauty and where lies the ultimate refined beauty

خوبصورت آدمی کیسے اپنے آپ سے دوسروں کو ڈرائے گا اس کو تو Appreciation چاہیے۔ اللہ کو اپنی تعریف چاہیے، اپنے لیے محبت چاہیے تو وہ ڈرائے گا تو نہیں نا وہ تو Attract کرے گا۔ یہ تو بدقسمتی کی بات ہے کہ خدا کے اجارہ دار بڑے بدصورت ہیں۔

I have never seen, you see.

یہ Advertising کا زمانہ ہے اور ایک اچھی Advertising کمپنی کا کمال یہ ہے کہ بدترین چیز کو Salable کر دیتی ہے اور کائنات کی سب سے بڑی Value کو اتنے واہیات ایڈورٹائزر ملے ہوئے ہیں کہ ان کو دیکھتے ہوئے کوئی اپنے سینے میں خدا کا انس نہیں پال سکتا۔ اب دیکھیے میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں، یہ بال ہیں، جہاں بھی آپ یہ بال دیکھو گے یہ حسن کے لیے ہیں۔ گنجے مرد اور گنجی عورتیں کیسی لگیں گی، یا گنجے جانور ہی کیسے لگیں گے Look at those people اب ان بالوں کو سنوارنا ہی رسم محبت ہے، رسم رسول ہے، قرآن حکیم میں اللہ کہتا ہے، "یا بنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد" (الاعراف: ۳۱) نمازوں کو جاؤ تو زینت کر کے جاؤ، اب مردوں کی زینت اور کیا ہے کہ بال خوبصورت بنے ہوئے ہوں، اچھے ہوں داڑھی ہو تو سنوری ہوئی ہو، میں ہزاروں لوگ دیکھتا ہوں کہ ایک بے ڈھنگی داڑھی رکھی ہوتی ہے۔ پوچھو کیوں۔ جی یہ پہلی داڑھی ہے، آپ بوڑھے ہو چلے ہیں لیکن داڑھی پہلی ہی چل رہی ہے۔ اب بجائے اس کے کہ وہ مرد کا حسن بنے اور اس سے اس کی خوبصورتی کی نشاندہی ہو لیکن انہوں نے اس کو حسن اور دلکشی کے بجائے ایک General symbol of ugliness. بنایا ہوا ہے۔ دنیا میں تہذیب و اخلاق کے حوالے سے سب سے پہلی کتاب جو معاشرے کے آداب پر لکھی گئی ہے وہ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی ہے، جس میں

Mannerism کا بنیادی تصور ہی مسلمانوں نے دیا ہے۔ اب بھی آپ یورپ کی فلموں میں جو لوگ دیکھتے ہیں، میاں بیوی کے درمیان آتے جاتے جو خلوص کا اظہار ہو رہا ہے kissہو رہا ہے آپ کو پتا ہے حدیث کیا ہے۔ علامہ تتاری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی چار بیویاں تھیں اور ایک بیوی کو حضرت سے اتنا انس تھا کہ وہ دروازے تک آتیں، رخصت کرتیں اور ان کو بوسہ دیتیں، یہ جو آپ کو آج کا کلچر نظر آ رہا ہے یہ اصل میں بڑا پرانا کلچر ہے۔ ان مسلمانوں کا کلچر ہے جنہوں نے معاشرے میں محبت اور انس کی بنیاد رکھی۔ جنہوں نے انتہائی خوبصورت اخلاقی مناظر پیدا کیے اور اتفاق سے دیکھیے ابھی اس کی تعلیمات کرپٹ نہیں ہوئی تھیں، وہ قرطبہ اور بغداد سے ہوتی ہوئی یورپ چلی گئیں اور ادھر سے ہو کے پھر ہم تک پہنچیں۔

And we are decadent not only in our culture in the proper understanding of Islam, religion attitudes.

ہم اتنے بدصورت مسلمان ہیں کہ ہم میں اللہ کے حسن کی کوئی جھلک نہیں پائی جاتی۔ ہم ایک ہزار برس مغرب میں رہیں تو کوئی ہمارے کردار سے متاثر نہیں ہوتا۔ یہ ایک ٹریجڈی کی بات ہے۔ اب آپ دیکھیے کہا جاتا ہے کہ میں نے پانچ ہزار مسلمان کر دیے۔ میں اس دن بڑا حیران ہوا کہ مسلمانوں کے کیا عجیب و غریب احمقانہ سے دعوے ہیں۔ ایک جماعت نے دعویٰ لکھا ہوا تھا کہ ہم نے پانچ ہزار امریکن مسلمان کر دیے، ایک دوسری جماعت کا میں نے دعویٰ پڑھا کہ ہم نے گیارہ ہزار جاپانی مسلمان کر دیے، اب میرا اندازہ یہ ہے کہ چلیے مسلمان ہونے کی تعداد تو پانچ ہزار ہے مگر وہ ہندو راجنیش جو گیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پانچ لاکھ پیروکار ہو گئے، دوسرا ایک فراڈ یا بڈسٹ گیا اس کے دس لاکھ پیروکار ہو گئے، ایک تیسرا آگیا، اس نے اتنے مخلص لوگ پیدا کیے کہ ڈیڑھ سو آدمیوں نے اس کے کہنے پر خودکشی کر لی Look at those people. اپنی بیزاری اور مجبوریوں کے ہاتھوں وہ کوئی بھی strange cult قبول کر لیتے ہیں۔

This is not the sign of spreading of Islam at all.

میں نے وہاں امریکہ میں دیکھا ہے۔

Mostly they are not Muslims at all.

آپ بیس لاکھ کالے حبشیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور وہ اپنا پیغمبر ایلیجا محمد کو سمجھتے ہیں۔ ان میں بالکل ایک Small سا Fraction ہے چھوٹا سا جو مائیکل جیکسن کی وجہ سے مسلمان ہیں میں ایک میں مجلس گیا وہاں ایک یہودی ناچ کود کر رہا تھا، مائیک ہاتھ میں، اچھل کود کے ادھر جاتا ادھر جاتا اور میں نے ایک مسلمان سے پوچھا کہ یہ کون ہے، کہنے لگے جی یہ اوریئنٹلسٹ ہے جسے مستشرق کہتے ہیں اور اس نے اب بڑی ریسرچ کی ہے اور آج یہ ہمیں اسلام پر ایک لیکچر دینے کے لیے آیا ہے۔ تو میں نے کہا حضرت آپ پندرہ سو برس سے مسلمان ہیں لیکن آپ کو اسلام سمجھ نہیں آیا تو اس کو پندرہ سال میں کیسے سمجھ آگیا یعنی وہاں کا مسلمان اپنی اسلامی تربیت کے لیے اپنی جستجو اور ذہن کو نہیں استعمال کر رہا۔

Academics سے they are trying to use these foreign talents.

میں ان سے بھی گئے گزرے ہیں، نیچرلی ایک انفریئر مکسنگ کی سی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور اصلی اسلام کے

بجائے بہت جلد عجیب وغریب سا ایک ملغوبہ بن رہا ہے جس کا نہ یہ پتا لگتا ہے کہ یہ کرسچین Religion کی ڈیفارمٹی ہے یا اسلام کا حلیہ بگڑا ہوا ہے۔ البتہ اس قسم کا اسلام وہاں موجود ہے کہ ایک دفعہ ایک ہوٹل میں ڈاکہ پڑا۔ یہ ڈاکہ حبشیوں نے ڈالا تھا وہاں ایک عورت حجاب میں تھی وہ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا سسٹر تم ایک طرف ہو جاؤ تم مسلمان ہو ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ بس یوں سمجھئے کہ حجاب نے اسے فائدہ دیا۔ وہ حبشی چونکہ کالے مسلمان تھے تو وہ اسے چھوڑ گئے اور باقیوں کو لوٹ کے چلے گئے You See ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی اپنی مرضی کا قرآن حاصل کریں میں نے وہاں ایک عجیب بات دیکھی کہ

All the women ask me one question اور بڑا عجیب اور بڑے طنطنے سے میرے ساتھ لڑتی تھیں۔

Why God has allowed four marriages to the man, why can't we marry four men.

میں نے کہا جو چاہو کرو مگر مسئلہ میرے ماننے کا تو نہیں ہے۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ آپ ایک امریکن Constitution کو مانتے ہو، میں نے جتنے امریکنز سے بات کی They hated the taxes، ایک امریکن نے مجھ سے کہا، پروفیسر

We hated the British becaue of taxes, we revolted against them because of taxes. Why should we pay taxes to this stupid government.

تو میں نے کہا In spite of all that you still pay. یہ ضروری نہیں کہ کسی انسان کی ساری باتیں آپ کے Individual مقاصد کو پورا کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ سارا قرآن میری مرضی کے مطابق ہو۔ بہت ساری چیزیں ایسی بھی ہوں گی جو شاید میرے مزاج کے مطابق نہ ہوں۔ شاید اس میں کچھ ایسے قوانین ہوں جو مجھے اچھے نہ لگیں تو پھر کیا آپ یہ کریں گے کہ اپنی مرضی کے قوانین ایڈووکیٹ کر دیں گے اور باقی قرآن اور اللہ کو نہیں مانیں گے۔ یہ جس نے اللہ کو مانا، جس نے قرآن کو مانا، وہ اگر ایک آیت کا بھی انکار کریگا تو وہ اللہ کو نہیں مان رہا ہوگا۔ This is what we have to learn this اسی لیے خدا کہتا ہے کہ "یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" (البقرۃ: ۲۰۸) اے لوگو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یہ دس ہزار سسٹم اس میں شریک نہ کرو پھر تمہیں اسلام کے اصل کمفرٹس کا پتا لگے گا۔ میں آپ کو ماڈرن مثال دیتا ہوں میں نے طلاق کا قانون دیکھا ہے، سیکنڈ میرج کا لا دیکھا ہے۔ اس سے بدترین قانون عورت کے خلاف کوئی نہیں بنا، اس ملک میں By Nature ہماری عورتیں Possessive ہیں

They will never allow their husbands to marry second time.

بہت فساد کھڑے ہوتے ہیں۔ خالی عورت کی بات نہیں ہوتی۔ پوری فیملی دوسری فیملی سے ناراض ہو جاتی ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک کے ساتھ جنگ آزما ہو جاتا ہے۔ اچھے بھلے انسان کی مٹی پلید ہو جاتی ہے یا ایک اچھی بھلی عورت Suffer کر جاتی ہے۔ اس کا حل انہوں نے یہ رکھا کہ عورت سے اجازت لو، ورنہ تین مہینے جیل جاؤ ایک آدمی اسی جرم کی

پاداش میں جیل چلا گیا اور عورت نے اسے

She has not allow to her husband to merry.

تو نیچرلی رزلٹ کیا رہ جاتا ہے Divorce رہ جاتا ہے۔ Divorce سے تو مرد کو کسی نے نہیں روکا۔ لہٰذا اگر وہ اجازت نہیں دیتی تو مرد کے پاس ایک رستہ ہر وقت کھلا ہے کہ وہ اسے Divorce کر دے۔ اچھی بھلی چار چھ بچوں کی ماں جس کا کوئی آسرا نہیں ہے۔ جس کا کوئی مناسب روزگار نہیں ہے۔ اس کو وہ Divorce کر دیتا ہے۔

And of this law particularly is creating biggest harm in this country.

کہ بے شمار عورتیں اس لیے بیوہ ہو گئیں کہ

Mentally they would not allow their husbands to marry with another woman

اور اس کے نتیجے میں اتنی طلاقیں ہوئی ہیں کہ یہ اجازت لینے والا قانون محض ایک مضحکہ خیز قانون لگتا ہے۔

Still we see, we say. If you are!

اگر آپ نے کچھ کرنا تھا عورتوں کے لیے ان کے تحفظ کے لیے اگر ایک آدمی دو شادیاں کر سکتا ہے تو پھر آپ سے کہا جاتا ہے کہ ان کو 50% دو، کیوں دو؟ 50% ایک عورت کے چار بچے ہیں۔ ایک تم نئی سے شادی کر رہے ہو

Why one should not understand its not the 50%

مگر اصولاً دیکھا جائے تو اس عورت کو 80% بچے بھی تو باپ کی ذمہ داری ہے،

But we commit justices in the name of God. we commit justices in the name of law.

اور یہ ہماری حرکات اس معاشرے کے عدم استحکام کا باعث ہیں۔ اللہ خود ہی تو کہتا ہے کہ ہمیں جیسے اللہ پر یقین رکھنے کا حق ہے، ہم اس پر ایسا یقین نہیں رکھتے۔ اور ہمیں اس کی عبادت کرنے کا حق ہے ہم یقیناً ایسی عبادت نہیں کرتے لیکن وہ اس کے باوجود بھی ہم کو برابر بخشتا رہتا ہے۔ وہ ہم پر نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

گناہ کی بنیاد نفس یا شیطان؟

سوال: گناہ کی بنیاد کیا ہے نفس یا شیطان؟

جواب: خواتین و حضرات! یہ شیطان ایک کاشتکار کی طرح ہے جو ایک زمین پر کاشت کرتا ہے اور دیکھیے ایک دفعہ شیخ جنید نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ تم اس زمین کی طرح ہو جاؤ جس پر نیک و بد سب ایک طرح سے چلتے ہیں۔ تو ہمارا نفس جو ہے بنیادی جبلتوں کا ایک پیکٹ ہے، ایک مجموعہ ہے اس میں حیوانی جبلتیں پڑی ہوئی ہیں Acquired جبلتیں ہیں سو Facilities ہیں Intellect ہے وجدانی کیفیت ہے مگر بنیاد جو ہے حیوانی جبلتوں پر ہے۔ تو حیوانی جبلتیں ساری کی ساری Aggresive ہیں اور یہ بار بار Influence کرتی ہیں۔ ہمارے اخلاق و کردار کو کہیں نا کہیں اور دیکھیے

شیطان یہ دیکھتا ہے کہ غصہ تو اس میں ہے۔ Aggressive ہے مگر آدمی بڑا شریف ہے تو وہ انتظار میں رہے گا۔ اس Weakness کی جس پر اس کو غصہ آئے اور جونہی اسے کوئی ایسا Chance ملے گا وہ فوراً اس میں بیج کاشت کر کے اسے کسی نہ کسی فتنے کی نذر کرے گا۔

خواتین و حضرات! Possible ہے کہ شیطان ایک جگہ قائم نہیں رہتا۔ اگر آپ اسے یہ کہو کہ وہ بار بار ایک ہی چیز سے حملہ کرے تو وہ نہیں کر سکتا۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک طرف سے آپ کو مار نہ پڑی تو دوسری طرف سے آجائے گا۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی Trial کرتا رہتا ہے کہ کہاں سے یہ مرتا ہے اور کہاں سے یہ جیتا ہے اور دوسری بات اس کے پاس Filing بڑی لمبی ہے۔ آدم سے لے کر آج تک وہ بڑے Efficient Department کا مالک ہے۔ آپ سمجھتے ہو کہ وہ ایسے ہی آئے گا اور آپ کو بہکائے گا۔ ایسا نہیں ہے۔

He has a Complele invincible system.

ملک اور ڈیپارٹمنٹ اس کے Servants ہیں، خدمت گذار ہیں، الماریاں لگی ہوئی ہیں فائلیں لگی ہوئی ہیں، فرض کرو کہ اس نے مجھے بہکانا ہے تو اوٹ پٹانگ طریقے سے نہیں بہکائے گا۔ وہ کہے گا کہ اس نالائق نے میرا بڑا نقصان کر دیا میں لوگوں کو اللہ سے اغوا کر رہا تھا۔ یہ انہیں واپس ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہے تو ذرا اس کی فائل نکال کر لاؤ تو میری طبع اور Temper کی پچھلی ساری فائلیں نکالے گا، پھر دیکھے گا کہ کہاں کہاں سے احمد رفیق نے مار کھائی ہے۔ پھر وہ تمام حربے مجھ پر آزمائے گا، ادھر میں بھی کچھ چالاک ہوں' میں بھی Strategy کے بجائے اس کو یہی سمجھتا ہوں تو کامیاب ہے مگر میری بغل میں بھی شیطان کے لیے چھری رہتی ہے۔ تو یہ Stratagy بدلتا ہے اور نفس تکرار کرتا ہے۔ نفس Strategy نہیں بدلتا، وہ اڑیل ہے ضدی ہے۔ ایک ہی چیز بار بار لاتا ہے اور اس کو Possession بنا لیتا ہے Obsession بنا لیتا ہے Psycosis بنا لیتا ہے اور Repeat کرتا ہے اور اس کا علاج بھی اس Repetition کو توڑنا ہے اور شیطان اسے Argument دیتا ہے کہ تیری زندگی بے مقصد ہے۔ دیکھیے قبر تک دو آدمی آرام سے جیتے ہیں صوفی یا ذہنی بیمار صوفی اس لیے کہ وہ بہت سارے لواحق ختم کر آیا ہوتا ہے۔ اس نے زندگی میں Lesser Importances کو Importance نہیں دی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس المیے پر قابو پا لیا۔ میرے لیے کوئی چیز Important نہیں اس لیے اس کو کوئی چیز پیچھے نہیں کھینچتی۔ بڑے آرام سے چلتا چلتا جب قبر تک چلا جاتا ہے تو بقول اقبالؒ:

نشانِ مردِ حق دیگر چہ گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

کیونکہ اس کے پیچھے کچھ نہیں ہے جس کو چاہے جس کی رغبت کرے۔ وہ اپنے دل میں اللہ کی محبت کی وجہ سے باقی رغبتوں کو کم کر چکا ہوتا ہے مگر پاگل کو دیکھو وہ اپنے ذہنی گرفت میں، اداسی میں، وہ اپنے آپ کو دنیا سے علیحدہ کرتا ہوا، اس کو کسی چیز میں مزا نہیں آ رہا ہوتا ہے۔ کسی چیز میں وہ Involve نہیں ہو رہا ہوتا۔ Schizophrenia ہو' Mania ہو' depression ہو' ایک جدائی، ایک علیحدگی اپنی ذات میں حتیٰ کہ شیطان اسے یہ argument دیتا ہے کہ

Life is not worth-living

اس فضول سی زندگی سے بہتر ہے کہ چلو اگلی دنیا جا کے ٹرائی کریں اور وہ بھی بڑی خوشی سے خودکشی کرتا ہے۔ تمام خودکشی کے کیس اسی طرح کی احمقانہ مثال اور دیوانگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

عذاب اور آزمائش کا فرق؟

سوال: انسانوں پر جو مسائل آتے ہیں، کیسے پتا چلتا ہے کہ خدا کی طرف سے امتحان ہے یا سزا ہے؟

جواب: خواتین و حضرات: یہ بڑا مناسب سوال ہے۔ قرآن بڑی وضاحت سے کہتا ہے کوئی ایسی تکلیف نہ ہوگی عذاب ایسا مطلوب نہ ہوگا جس سے بچنے کی امید نہ رہے۔ یہ پانچ Heads ہیں ان سے ہم لوگوں کو تھوڑا تھوڑا آزمائیں گے مکمل نہیں۔ لہٰذا مکمل تکلیف تو شاید عذاب ہو مگر تھوڑی تھوڑی، ہلکی ہلکی تکلیف آزمائش ہے۔ مگر ہلکی آزمائش میں کچھ ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے کہ خدا یہ مناسب سمجھے کہ اگر کسی کے دس بچے ہیں تو ان کے ماں باپ سے ایک بچہ لے کے دیکھوں۔ اگر کسی کے تین گھر ہیں تو چلو ان میں سے ایک گھر تباہ و برباد کر دوں کہ کیا کرتا ہے۔ تو عذاب اور آزمائش میں یہ بنیادی فرق ہے۔ تو دیکھیے پہلے اس نے کہا کہ میں تمام لوگوں کو یہ تھوڑا تھوڑا نقصان دوں گا مگر اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ عذاب ہے۔ یعنی کہ جس پر تھوڑی سی مصیبت آ جائے تو اس کا حق یہ ہے اور اس کی Approach یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کی طرف سے مصیبت آئی ہے اللہ ہی کی طرف چلی جائے گی۔ لہٰذا جس کی آزمائش ہو اس کو بڑی احتیاط کرنی چاہیے کہ وہ گلی گلی کوچے کوچے حساب لگانے کے لیے نہ چل پڑے اور یہ نہ پوچھے کہ کس نے جادو کیا ہے۔ کس نے ٹونا کیا ہے۔ کس نے میری زندگی خراب کی ہے۔ بھاوج نے، ساس نے، بھائی نے، بیٹا ہے۔ جب آپ ادھر چل پڑو گے تو یقیناً خسارے میں رہو گے۔ شیطان کو موقع دو گے لیکن اگر ”قالو انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون“ (البقرۃ: آیت ۵۶) کہہ دیا تو شیطان بھی منہ کی کھائے گا اور وہ فرضی جادوگر بھی۔ اور پھر تو اللہ کہتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مصیبت سے نکل جائیں گے بلکہ آگے آواز دیتا ہے۔ رحمٰن و رحیم آواز دیتا ہے کہ ان لوگوں پر جو یہ Approach رکھتے ہیں کہ مصائب میں صرف اللہ کو رجوع کرو۔ اور یہ کہتے ہیں کہ مصیبت خدا کی طرف سے آئی ہے اور اس کی طرف پلٹ جائے گی تو ان لوگوں پر ہماری طرف سے درود و سلام ہے اور رحمت ہے۔ آپ یقین جانئے کہ وہ کتنی قیمتی رحمت ہوگی کہ جس کے نتیجے میں اللہ آپ کو درود و سلام بھیجے اور رحمت بھیجے۔ ایسی مصیبت کی تو آرزو کرنے کو جی چاہتا ہے۔